

تعلیماتِ اسلام مکمل



تالیف

مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان رحمہ اللہ

خلیفہ ارشد

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ

مکتبۃ البشریٰ

Scanned with CamScanner

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرات اہل علم، عزیز طلبہ اور معزز قارئین کی خدمت میں گذارش :

الحمدللہ! اس کتاب کی تصحیح کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی غلطی نظر آئے یا کوئی مفید تجویز ہو تو براہ کرم تحریر کر کے ہمیں ضرور ارسال فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت بہتر اور غلطی سے پاک ہو سکے۔

جزاکم اللّٰہ تعالیٰ خیراً

مکتبۃ البشری

برائے خط و کتابت: 9-A/1 محمد علی سوسائٹی، بالمقابل عوامی مرکز، شاہراہ فیصل، کراچی۔ 75350

کتاب کا نام : تعلیماتِ اسلام

تالیف : مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ

قیمت برائے قارئین : فہرست کتب ملاحظہ فرمائیں۔

سن اشاعت : ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء

ناشر : مکتبۃ البشریٰ چودھری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی پاکستان

Z-3، اوورسیز بنگلوز، گلستان جوہر، کراچی۔ پاکستان

فون نمبر : +92-21-37740738, +92-21-34541739

ویب سائٹ : www.maktaba-tul-bushra.com.pk

www.ibnabbasaisha.edu.pk

ای میل : al-bushra@cyber.net.pk

ملنے کا پتہ : مکتبۃ البشریٰ، کراچی۔ پاکستان

موبائل نمبر : 0346-2190910, 0334-2212230, 0321-2196170

0302-2534504, 0314-2676577

اس کے علاوہ تمام مشہور کتب خانوں میں بھی دستیاب ہے۔

فہرستِ مضامین

عقائد

فہرستِ مضامین

عبادات

فہرستِ مضامین

معاملات، معاشرت، اخلاقیات، سیاست

فہرستِ مضامین

سیرتِ طیّبہ

فہرستِ مضامین

متفرقات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

زیر نظر کتاب کے مؤلف مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ ہیں۔ آپ نے ہندوستان کی بلکہ عالم اسلام کی سب سے بڑی اور مشہور دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۵۱ھ میں علومِ اسلامیہ کی تکمیل کی اور اس کے بعد سے مسلسل بفضلہٖ تعالیٰ تبلیغی واصلاحی دینی خدمات میں مشغول رہے۔ حکیم الامت مجدد الملت محی السنّت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی صاحب قدس اللہ سرہٗ سے بیعت اور وابستگی کے بعد آپ نے یوپی کے مشہور ومعروف قصبہ تھانہ بھون سے متّصل قصبہ جلال آباد ضلع مظفرنگر کو اپنا مسکن بنایا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی صحبت نے حضرت مسیح الامت رحمۃ اللہ کو ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی علوم اور انوار و برکات سے بھی مالا مال کیا۔ اور بالآخر ۲۵ شوال ۱۳۵۱ھ کو تھانہ بھون سے حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کا سرفراز نامہ پہنچا کہ

''میری طرف سے آپ کو تعلیم و تربیت اور تلقین و بیعت کی اجازت ہے''۔

گویا کہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے بیعت ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اپنی خلافت کے عظیم اور گراں قدر منصب سے بھی نوازا۔ سبحان اللہ! ادھر علومِ درسیات سے شعبان ۱۳۵۱ھ کو فراغت ہوئی اور ادھر ساتھ ہی شوال ۱۳۵۱ھ میں خلافت سے بھی سرفراز فرما دیا گیا۔

تھانہ بھون سے متّصل آبادی قصبہ جلال آباد میں ''مفتاح العلوم'' کے نام سے جو ایک مکتبی طرز کا مدرسہ قائم تھا جس کا سنگِ بنیاد جامع المجددین حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا تھا، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ نے خود اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ

''مولانا مسیح اللہ صاحب اس مدرسے کا انتظام و انصرام سنبھال لیں اور اس میں خالص دینی تعلیم کا اہتمام ہو''۔

چناں چہ حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ نے اپنے حضرت شیخ قدس اللہ سرہ کی اس خواہش کی تکمیل کی اور اس کو عملی جامہ پہنایا۔ اور مدرسہ ''مفتاح العلوم'' کو جو ایک مکتب کی شکل میں تھا، اپنے خلوص اور انتھک جدو جہد سے ایک ایسی دینی درس گاہ بنا دیا جہاں سے سینکڑوں فرزندانِ توحید علوم نبویہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی روشنی حاصل کرتے ہیں اور پورے ملک میں اس روشنی کو پھیلاتے ہیں۔

حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ اس دینی درس گاہ سے باون سال سے زیادہ منسلک رہے۔ تقریباً نصف صدی سے کچھ زیادہ۔ اس دور میں حالات نے کتنی پلٹیاں کھائیں۔ زمانے نے کتنے انقلاب دیکھے۔ مگر حضرت رحمہ اللہ نے علم وعمل کی جو شمع روشن کی تھی وہ بحمد اللہ تعالیٰ تابانی کے ساتھ روشن ہے۔ اللّٰھم زد فزد.

۱۹۴۷ء کے ہنگامی دور کے بعد بھی آپ نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامت کے وطن مبارک کے قرب کو خیر باد نہیں کہا، بلکہ اس سرزمین میں بیٹھے دینِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی برابر خدمت کرتے رہے۔

حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کی زندگی علم وعمل کے امتزاج اور ہم آہنگی کی ایسی جامع تصویر تھی جس کے نمونے اس دور میں خال خال ہی کہیں نظر آتے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ کو ظاہری نام ونمود سے حد درجے نفرت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے طویل عرصے تک آپ انتہائی خاموشی کے ساتھ ایک عظیم دینی خدمت سرانجام دیتے رہے۔

عرصے سے ایک ایسی کتاب کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی جس میں اسلامی عقائد، عبادات، معاشرت، اخلاق، رسوم و بدعات، اعمالِ مسنونہ وغیرہ جیسے مسائل آسان، سہل ترین اور دلچسپ انداز میں پیش کیے جائیں اور جو بچوں، بڑوں اور کم علم والے حضرات کو یکساں طور پر مفید ہوں۔ سو بحمد اللہ تعالیٰ حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ نے اس ضرورت کو احسن طریقے سے پورا فرما دیا۔ اور مذکورہ بالا عنوانات کے تحت ہر چیز کو وضاحت اور دلائل کے ساتھ پیش فرمایا۔

پہلے اس کتاب کا نام ''شرف المکالمہ'' تھا۔ پھر بعد کو طباعتِ ثانی کے وقت حضرت اقدس مسیح الامت رحمہ اللہ کے مشورے سے ''تعلیماتِ اسلام'' نام تجویز ہوا۔

زیرِ نظر کتاب میں جس کے ۵ حصے ہیں، اس مرتبہ کی اشاعت اور ترتیب میں چند

تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ مثلاً: عقائد سے متعلق جتنے مضامین تھے، ان سب کو پہلے حصے میں، اور اعمال وعبادات کو دوسرے حصّے میں، اور معاملات، معاشرت، اخلاق اور ولایت کو تیسرے حصّے میں، اور سیرتِ طیّبہ کے مضامین کو چوتھے حصّے میں، اور گناہوں کے احکام، بدعات ورسوم، اسلامی مہینوں کے احکام، چہل حدیث، مسنون دعائیں، اغلاط العوام جیسے مسائل کو پانچویں حصّے میں رکھا گیا ہے، تاکہ اگر طلبا کو پڑھائی جائے تو درجہ بہ درجہ ان کے فہم کے مطابق مضامین بہ تدریج ان کے سامنے آتے رہیں۔

نیز اس مرتبہ کی طبعِ ثانی کی ایک اہم اور بڑی خصوصیّت یہ ہے کہ اس کو حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب دام ظلہم، مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی و صدر وفاق المدارس پاکستان نے اپنے جامعہ کے دارالافتاء کے مفتی حضرات سے اس پر نظرِ ثانی کرائی۔

اسی طریقے سے فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ (بانیِ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا) نے بھی اپنی نگرانی میں اپنے دارالافتاء کے اراکین سے نظرِ ثانی کرائی اور ان حضرات نے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا، اور جہاں جہاں ترامیم کی ضرورت محسوس فرمائی وہاں ترمیم کر کے اور بعض جگہ مشکل عبارات کو آسان پیرایہ میں ڈھال کر ”تعلیماتِ اسلام“ کے حسن کو مزید دوبالا کر دیا۔ حق تعالیٰ ان دونوں اکابر کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

حضرت اقدس مولانا مفتی سیّد عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ نے تو اس پر ایک مختصر تعارفی مضمون بھی مرتب فرما دیا جو شاملِ اشاعت ہے۔

نوٹ: جن حضرات نے ”تعلیماتِ اسلام“ کو انگریزی، گجراتی اور ہندی زبانوں میں شایع کیا ہے، ان حضرات سے درخواست ہے کہ اب دوبارہ اس ایڈیشن کے مطابق شایع کریں۔ کیوں کہ اس ایڈیشن میں کافی ترامیم ہوئی ہیں۔

وکیل احمد شیروانی غفرلہٗ

لاہور

تعلیماتِ اسلام

مبوّب

(حصّہ اوّل)

تالیف

مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ

مکتبۃ البشریٰ
شعبہ نشر و اشاعت
چودھری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعلیماتِ اسلام ایک نظر میں

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سیّد محمد عبد الشکور صاحب ترمذی قدس اللہ سرہٗ
مہتمم جامعہ حقانیہ، ساہیوال

الحمد للّٰه و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى. أما بعد!

عرض آں کہ کتاب ''تعلیماتِ اسلام'' مؤلفہ حضرت مسیح الامت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ خلیفۂ ارشد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ السامی کے تفصیلی مطالعے کا احقر کو شرف حاصل ہوا۔ فالحمد للّٰه على ذالك.

یہ کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے، اس کتاب کے اعتبار اور استناد کے لیے حضرت مولانا ممدوح کا اسمِ گرامی ہی کافی ضمانت ہے۔ مختصر طریقے سے کتاب کا تعارف پیش کرنے کی سعادت حاصل کرر ہا ہوں۔

زیرِ نظر کتاب میں اسلامی عقائد و عبادات کے ساتھ اسلامی اخلاق اور معاشرت وغیرہ کے مسائل کو بھی بیان فرمایا گیا ہے۔

پیرایۂ بیان عام فہم، نہایت آسان اور دلچسپ ہے۔ کم عمر اور کم علم سب کے لیے مفید ہے۔ اگر اس کتاب کو عام طور پر مساجد میں سنایا جائے تو عام فہم ہونے کی وجہ سے عام لوگوں کو ضروری عقائد و مسائل معلوم ہو سکتے ہیں۔

اور دینی مدارس کے ابتدائی درجے میں اگر چھوٹے بچوں کو سبقاً پڑھایا جائے تو از حد مفید ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

پہلے حصّے میں عقائدِ اسلام کا بیان ہے۔ وجودِ باری تعالیٰ پر دلائل قائم کیے گئے ہیں۔ عقائد کی اہمیّت دلائل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ عقیدۂ رسالت و ختم نبوت، ملائکہ، جنّت، دوزخ کے وجود پر دلائل قائم کیے گئے ہیں۔ اور وزنِ اعمال کے عقیدے کو بھی قرآنِ کریم کی

آیات سے ثابت کیا گیا ہے۔

اس عقیدے میں عام طور پر عقل پرست لوگ شک پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالاں کہ یہ عقیدہ قرآنِ کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔

جنّت، دوزخ اور ملائکہ کا وجود بھی ثابت ہے، مگر بہت سے جدید تعلیم یافتہ ان کا انکار اور ان میں تاویلیں کر کے اپنا ایمان خراب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

اسی طرح عِصمتِ انبیا اور معجزات کی حقیقت اور ضرورت کو اچھے پیرایہ میں دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور بعض معجزات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ عقل پرست اور مادہ پرست لوگوں کی سمجھ میں یہ روحانی مافوق العقل اُمور نہیں آتے کہ جو بات ہماری عقل میں نہ آئے اس کا انکار کر دیا جائے۔

قیامت اور اُمورِ آخرت اور وہاں کی جزا اور سزا کا بیان بھی کیا گیا ہے، کیوں کہ آخرت کی جزا اور سزا کا عقیدہ ہی انسان کے کردار و عمل کی اصل بنیاد ہے۔ اگر قیامت اور وہاں کی جزا اور سزا پر یقین نہ ہو تو پھر انسان اور جانور میں کچھ فرق نہیں رہتا۔ مادر پدر آزاد ہو جاتا ہے۔

کتاب کا یہ حصّہ نہایت ہی اہم اور ضروری ہے، کیوں کہ عقائد کی تصحیح کے بغیر کسی عبادت کا اجر نہیں ملتا اور وہ مقبول نہیں ہوتی۔ سب سے پہلے عقائد کو سمجھنا اور ان کو صحیح کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین

دوسرا حصّہ: عبادات کے بیان میں ہے۔ عبادت کسے کہتے ہیں، اس کی قسمیں کتنی ہیں۔ وضو، نماز کا طریقہ، زکوٰۃ، صدقۂ فطر، قربانی، حج وغیرہ عبادات کو بیان کرنے کے ساتھ خطباتِ جمعہ وغیرہ کا بھی بیان فرما دیا گیا ہے۔

تیسرے حصّے میں معاملات، معاشرت، اخلاقیات و سیاست کو بیان کیا گیا ہے۔ عقائد کی تصحیح اور عبادت کی پابندی کے باوجود عام طور پر ہمارے معاملات، خرید و فروخت وغیرہ سودی ہوتے ہیں اور ہمیں علم بھی نہیں ہوتا کہ معاملہ سودی ہو رہا ہے، اچھے اچھے عبادت گزار اس میں نادانستہ طور پر مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اور معاشرت کو تو آج کل دین ہی نہیں سمجھا جاتا، حالاں کہ یہ بھی دین کا ایک حصّہ ہے جس میں عقائد و عبادات اور معاملات کے ساتھ معاشرت کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ ایک دوسرے سے ملنے، پڑوسیوں اور مہمانوں کے اسلام نے کیا آداب سکھلائے ہیں، ان کا علم ضروری ہے۔ اس حصّے میں اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

اسلام میں اخلاقیات کی بہت اہمیّت ہے۔ اور اسلام کا اہم جز ہے۔ اخلاقِ حمیدہ اور اخلاقِ ذمیمہ کی پہلے اجمالی فہرست پیش کی گئی ہے، پھر ہر ایک کی حقیقت اور اخلاقِ حمیدہ کے حاصل کرنے اور ذمیمہ سے بچنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔

عام طور پر ''اخلاق'' کا نام ہی نام زبانوں پر آتا رہتا ہے ان کی حقیقت سے بہت کم لوگوں کو آگاہی حاصل ہے۔ بحمداللہ! اس حصّے میں اخلاقیات کا بیان تفصیل سے کر کے بڑا احسان فرمایا گیا ہے۔ یہی اخلاق اصل تصوف ہیں جن کا ذکر حدیثِ جبرئیل علیہ السلام میں ''الاحسان'' کے عنوان سے کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ''ولایت'' اور ''ولی'' کی تعریف بھی کر دی گئی ہے کہ ولی کسے کہتے ہیں۔ شیخ و مربی کی ضرورت اور ''کرامت'' کا بیان بھی اس سلسلے میں آ گیا ہے جو بہت مفید ہے۔

دین کا ایک شعبہ سیاست بھی ہے، سیاست وحکومت انسانی زندگی کا اہم ترین شعبہ ہے۔ دنیا کی صلاح وفساد پر سب سے زیادہ اثر اسی کے صلاح وفساد کا پڑتا ہے۔ اس لیے یہ ممکن نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت اور راہ نمائی سے اس اہم شعبے کو بالکل خارج فرما دیتے اور اس کے بندے بالکل آزاد ہو کر سیاست وحکومت کی گاڑی جس طرح چاہتے چلاتے۔ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح سیاست وحکومت کے بارے میں بھی اسلام کی خاص ہدایات اور منضبط اصول واحکام ہیں، ان کا لحاظ اور پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس کی طرف بھی اس حصّے میں اشارہ کیا گیا ہے۔

چوتھے حصّے میں ''سیرتِ طیّبہ'' کے عنوان کے تحت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ تعدّدِ ازواج پر شبہات کا رد اور افضلیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دلائل بیان فرمائے گئے ہیں۔ معراج کے ثبوت پر بھی چند دلائل قائم کیے گئے ہیں۔ مدینہ طیّبہ میں اسلام، ہجرت،

مشروعیتِ جہاد، صلحِ حدیبیہ، سلاطین کے نام دعوت نامے، مرضِ وفات، خلافت، صحابۂ کرام، صحابی کی تعریف، فضائلِ صحابہ ایسے کئی عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ چہل حدیث اور سنتوں کا بیان کیا گیا ہے اور اس میں خوب تفصیل کی گئی ہے۔

پانچواں حصّہ: اس حصّے میں گناہوں کی حقیقت، اس کی قسمیں اور بدعت کی حقیقت، عرس کی شرعی حیثیت پر بہت عمدہ پیرایہ میں تفصیلی گفتگو فرمائی گئی ہیں۔

حدیث: لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا. (میری قبر کو عید نہ بنانا)

یعنی جس طرح عید کے لیے دن مقرر ہوتا ہے اسی طرح میری قبر پر اکٹھے نہ ہونا۔ جب حضور ﷺ اپنے روضہ مبارک پر اس طرح جمع ہونے سے منع فرمارہے ہیں تو پھر دوسرے کے مزار پر تعیینِ ماہ و تاریخ اور فاخرہ لباسِ زینت کو پہن کر مثل شادی اور عید کے جمع ہو ہو کر جانا اور جمع ہونا کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ البتہ بغیر تعیینِ تاریخ کے زیارت اور مقصود زیارتِ قبور سے عبرت حاصل کرنا، ان کے لیے دُعا کرنا اور آخرت کو یاد کرنا ہے۔ ان فائدوں کے لیے زیارت کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اس طرح کی زیارتِ قبور سے کوئی منع نہیں کرتا۔ دن وغیرہ کا تعین کر کے عرس سے منع کیا جاتا ہے جس کا "لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا" حدیث سے منع ہونا ثابت ہورہا ہے۔

اس کے بعد اسلامی مہینوں کے خاص خاص احکام بیان کیے گئے ہیں اور ان میں جو غلط رسومات اور بدعات مروّج ہوگئی ہیں ان کی احسن طریقے سے نشان دہی کی گئی ہے۔

میلاد شریف کے بارے میں صحیح اسلامی طرزِ فکر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ذکرِ رسول ﷺ کے ساتھ کوئی ایسی چیز جمع نہ کی جائے جو کہ حضور ﷺ کی مرضی و خوشی کے خلاف ہو"۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"جو بات دین کا جز و نہیں اسے دین میں داخل نہ کرو"

پھر لکھا ہے کہ "کیا آج کل جو میلاد شریف کا طرز ہے وہ مکروہ باتوں سے پاک ہوتا ہے؟ اور عقیدوں کی درستی کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہوجائے گا کہ کوئی چیز آج کل میلاد شریف میں پیارے رسول ﷺ کی مرضی کے موافق نہیں"۔ اسی طرح تقریباً

ہر ماہ کی غلطیوں اور رسومات کو اچھے انداز میں ذکر فرما دیا گیا ہے۔

اس جگہ ایک قاعدہ فقہیہ کی طرف بھی اشارہ فرما دیا ہے جس سے بہت سی بدعات کا منع ہونا سمجھا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں: ''جس کے فعل سے دوسرے لوگ حجت پکڑیں کہ یہ کام فلاں صاحب نے بھی تو کیا ہے اور جو لوگ پوری رعایت شرع کی کرتے ہیں، تو ایسے شخص کو بھی اس فعلِ مباح اور مستحب کی اجازت نہ دی جائے گی کہ اس میں دوسرے مسلمان بھائیوں کا دینی اور دنیوی نقصان ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح خود غلط عقیدے سے بچنا ضروری ہے، اسی طرح دوسرے کے عقیدے کی حفاظت بھی ضروی ہے۔ جس کا فقہی عنوان ہے کہ جس طرح لازمی مفسدہ سے کوئی امرِ مباح و مستحب ممنوع ہوجاتا ہے اسی طرح مفسدۂ متعدیہ سے بھی ممنوع ہوجاتا ہے۔ اس قاعدے کو نظر انداز کردینے سے بہت سے اُمورِ ممنوعہ میں ابتلا ہوجاتا ہے۔

اس کے بعد اس حصّے کے آخر میں چند مفید اور مسنون دُعاؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم اور حدیث میں مختلف عنوانات سے دُعا کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

آخر میں ان بعض باتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو لوگوں میں غلط پھیل گئی ہیں۔ غرضیکہ یہ کتاب اجمالی طور پر تمام تعلیماتِ اسلام پر مشتمل اور اسلام کے جملہ ابواب کی جامع اور حاوی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں اور حضرت مؤلف رحمہ اللہ کے لیے ذریعۂ رفعِ درجات بنائے۔ آمین

فقط

سیّد عبد الشکور ترمذی عفی عنہ

جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

خصوصیات

''تعلیماتِ اسلام'' میں حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ نے قرآن وسنت کی روشنی میں اسلامی عقائد پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وجودِ باری تعالیٰ اور پھر توحیدِ باری عز اسمہٗ پر انتہائی ٹھوس اور مثبت دلائل پیش کیے ہیں۔

مادّہ اور نیچریت کے پرستاروں کے اشکالات واعتراضات کے عقلی ونقلی جوابات دیے گئے ہیں جو اپنی جگہ ٹھوس اور مُسکت ہیں۔ کتبِ سماوی پر جامع بحث اور نزولِ قرآن اور اعجازِ قرآن کے دلائل وشواہد، نبوت ورسالت، ملائکہ، جنّت وجہنّم، معجزات اور اعمال وعبادات پر جامع کلام کیا گیا ہے۔

کتاب کو سوال وجواب کے انداز میں لکھ کر زیادہ دلچسپ اور عام فہم بنا دیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ حضرتِ اقدس رحمہ اللہ کو اجرِ جزیل سے نوازیں اور ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشیں۔ آمین یارَبّ العالمین

احقر وکیل احمد شیروانی عفی عنہ
خادم التدریس والافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور
ناظم مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان لاہور

نوٹ: اساتذہ کرام سے درخواست ہے کہ اگر کوئی مضمون مشکل ہو جس کو بچہ آسانی سے نہ سمجھ سکتا ہو تو اس کو آسان اور عام فہم انداز سے بچے کو سمجھا دیں۔

عقائد

سوال: عقیدہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: عقیدہ کہتے ہیں دل میں کسی بات کا جمنا، دل کا کسی بات کو قبول کرنا۔ لیکن شریعت میں عقیدہ کہتے ہیں کہ جن باتوں کی اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول نے خبر دی ہے ان کو اسی طرح ماننا اور قبول کرنا، دل میں جمانا۔ جیسا: مرنے کے بعد زندہ ہونے کی خبر، سوال و جوابِ قبر، حساب و کتاب و قیامت، جنّت و دوزخ کی خبر، نماز، روزہ، زکوٰۃ وحج کے فرض ہونے کی خبر، شراب و زنا اور جوا وغیرہ کے حرام ہونے کی خبر، وغیرہ۔

سوال: کیا صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینا ایمان لانے کے لیے کافی ہے، یا اس کے معنی ومطلب کا سمجھنا بھی ضروری ہے؟

جواب: صرف زبان سے بدون مطلب کے سمجھے ہوئے پڑھ لینا کافی نہیں، معنی و مطلب کو سمجھے اور دل سے ان باتوں کو یقینی جانے اور زبان سے اقرار کرے، تب مؤمن کہا جائے گا۔ البتہ اگر کوئی گونگا ہو تو معذوری ہے۔ اس کا صرف اس طرح اشارہ کرنے سے کہ جو توحید پر اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت پر علامت و دلیل ہو سکے، کافی ہے۔

وجودِ باری تعالیٰ پر دلائل

سوال: خدا تعالیٰ کے موجود ہونے پر کچھ آسان اور عام فہم دلائل بیان کیجیے۔

جواب: پہلی دلیل: موٹی سی بات کے لیے دلیل کی کیا ضرورت؟ ذرا سوچو! جب ایک معمولی سا کام، معمولی سی چیز بدون کاریگر اور بدون فاعل (کرنے والے) کے نہیں ہو سکتی تو بھلا اتنا بڑا کارخانہ اپنے آپ بدون صانع (بنانے والے) کے کس طرح وجود میں آ سکتا ہے؟ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ وجودِ باری تعالیٰ پر کیا دلیل ہے؟ آپ نے فرمایا: ذرا ٹھہرو میں ایک بات کی سوچ میں فکرمند ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ دریا میں ایک کشتی سامان سے بھری ہوئی ہے کوئی اس کی

نگہبانی نہیں کرتا، نہ اس کو کوئی چلاتا ہے، مگر اس کے باوجود کشتی خود بہ خود آتی جاتی چلتی پھرتی ہے، موجوں کو چیر پھاڑ کر نکل جاتی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ بات تو خلافِ عقل ہے، کوئی عاقل تو ایسی بات نہیں کہے گا۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: افسوس تمہاری عقل پر کہ پھر یہ موجودات جس میں عالم علوی و سفلی ہے اور یہ اشیا جس پر دو عالم مشتمل ہے کیا ان کا کوئی بنانے والا نہیں؟ کوئی چلانے والا نہیں؟ اتنا بڑا کارخانہ خود بہ خود چل رہا ہے؟ کسی شے کا وجود بدون بنانے والے کے عقلاً ممکن نہیں ہوسکتا، کیوں کہ وجود کا ایک اثر ہے جو بدون کسی اثر کرنے والے کے نہیں ہوسکتا۔ پس کس طرح ہوسکتا ہے کہ یہ عالمِ جسمانی بدون کسی اثر کرنے والے کے موجود ہوجائے، بلکہ یہ مستلزم ہے اپنے وجود میں اپنے مؤثر کے وجود کو۔ پس ثابت ہوا کہ وہ ذاتِ مؤثر موجود ہے، جس کو خدا کہتے ہیں۔ قوم یہ سن کر متحیّر ہوئی اور حق کی طرف رجوع کیا اور امامِ عالی مقام کے ہاتھ پر توبہ کی اور مسلمان ہوگئے۔

دوسری دلیل: امام شافعی رحمہ اللہ نے وجودِ باری تعالیٰ پر یہ دلیل قائم کی کہ شہتوت کے درخت کے پتے کو دیکھو کہ اس کا مزہ ایک ہے، جب کیڑا اس کو کھاتا ہے تو ریشم نکلتا ہے اور شہد کی مکھی اس کو کھاتی ہے تو شہد بنتا ہے اور بکری اور چوپائے اس کو کھاتے ہیں تو مینگنی اور گوبر نکلتا ہے اور ہرن چرتا ہے تو مشک بنتا ہے، حالاں کہ چیز ایک ہی ہے، آخر یہ کس کی کاریگری ہے۔ ضرور ذاتِ موجود صانع قادرِ مطلق کی قدرت کے کرشمے ہیں۔

تیسری دلیل: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے وجودِ باری تعالیٰ پر یہ دلیل بتائی کہ ایک قلعہ جو مضبوط اور چکنا ہے، اس کا نہ کوئی دروازہ ہے نہ راستہ ہے ظاہر میں ایسا جیسے سفید چاندی، باطن میں ایسا جیسے خالص سونا، اچانک اس قلعے کی دیوار پھٹ گئی اور اس میں سے ایک جانور سنتا دیکھتا اچھی شکل نمکین آواز کا نکلا۔ تم سمجھ گئے ہوگے کہ وہ کیا ہے؟ وہ انڈا ہے، جس سے پرندہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ کھلی اور واضح دلیل ہے کہ یہ ذات موجود واحد قدیر کی کاریگری ہے۔

چوتھی دلیل: امام مالک رحمہ اللہ نے ہارون الرشید کے پوچھنے پر کہ خدا تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل

ہے؟ آپ نے دلیل یہ بیان فرمائی کہ لغات و آواز، زبانوں اور نغموں کا اختلاف، صانعِ حقیقی کے موجود ہونے کی کھلی دلیل ہے۔

پانچویں دلیل: عزیز من! جو شخص بھی آسمانوں میں ان کی بلندی بلا ستون اور وسعت اور پھیلاؤ میں اور بڑے چھوٹے ستاروں میں جو چلتے پھرتے اور ٹھہرے ہوئے ہیں، غور و تأمل کرے گا اور دیکھے گا کہ کس طرح آسمان عظیم الشان کے ساتھ ساتھ چکر کھاتے ہیں اور پھر بھی اپنی خاص چال علیحدہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح ان دریاؤں کی طرف جو شخص نظر کرے گا جو کہ زمین کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، اور ایک مرکز سے دوسرے مرکز کی طرف نفع کے لیے کس طرح بہتے ہیں۔ اور ان پہاڑوں پر جو کوئی خیال کرے گا، جو کہ زمین پر رکھے ہوئے ہیں تا کہ زمین والے قرار وسکون سے رہیں۔ اور ایسے ہی ان طرح طرح کے حیوانات اور قسم قسم کی نباتات اور بوٹیوں پر غور کرے گا کہ جن کے مزے اور بو اور شکلیں جدا جدا ہیں۔ حالاں کہ مٹی اور پانی کی طبیعت ایک ہے، تو ایسا شخص یقیناً خالق کے وجود اور اس کی قدرتِ عظیم، حکمتِ بالغہ اور رحمت و لطف اور احسان کو ضرور تسلیم کرے گا۔ یعنی یہ تمام مختلف عجائبات اور منافع اس بات پر دلیلِ تاباں، برہانِ درخشاں اور حجّتِ نمایاں ہیں کہ ان کا خالق صانع، حکیم، موجد و علیم ہے۔

خدا تعالیٰ کے وجود پر چھٹی دلیل فطری: عورت و مرد دونوں انسان ہیں، مگر دونوں میں کس قدر فرق ہے کہ مرد کی خلقت و بناوٹ جدا ہے۔ مرد سے بچہ پیدا نہیں ہوسکتا، عورت سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ مرد سے مرد کو وہ راحت اور سکون حاصل نہیں ہوتا جو عورت سے حاصل ہوتا ہے، تو ایک ہی نوع کے افراد میں اس قدر تفاوت اور اس میں مصالح کی اس قدر رعایت بدون صانع حکیم کے نہیں ہوسکتی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارا صانع ہمارا بنانے والا ضرور ہے۔

عرب کے ایک گاؤں کا رہنے والا کہتا ہے:

البعرة تدل على البعير، والأثر يدل على المسير، فالسماء ذات الأبراج والأرض ذات الفجاج، كيف لا تدلان على اللطيف الخبير.

ترجمہ: اونٹ کی مینگنی دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے کوئی اونٹ گیا ہے اور نشانِ قدم دیکھ کر یہ معلوم ہوتا

ہے کہ ابھی یہاں سے کوئی گیا ہے۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

تو یہ بڑے بڑے ستاروں اور چاند سورج والا آسمان اور یہ کشادہ اور فراخ سڑکوں والی زمین اپنے صانع حکیم کے وجود پر کس طرح دلالت نہ کرے گی، ضرور کرے گی۔ سبحان اللہ! ایک گاؤں کا اَن پڑھ کیسی عجیب بات کہتا ہے کہ جب آثار مؤثر پر دلالت کرتے ہیں، دھواں دیکھ کر ہم کو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہاں آگ ہے، ایک نفیس عمارت دیکھ کر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کا بنانے والا ضرور کوئی ہے۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ مکان خود ہی تیار ہوگیا ہوگا۔ پھر حیرت ہے کہ اتنا بڑا آسمان اور وہ بھی بے ستون اور پہاڑ و زمین دیکھ کر اور اس کے نظامِ اکمل کا مشاہدہ کر کے تم کو ایسے صانع کا علم نہ ہو اور یوں کہو کہ یہ ضرور ہی اپنی طبیعت سے بن گئے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے وجود پر ساتویں فلسفیانہ دلیل: ہم کو بہت سی چیزوں کا حدوث (نیا پیدا ہونا یعنی پہلے سے نہ ہو بعد میں ہو) مشاہد ہیں اور جن بعض کا حدوث مشاہد نہیں تو ان کے احوال کا تغیّر و انقلاب بتلا رہا ہے کہ یہ حادث ہیں، کیوں کہ محل حادث کا حادث ہوتا ہے۔ لہٰذا اشیائے عالم کا تغیّر و انقلاب بتا رہا ہے کہ یہ سب حادث ہیں، اور حادث کے لیے ممکن ہونا لازم ہے، اور ممکن کے لیے کسی مُرجح (ترجیح دینے والا) کی ضرورت ہے، کیوں کہ ممکن وہ ہے جس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہوں، تو جس کا وجود و عدم برابر ہو تو اس کے وجود کے لیے کوئی مرجح ہونا چاہیے، ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی، اور ترجیح بلا مرجح باطل ہے۔ پھر اس مرجح میں گفتگو کی جائے گی کہ وہ ممکن ہے یا کچھ اور ہے، اگر مرجح ممکن ہو تو اس کے لیے دوسرے مرجح کی ضرورت ہوگی اور چوں کہ تسلسل محال ہے اس لیے کہیں نہ کہیں یہ سلسلہ ختم کرنا پڑے گا اور یہ ماننا پڑے گا کہ مرجح ایسی ذات ہے جو ممکن نہیں بلکہ واجب الوجود ہے (جو اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ہو)۔ پس اسی واجب کو ہم خلّاقِ[1] عالم و صانع کہتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ صانعِ عالم

[1] عالم کا پیدا کرنے والا

موجود ہے۔ وہی ہر شے کا خالق اور بنانے والا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مصنوعات سے صانع حقیقی پر استدلال فلسفی طریق پر بھی ہے۔

وحدانیتِ باری تعالیٰ

سوال: یہ کس طرح معلوم ہوا کہ خدا ایک ہے؟

جواب: عزیز من! یہ تو ایک عقلی چیز ہے کہ بھلا ایک ملک میں دو بادشاہوں کی حکومت کہیں چل سکتی ہے؟ حکومت کا خاصہ ہے یکتائیت کہ اپنی حکومت میں بادشاہ کی حکومت کو نہیں دیکھ سکتا، اور چاہتا ہے کہ اس کی بادشاہت پر بھی میں قابض ہو جاؤں۔ تو بھلا پھر خدائی سلطنت میں شرکت کیوں کر گوارا ہو سکتی ہے؟

یہی شرکت خدا تعالیٰ کی خدائی میں شرک کہلاتی ہے۔ اور پھر دوسرے خدا کو ماننے کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے؟ کیوں کہ دوسرے کو اگر ماننا بھی ہوگا تو یا تو ضعفِ علم کی وجہ سے، یا ضعفِ قدرت کی وجہ سے، یا ضعفِ فہم کی وجہ سے، یا قلّتِ تجربہ کی وجہ سے، جیسا کہ پارلیمانی صورت میں ہوتا ہے۔

سو یہ ضعف یا اور کسی قسم کا ضعف جو دوسرے کی طرف محتاج کرنے والا ہو، خدا ہونے کے منافی ہے۔ کیوں کہ پھر خدا کی خدائیت اور حکومت اور دوسرے دنیاوی بادشاہوں کی بادشاہت و حکومت میں کیا فرق ہوا؟ حالاں کہ خدا وہ ہے کہ جو خود اپنی ذات میں ہر اعتبار سے خود مختار و مستقل ہو، کسی اعتبار و جہت سے کسی کی طرف ذرا احتیاج نہ ہو۔ حتیٰ کہ عالم کو پیدا کرنے میں مادّے[1] کا محتاج نہ ہو، ورنہ وہ خالق نہ ہوگا بلکہ محتاج ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جس قدر حکما گزرے ہیں جیسے بقراط، سقراط، ارسطو، افلاطون سب مُوحد تھے۔ خدا کو ایک جانتے اور ایک مانتے تھے۔

عزیز من! اگر کسی پر خارجی اثرات مسلّط نہ ہوں تو وہ فطری فہم کے مطابق ضرور بالضرور خدا کو ایک سمجھے گا، بلکہ اس کے ساتھ صفات میں بھی کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گا۔

---

[1] ہر شے کی اصل

بھلا ذات میں تو کسی کو کیا شریک ٹھہرا سکتا ہے۔

خدا کی وحدانیت پر دوسری دلیل: میں خدا کی وحدانیت پر دوسری دلیل پیش کرتا ہوں اور وہ یہ کہ شرکت کا معاملہ ہمیشہ برا ہی دیکھا ہوگا۔ کوئی نہ کوئی نقص وفتور اس میں ضرور پیدا ہوتا ہے، چناں چہ اس کی طرف اس ذاتِ واحد نے اپنے کلام میں خود تصریح فرمائی ہے، فرمایا:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾[1] اگر آسمان وزمین میں بہت سے معبود ہوتے تو عالم کا انتظام بگڑ جاتا۔

کیوں کہ اگر دو خدا ہوتے تو وہ دونوں یا تو قدرت والے ہوتے یا ایک عاجز ہوتا، تو جو عاجز ہوتا وہ خدائی کے لائق کہاں۔ اور دونوں قدرت والے ہو نہیں سکتے، کیوں کہ ان کی آپس میں مخالفت ممکن ہوگی، اگرچہ بالفعل کسی وقت آپس میں اتفاق ہو۔ جیسے: ایک نے زید کو مارنا چاہا تو دوسرے نے کسی خاص وقت تک کے لیے زید کی زندگی چاہی، تو ضروری ہے کہ زید کے لیے اس وقت زندگی ہوگی یا موت، کیوں کہ دونوں باتیں ایک وقت میں ہوں، یہ محال ہے۔ سو اگر اس کو موت ہوئی تو جس نے حیات چاہی تھی اس کا عجز ثابت ہوا۔ اور اگر زندہ رہا تو جس نے زید کا مرنا چاہا وہ عاجز ہوا۔

بہر حال دونوں میں سے ایک کو عاجز ضرور ہونا پڑا۔ اور جو عاجز ہو وہ عالَم کا خالق اور واجب الوجود خدا نہیں ہوسکتا۔ پس ثابت ہوا کہ خدا ایک ہی ہے، شرک وشرکت محال و ناجائز ہے۔

سوال: اختلاف کا امکان ہی کیوں ہو، دونوں متفق ہوکر رہیں گے؟

جواب: اگر یہ کہا جائے کہ دونوں میں اختلاف ممکن نہیں اتفاق ہی رہے گا تو ہم کہیں گے کہ جب ایک کا فعل کافی ہوگیا تو پھر دوسرے کی کیا ضرورت؟ جب احتیاج ہی نہیں اور ایک کا وجود کافی ہے تو دوسرا زائد اور معطل ہوگا۔ اور تعطل خدا کی شان سے محال ہے۔ لہٰذا دوسرے خدا کا وجود محال ہے۔ پس ثابت ہوا کہ خدا ایک ہی ہوسکتا ہے۔

---

[1] الأنبياء: ۲۲

صفات کا بیان

سوال: صفات میں شریک ٹھہرانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: صفات دو قسم کے ہوتے ہیں: ذاتی اور اضافی۔ ذاتی صفات، جیسے: وحدت، وجوب، علم، قدرت، ارادہ، حیات، کلام، سمع، بصر۔ اور اضافی، جیسے: اِحیا (زندہ کرنا) اِماتت (مار ڈالنا) رزاق (رزق دینا) تخلیق (پیدا کرنا)، ان صفات میں سے کسی بھی صفت میں اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح جو افعال بندوں کے اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں ان کو کسی کے لیے کرنا یہ بھی شرک ہے۔ جیسے: عبادت کے طور پر کسی کے سامنے کھڑا ہونا، جھکنا، مثلاً: نماز کسی کے لیے پڑھنا، یا روزہ کسی کے لیے رکھنا، یا سجدہ یا رکوع کسی کے لیے کرنا۔

سوال: ذرا ان صفات کی وضاحت فرما دیجیے، کیوں کہ علم وقدرت وغیرہ تو ہم مخلوق میں بھی پاتے ہیں پھر شریک نہ ہونے کے کیا معنی؟

جواب: سنیے اور غور سے سنیے!

وحدت: وحدت کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کو دل سے ایک جانے ایک مانے، کسی حیثیت سے بھی اس کو کسی کا محتاج نہ جانے۔ نہ باپ کی حیثیت سے، نہ بیوی کی حیثیت سے، نہ عالم کو پیدا کرنے میں مادّے کی حیثیت سے اور نہ مستشیر کے مشورہ لینے کی حیثیت سے۔ بس ہر حیثیت سے وہ یکتا ہے۔ دل سے ایک سمجھے اور زبان سے ایک ہونے کا اقرار کرے۔ لہٰذا اس طرح کسی اور کے لیے صفاتِ یکتائی ماننا یہ شرک فی التوحید ہے۔

وجوب: وجوب کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ذات کا موجود ہونا خود اپنی ذات میں ضروری ہے، اس کا معدوم ہونا محال ہے۔ وہ ذات ازلی اور ابدی ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ نہ اس کی ابتدا ہے نہ انتہا۔ خود بہ خود اپنی ذات میں موجود ہے۔ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں اور سب اشیا اس کی محتاج ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات کے واجب

الوجود ہونے کے یہ معنی ہوئے۔ لہٰذا اس طرح کسی اور کو ماننا یہ شرک فی الوجوب ہے۔

قِدَم: قِدم کے معنی ہیں کہ جو شے ہمیشہ سے ہو ہمیشہ رہے۔ ایسی ذات سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ لہٰذا قِدم اسی کی صفتِ کمالیہ ہے۔ اس طرح کسی اور کے لیے قدیم ہونا ماننا یہ شرک فی القِدم ہے۔

علم: علم کے معنی خدا تعالیٰ کی ذات میں ہونے کے یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ تمام تر چیزوں کا جاننے والا ہے۔ اس کے علم سے کوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی، اندھیرے میں ہو یا روشنی میں، دریا کے اندر ہو یا پتھر کے اندر، پہاڑوں میں ہو یا میدان میں، سب کا اس کو علم ہے۔ حتیٰ کہ کسی کے دل میں کوئی خیال بھی آئے خدا تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے، بلکہ جو چیز موجود نہیں ہوتی اس کے موجود ہونے سے پہلے ہی اس ذاتِ واحد کو اس کا علم ہے۔ علمِ غیب اسی ذاتِ واجب الوجود کی خاص صفت ہے، اس کے سوا کسی کو علمِ غیب نہیں۔

قدرت: قدرت کے معنی یہ ہیں کہ ہر قسم کی طاقت خدا وحدہ لاشریک لہ میں ہے کہ عالَم کے پیدا کرنے اور قائم رکھنے، فنا کرنے اور بعد کو موجود کرنے کی قدرت و طاقت اسی ذاتِ واحد میں ہے۔

ارادہ: ارادے کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جس چیز کو چاہے اپنے اختیار سے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہے اپنے اختیار سے فنا کرتا ہے۔ تمام عالم میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے ارادے و اختیار سے ہوتا ہے۔ کسی بات میں وہ مضطر و مجبور نہیں۔ غرضیکہ ہر چیز سب اس کے اختیار میں ہے۔

حیات: حیات کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔ یہ صفت خاص اسی کی ہے۔

کلام: کلام کے معنی ہیں بولنا۔ خدا تعالیٰ بغیر زبان کے بولنے والا ہے۔ اس کو کلام میں زبان کی احتیاج نہیں۔ کیوں کہ احتیاج مخلوق کی صفت ہے۔ خالق اسباب و آلات کا محتاج نہیں ہے۔ اچھا دیکھو تو موٹی سی بات ہے کہ زبان جو کلام کرتی ہے کیا اس کے لیے بھی کوئی زبان ہے؟ اور

اگر ہے تو اس زبان کے لیے بھی کوئی زبان ہے؟ علی ھذا القیاس. اور ایسا ہے نہیں کہ زبان کے لیے زبان ہو، تو معلوم ہوا کہ زبان بلا زبان کلام کرتی ہے، تو کلام کے لیے زبان ہونا ضروری نہیں۔ جس ذات نے (زبان) گوشت کے لوتھڑے میں یہ طاقت رکھی ہو وہ خدا یہ طاقت جس عضو کی طرف چاہے منتقل کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت میں ہاتھ پاؤں وغیرہ بطورِ گواہ بندوں کے افعال کی گواہی دیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں کلام کرنے کے لیے آلۂ زبان کا محتاج نہیں، ورنہ وہ واجب الوجود نہ ہوگا۔

سمع: سمع کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ ہر بات کو بلا کان سنتا ہے۔ خواہ کتنی ہی آہستہ سے ہو یا کتنی ہی زور سے ہو۔

بصر: بصر کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ ہر چیز کو بلا آنکھ دیکھتا ہے۔ خواہ کہیں بھی ہو، کتنی ہی ذرا سی ہو۔ اندھیرا ہو یا اُجالا، نزدیک و دور، دیکھنے اور سننے کے لیے سب برابر ہیں۔

اِحیا: اِحیا کے معنی زندہ کرنا ہے۔ خدا تعالیٰ ہی زندہ کرنے والا ہے اس کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں۔

اِماتت: اِماتت کے معنی ہیں مار ڈالنا۔ یہ مار ڈالنا اسی کے اختیار میں ہے۔ سوائے اس کے کوئی موت دینے والا نہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو دو باتیں اِحیا اور اِماتت مشہور ہیں، یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو معجزے کے طور پر عطا کی ہوئی چیزیں تھیں۔ جیسا کہ بہت سی باتیں بطورِ معجزات انبیا علیہم السلام کو عطا فرمائی تھیں۔

رزاق: رزق دینا۔ رازق ہونا بھی خدا تعالیٰ ہی کی صفت ہے، سوائے اس کے کوئی رازق نہیں ہے۔

ان صفات کے علاوہ اور بہت سی صفاتِ کمالیہ ہیں اور وہ سب ازلی اور ابدی اور قدیم ہیں۔ ان میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ اس ذات کا نام تو ایک ہے یعنی اللہ، اور باقی اَسما صفاتی ہیں، جیسے: رحمٰن، رحیم، قادر، قدیر، حافظ، حفیظ، عزیز، لطیف، وغیرہ۔ اسمائے صفاتی بہت ہیں اور اللہ اسم ذاتی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ ایک ایسی ذات واجب الوجود ہے جو تمام صفاتِ کمالیہ کو جامع ہے۔

اسمائے حسنیٰ کا بیان

سوال: ہم نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں پھر بہت سے اسما کہاں ہوئے؟

جواب: وہ اسما جو ننانوے ہیں وہ بطور اُصول کے ہیں اور جو اسما ان کے علاوہ ہیں وہ صفاتی ہیں اور بہت ہیں اور وہ ننانوے اسما یہ ہیں:

اللہ اللہ	الرحمٰن بڑا مہربان	الرحیم نہایت رحم والا	الملک بادشاہ حقیقی	القدوس سب عیبوں سے پاک
السلام سلامتی دینے والا	المؤمن امن دینے والا	المہیمن نگہبان	العزیز غالب	الجبار نہایت زور آور
المتکبر عظمت والا	الخالق پیدا کرنے والا	الباری عدم سے وجود میں لانے والا	المصور صورت بنانے والا	الغفار بخشنے والا
القہار بہت غصہ والا	الوہاب بغیر عوض بہت دینے والا	الرزاق وسعت سے رزق دینے والا	الفتاح کھولنے والا	العلیم جاننے والا
القابض تنگ کرنے والا	الباسط فراخ کرنے والا	الخافض پست کرنے والا	الرافع بلند کرنے والا	المعز عزت دینے والا
المذل ذلت دینے والا	السمیع سننے والا	البصیر دیکھنے والا	اللطیف باریک بین	الحلیم بردبار
العظیم بزرگ و برتر ذات	الغفور بہت بخشنے والا	الشکور قدردان	العلی بلند مرتبہ	الکبیر سب سے بڑا
الحفیظ نگہبان	المقیت روزی دینے والا	الحسیب کفایت کرنے والا	الجلیل بزرگ تر	الکریم سخی
الرقیب نگہبانی کرنے والا	المجیب قبول کرنے والا	الواسع کشائش کرنے والا	الحکیم حکمت والا	الودود دوست رکھنے والا

المجید	الباعث	الشہید	الحق	الوکیل
بزرگ و برتر	اٹھانے والا	حاضر اور مطلع	واقع کے مطابق	کارساز
القوی	المتین	الولی	الحمید	المبدی
زبردست	مضبوط	مددگار	تعریف کے لائق	پہلی بار پیدا کرنے والا
المعید	المحیی	الممیت	الحی	القیوم
دوبارہ پیدا کرنے والا	زندہ کرنے والا	مارنے والا	ہمیشہ زندہ	ہمیشہ قائم
الواجد	الماجد	الواحد	الصمد	القادر
پانے والا	بزرگی والا	ذات وصفات میں یکتا	بے نیاز	قدرت والا
المقتدر	المقدم	المؤخر	الاول	الآخر
ہر چیز کر سکنے والا	آگے بڑھانے والا	پیچھے ہٹانے والا	سب سے پہلے	سب سے آخر
الظاہر	الباطن	الوالی	المتعالی	البر
علامات سے ظاہر	ذات سے پوشیدہ	کارساز	بہت بلند	نہایت احسان کرنے والا
التواب	المنتقم	العفو	الرؤف	مالک الملک
توبہ قبول کرنے والا	بدلہ لینے والا	معاف کرنے والا	نرمی کرنے والا	مالک سارے جہان کا
ذوالجلال والاکرام	المقسط	الجامع	الغنی	المغنی
بزرگی و تعظیم والا	انصاف والا	جمع کرنے والا	بے پروا	بے پروا کرنے والا
	المانع	الضار	النافع	النور
عطا کرنے والا	باز رکھنے والا	ضرر پہنچانے والا	نفع پہنچانے والا	روشن کرنے والا
الہادی	البدیع	الوارث	الصبور	الرشید
راہ دکھانے والا	نئی طرح پیدا کرنے والا	سب کا وارث	بردبار	رہنما عالم کا
الخبیر	الحکم	العدل	المحصی	الاحد
ہر چیز کی خبر رکھنے والا	حکم کرنے والا	صاحبِ عدل	شمار کرنے والا	اکیلا
		الباقی		
		ہمیشہ رہنے والا		

عقائد کا من جانب اللہ ہونا

قرآن شریف سے دلیل

سوال: قرآن شریف کا من جانب اللہ ہونا اور توحید ورسالت اور وجودِ ملائکہ وقیامت کا ہونا، جنّت ودوزخ وغیرہ کا ہونا قرآن شریف سے ثابت کیجیے۔

جواب: سنیے اور ان آیات کو حفظ کر لیجیے۔

﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝﴾[1] بے شک ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں اتارا ہے۔

﴿ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۛ فِیۡهِ ۛ﴾[2] یہ کتاب (قرآنِ پاک) ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔

﴿الٓمّٓ ۝ تَنۡزِیۡلُ الۡكِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝﴾[3] یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں کوئی شبہ نہیں، یہ ربّ العالمین کی طرف سے ہے۔

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝﴾[4] ہم ہی نے نازل کیا ذکر (یعنی قرآنِ مجید) کو اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝﴾[5] ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان میں تاکہ تم سمجھو۔

﴿حٰمٓ ۝ تَنۡزِیۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَكِیۡمِ ۝﴾[6] یہ کتاب، اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔

دلیلِ توحید

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ اللہ ایک ہے؟

جواب: اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] القدر: ۱ [2] البقرۃ: ۲ [3] الم سجدۃ: ۱،۲ [4] الحجر: ۹

[5] یوسف: ۲ [6] الجاثیۃ: ۱،۲

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝﴾[1] اور آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ایک ہے۔

﴿وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝﴾[2] تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، نہیں ہے کوئی معبود سوائے رحمٰن ورحیم کے۔

﴿لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ﴾[3] دو معبود مت بناؤ۔

دلیل اسمائے الٰہی

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں؟

جواب: اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠﴾[4] اور اللہ ہی کے لیے اسمائے حسنیٰ ہیں، ان کے ذریعے دُعا مانگو۔

دلیل کہ عبادت خاص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے؟

جواب: دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ﴾[5] مت عبادت کرو مگر اللہ کی۔

دلیلِ رسالت

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟

جواب: اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ﴾[6] محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ﴾[7] نہیں ہے محمد (ﷺ) مگر اللہ کے رسول۔

---

[1] الإخلاص: ۱ [2] البقرة: ۱۶۳ [3] النحل: ۵۱ [4] الأعراف: ۱۸۰ [5] هود: ۲

[6] الفتح: ۲۹ [7] آل عمران: ۱۴۴

﴿اِنَّـآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًاۙ﴾[1]

ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے۔

آپ کی رسالت تمام دنیا کے لیے ہے

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ حضور ﷺ کی رسالت تمام دنیا کے لیے ہے؟

جواب: اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَـآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا﴾[2]

اور ہم نے آپ کو تمام عالَم کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے۔

﴿قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعًا﴾[3]

آپ کہہ دیجیے: اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔

دلیلِ ختمِ نبوت

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی ہے؟

جواب: دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ﴾[4]

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں۔

دلیلِ ملائکہ

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ فرشتے موجود ہیں؟

جواب: دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓـئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف﴾[5]

سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے

---

[1] الفتح: ٨ [2] سبأ: ٢٨ [3] الأعراف: ١٥٨ [4] الأحزاب: ٤٠ [5] البقرة: ٢٨٥

ساتھ اوراس کے پیغمبروں کے ساتھ۔

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ [1]

جو شخص خدا تعالیٰ کا اور فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہوگا تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے۔

دلیلِ قیامت

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ قیامت آئے گی؟

جواب: اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا﴾ [2]

اللہ کا وعدہ سچّا ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے۔

﴿اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا﴾ [3]

بے شک قیامت آنے والی ہے (اور) اس میں کوئی شک نہیں۔

دلیلِ حساب وکتاب

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ حساب کتاب ہوگا؟

جواب: اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ [4]

بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں۔

﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾ [5]

پھر ضرور بالضرور قیامت میں نعمتوں کے بارے میں پوچھے جاؤ گے۔

﴿قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [6]

آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھتا ہے پھر تم کو موت دے گا پھر قیامت کے دن جس میں ذرا شک نہیں تم کو جمع کرے گا، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

[1] البقرة: ۹۸ [2] الكهف: ۲۱ [3] المؤمن: ۵۹ [4] المؤمن: ۱۷ [5] التكاثر: ۸ [6] الجاثية: ۲۶

﴿يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ۝﴾[1] جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز اہلِ باطل خسارے میں پڑیں گے۔

دلیل نامۂ اعمال کا دائیں بائیں ہاتھ میں دیا جانا

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ نامۂ اعمال دائیں بائیں ہاتھ میں ہوگا؟
جواب: دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ۝ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا۝﴾[2] تو جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ہوگا، سواس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

﴿وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ۝ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا۝ وَّیَصْلٰى سَعِیْرًا۝﴾[3] اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے سے ملے گا سو وہ موت کو پکارے گا اور جہنّم میں داخل ہوگا۔

﴿وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ﴾[4] اور جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں ملے گا۔

دلیلِ وزنِ اعمال

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ اعمال تولے جائیں گے؟
جواب: اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ﴾[5] اور قیامت کے روز ہم میزانِ عدل قائم کریں گے۔

﴿وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝﴾[6] اور اس روز (یعنی قیامت کے دن) وزن (اعمال) واقع ہونے والا ہے، پھر جس شخص کا پلّہ بھاری ہوگا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے۔

---

[1] الجاثية: ۲۷ [2] الانشقاق: ۷، ۸ [3] الانشقاق: ۱۰-۱۲ [4] الحاقة: ۲۵
[5] الأنبياء: ۴۷ [6] الأعراف: ۸

اور وہ جو قرآن شریف میں عدم وزن کے بارے میں

﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾[1] یعنی قیامت کے دن ہم ان کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے۔

فرمایا گیا ہے وہ کفار کے بارے میں ہے (یعنی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے ربّ کی آیتوں کا یعنی کتبِ الٰہیہ کا اور اس سے ملنے کا یعنی قیامت کا انکار کرتے ہیں)۔[2]

دلیلِ جنّت

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ جنّت موجود ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾[3] اور جو شخص اپنے ربّ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لیے دو جنتیں ہوں گی۔

﴿وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ﴾[4] اور ان دو جنتوں (یعنی باغوں) سے کم درجہ میں دو باغ اور ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾[5] تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کیے تو ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾[6] بیشک پرہیزگار لوگ باغوں (جنتوں) اور چشموں میں ہوں گے۔

دلیلِ وجود جنّت فی الحال

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ جنّت فی الحال موجود ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] الکھف: ۱۰۵ [2] بیان القرآن [3] الرحمٰن: ۴۶ [4] الرحمٰن: ۶۲ [5] البروج: ۱۱ [6] الحجر: ۴۵

﴿وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ﴾[1]

اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغ (یعنی ایسی جنتیں) تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں ہمیشہ رہیں گے۔

دلیلِ ہلاکتِ زمین اور پہاڑ

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ زمین اور پہاڑوں کو ختم کر دیا جائے گا؟

جواب: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝﴾[2]

اور اس دن کو یاد کرنا چاہیے کہ جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو دیکھیں گے کہ کھلا میدان پڑا ہے اور ہم ان سب کو جمع کر دیں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے۔

﴿وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝﴾[3]

اور زمین اور پہاڑ اُٹھا لیے جائیں گے، پھر دونوں ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔

دلیلِ وجودِ جہنّم

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ جہنّم پیدا ہو چکی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝﴾[4]

ہم نے کافروں کی مہمان نوازی کے لیے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے۔

﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝﴾[5]

یہ جہنّم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔

﴿اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ۝﴾[6]

بیشک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے (یعنی عذاب کے فرشتے انتظار اور تاک میں ہیں کہ کافر آویں

[1] التوبہ: ۱۰۰ [2] الکھف: ۴۷ [3] الحاقۃ: ۱۴ [4] الکھف: ۱۰۲ [5] یٰس: ۶۳ [6] النبأ: ۲۱،۲۲

تو ان کو پکڑتے ہی عذاب کرنے لگیں) اور وہ سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ﴾[۱] بیشک اللہ تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور کر رکھا ہے اور ان کے لیے آتشِ سوزاں (جلانے والی آگ) تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

کفار کو عذابِ دائمی دینے کی دلیل

سوال: یہ کیسے معلوم ہوا کہ کفار کو ہمیشہ دوزخ میں رکھا جائے گا اور کبھی نجات نہ ہوگی؟

جواب: قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ﴾[۲] جو لوگ اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ دوزخ کی آگ میں جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝﴾[۳] بلاشبہ جو لوگ منکر ہوئے اور اپنے پر ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشیں گے اور نہ ان کو سوائے جہنّم کی راہ کے اور کوئی راہ دکھائیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ معمولی بات ہے۔

دلیلِ علمِ غیب

سوال: یہ کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو علمِ غیب ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾[۴] اور آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ باتیں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں۔

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ﴾[۵] اور اُسی (اللہ) کے پاس ہیں خزانے تمام مخفی اشیا کے، اُن کو کوئی نہیں جانتا بجز اُس (اللہ) کے۔

---

[۱] الأحزاب: ٦٤، ٦٥ [۲] البينة: ٦ [۳] النساء: ١٦٨، ١٦٩ [۴] النحل: ٧٧ [۵] الأنعام: ٥٩

﴿وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ﴾[1] اور تیرے ربّ کے لشکروں کو سوائے تیرے ربّ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ یعنی فرشتوں کی تعداد اس کثرت سے ہے کہ اس کو بجز اللہ کی ذات کے کوئی نہیں جانتا۔

دلیل اس کی کہ آں حضرت ﷺ کو علم غیب نہیں تھا

سوال: حضور ﷺ کو علم غیب تھا یا نہیں۔ اگر نہیں تھا تو اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ﴾[2] اے نبی! کہہ دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف اسی کا پیرو ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ﴾[3] اور اگر میں غیب جانتا تو بہت کچھ فائدہ حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔

سوال: اور وہ جو قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ۝﴾[4] کہ رسول غیب کی بات بتانے میں بخل نہیں کرتے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ دوسرے یہ کہ "بضنین" میں دوسری قرأت "بظنین" بھی ہے جس کے معنی ہیں اٹکل، اندازہ وتخمینہ سے بات کرنے والا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ آپ غیب کی باتیں اٹکل و تخمینہ سے بیان کرنے والے نہیں۔ بلکہ وحی کے ذریعے سے ہم نے جو باتیں غیب کی بتائی ہیں آپ ان کو بیان فرماتے ہیں۔

جواب: اس کا مطلب تو صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو علم غیب کی باتوں کا آں حضرت ﷺ کو عطا فرمایا ہے ان کے پہنچانے میں آپ بخل نہیں کرتے بلکہ بعینہٖ پہنچا کر حقِ رسالت ادا کرتے ہیں۔ پس اگر اس آیت سے علمِ غیب آپ کے لیے ثابت کیا جائے تو دوسری آیت سے علمِ غیب کی نفی ہوتی ہے تو ان دونوں آیتوں میں تعارض (ٹکراؤ)

[1] المدثر: ۳۱ [2] الأنعام: ۵۰ [3] الأعراف: ۱۸۸ [4] التکویر: ۲۴

ہو گیا اور تعارض کلامِ الٰہی میں محال ہے۔ لہٰذا علم غیب آں حضرت ﷺ کے لیے محال ہے۔ البتہ آپ کو علم کثیر واسع عطا فرمایا گیا تھا۔

دلیلِ فرضیتِ صلاۃ

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ نماز فرض ہے؟

جواب: دلیل اس کی یہ ہے کہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ﴾[1] نماز قائم کرو۔

﴿حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی ۚ﴾[2] نمازوں کی پابندی کیا کرو۔ اور (خاص کر) بیچ کی (یعنی عصر کی) نماز کی۔

دلیلِ فرضیتِ صلاۃ پنج گانہ

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ پانچ وقت کی نماز فرض ہے؟

جواب: دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّہَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ؕ﴾[3] آپ نماز کی پابندی کیجیے دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں۔

﴿وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِہَا ۚ﴾[4] اور اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کیجیے آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب سے پہلے۔

﴿وَمِنۡ اٰنَآیِٔ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّہَارِ لَعَلَّکَ تَرۡضٰی ﴿۝﴾[5] اور رات کی کچھ گھڑیوں میں تسبیح کیا کیجیے اور دن کے اوّل و آخر میں، تاکہ آپ خوش ہوں۔

﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ﴾[6] نمازیں ادا کیا کریں آفتاب کے ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے ہونے تک اور صبح کی نماز بھی۔

---

[1] البقرة: ٤٣ [2] البقرة: ٢٣٨ [3] هود: ١١٤ [4]، [5] طٰه: ١٣٠
[6] بني إسرائيل: ٧٨

دلیل فرضیتِ زکاۃ

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ زکاۃ بھی مثل نماز کے فرض ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾[۱] اور زکاۃ ادا کیجیے۔

دلیل فرضیتِ روزہ

سوال: روزے کی فرضیت کی کیا دلیل ہے؟

جواب: قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾[۲] اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾[۳] پس جو کوئی تم میں سے ماہِ رمضان کو پائے پس چاہیے کہ وہ اس کا روزہ رکھے۔

دلیل فرضیتِ حج

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ حج فرض ہے؟

جواب: اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾[۴] اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمے اس مکان کا حج کرنا ہے۔ (یعنی) اس شخص کے ذمے واجب ہے جو کہ طاقت رکھے وہاں تک پہنچنے کی۔

﴿وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾[۵] اور اعلان کردو لوگوں میں حج کے فرض ہونے کا۔

---

[۱] البقرۃ: ۴۳ [۲] البقرۃ: ۱۸۳ [۳] البقرۃ: ۱۸۵ [۴] آل عمران: ۹۷ [۵] الحج: ۲۷

دلیلِ کتبِ سماوی

سوال: قرآن شریف کے علاوہ دوسری کتابوں کے منزل من اللہ ہونے پر قرآن شریف سے کیا دلیل ہے؟

جواب: تورات کے بارے میں قرآن شریف میں ہے:

﴿اِنَّـآ اَنۡـزَلۡـنَا التَّوۡرٰ یةَ فِـیۡهَا هُدًی وَّنُوۡرٌ ۚ﴾[1] بے شک اُتاری ہم نے تورات جس کے اندر نور اور ہدایت ہے۔

زبور کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ۚ﴾[2] اور دی ہم نے داود (علیہ السلام) کو زبور۔

اور انجیل کے بارے میں ہے:

﴿وَقَـفَّیۡنَا بِعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ وَ اٰتَـیۡنٰهُ الۡاِنۡجِیۡلَ ۙ﴾[3] اور پیچھے بھیجا ہم نے (ان کے) عیسی ابنِ مریم کو اور دی ہم نے ان کو انجیل۔

دلیلِ تبلیغ

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ ہر مسلمان امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مکلّف ہے؟

جواب: اس کی دلیل یہ ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿یٰـاَیُّهَـا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡآ اَنۡفُسَکُمۡ وَاَهۡلِیۡکُمۡ نَارًا﴾[4] اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے (یعنی ان کو نیک باتوں کی تعلیم دیتے رہو اور نگرانی رکھو)۔

﴿کُنۡتُـمۡ خَیۡـرَ اُمَّـةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَـاۡمُـرُوۡنَ بِـالۡـمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ﴾[5] کہ تم بہترین اُمت میں سے ہو، اس لیے کہ تم کو بھیجا گیا ہے لوگوں کی طرف تاکہ تم لوگوں کو اچھی باتوں کے لیے کہتے رہو اور بری باتوں سے منع کرتے رہو۔

[1] المائدة: ٤٤ [2] النساء: ١٦٣ [3] الحديد: ٢٧ [4] التحريم: ٦ [5] آل عمران: ١١٠

سوال: کیا بطور وعظ و تبلیغ احکامِ الٰہی کے لیے کسی خاص جماعت کے ہونے کی بھی کوئی دلیل ہے؟

جواب: جی ہاں ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ﴾[1] کہ تم میں سے ایک ایسی جماعت ہو جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دیتی رہے اور ناپسند کاموں سے منع کرتی رہے۔

اس سے عُلما کی فضیلت بھی معلوم ہوگئی اور یہ بھی فضیلت میں آیا ہے کہ قیامت کے روز شہیدوں کا خون اور عُلما کے قلموں کے تراش کا وزن کیا جائے گا۔ اللہ اکبر! کس درجے دین دار عُلما کی فضیلت ہے۔

دلیلِ عبادت

سوال: قرآن شریف کی رو سے کس کس کو عبادت کا حکم ہے؟

جواب: انسان اور جن کو عبادت کا حکم فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝﴾[2] کہ میں نے جن اور انس کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔

جن ایک مخلوق ہے جو نار یعنی آگ سے پیدا ہوئی ہے جو کہ ہم کو نظر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مختلف شکلوں میں ہو جانے کی طاقت دی ہے۔ ان میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی، اور ان کے اولاد بھی ہوتی ہے۔ جب وہ کسی انسان یا جانور کی صورت میں ہو جاتے ہیں تو انسان کو نظر آنے لگتے ہیں۔

[1] آل عمران: ۱۰۴ [2] الذاریات: ۵٦

سوال: اگر کوئی شخص عبادت نہ کرے وہ کیسا ہے؟

جواب: عبادت کا تعلّق دو چیزوں سے ہے: ایک ظاہر سے متعلق ہے اور دوسری باطن سے متعلق۔ باطن سے جو متعلق ہے اس کی دو قسمیں ہیں: ایک قلب سے متعلق دوسری نفس سے متعلق۔ پھر جو قلب سے متعلق ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک عقائد سے متعلق دوسری اخلاق سے متعلق۔ اور جو نفس سے متعلق ہیں وہ اخلاقِ رذیلہ ہیں۔

اس طرح قلب سے متعلق عبادات کی دو قسمیں ہوئیں: عقائد اور اخلاق۔ اور جو عبادات ظاہر سے متعلق ہیں اس کی چار قسمیں ہیں: عبادات، معاشرت، معاملات، سیاسیات، جو شخص ان باتوں کو جو عقائد سے متعلق ہیں، نہ مانے وہ کافر و مشرک ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ جہنّم میں رہے گا۔ اور عقائد کے علاوہ دوسری چیزوں میں کوتاہی کرنے والا فاسق اور مستحقِ ملامت ہے، مگر ہے وہ مسلمان کہ خدانا خواستہ جہنّم میں چلا جائے گا، تو پھر اس سے نکل کر جنّت میں آجائے گا۔

سوال: عقائد کے اعتبار سے عبادت نہ کرنے کے کیا معنی؟

جواب: اس کے یہ معنی ہیں کہ ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کرے[1] یا ذات وصفات میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرائے، یا جن پوشیدہ باتوں کی خبر دی ہے ان کا انکار کرے، جیسے: ملائکہ، آسمانی کتابیں، سوال و جوابِ قبر، قیامت، حساب و کتاب، جنّت و دوزخ، انبیا علیہم السلام کی نبوت کا انکار، حلال کو حرام سمجھنا، حرام کو حلال سمجھنا، اور جو چیزیں فرض ہیں جیسے: نماز، روزہ، زکاۃ، حج، ان کی فرضیت کا اعتقاد نہ رکھنا۔

سوال: ذات میں شریک ٹھہرانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ذات میں شریک کرنے کے یہ معنی ہیں کہ دو یا تین خدا مانے، جیسے: عیسائی کہ تین خدا مانتے ہیں۔ آتش پرست دو خدا مانتے ہیں۔

---

[1] ذات کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ خدا ہی کا انکار کردے اور اس کو نہ مانے۔ اور صفات کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی جو صفات ہیں مثلاً: سمیع ہونا، بصیر ہونا، علیم، قدیر ہونا وغیرہ وغیرہ ان کو نہ مانے۔

سوال: صفات میں شریک کرنے کے کیا معنی ہیں؟

جواب: اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفات کو کسی دوسرے کے لیے ثابت کرنا۔

سوال: خدا تعالیٰ کی صفات دوسرے میں ثابت کرنے کی مثال دیجیے۔

جواب: سنیے! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا خدا تعالیٰ کے لیے ہی مخصوص ہے، کوئی خدا تعالیٰ کی طرح کسی دوسرے کو مستحقِ عبادت سمجھنے لگے، مثلاً: کسی قبر یا پیر کو عبادت کے طور پر سجدہ کرنا، رکوع کرنا، کسی قبر پر چڑھاوا چڑھانا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے نام کی منت ماننا، کسی کے نام پر بکرا چڑھانا، یا کسی نبی ولی کے نام کا روزہ رکھنا، یا کسی گھر کا طواف کرنا علاوہ بیت اللہ شریف کے۔ ان باتوں کو شرک فی العبادت کہتے ہیں۔

سوال: قدرت میں شریک ٹھہرانے کے کیا معنی ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے لیے قدرت ثابت ہے اس کو کسی دوسرے کے لیے ثابت کرنا۔ مثلاً: یہ سمجھنا کہ فلاں نبی یا ولی یا شہید وغیرہ کو یہ قدرت ہے کہ بیٹا بیٹی دے سکتا ہے، یا زندہ رکھ سکتا ہے، یا مار سکتا ہے، یا پانی برسا سکتا ہے۔ یہ شرک فی القدرت ہے۔

سوال: علم میں شرکت کے کیا معنی؟

جواب: خدا تعالیٰ کی طرح کسی دوسرے کے لیے علم کی صفت ثابت کرنا کہ خدا تعالیٰ کی طرح فلاں پیغمبر یا ولی کو علمِ غیب تھا یا ہے۔ ذرّے ذرّے کا خدا تعالیٰ کی طرح ان کو بھی علم ہے، ہمارے تمام حالات سے اسی طرح واقف ہیں، دور اور پاس کی سب خبر رکھتے ہیں۔ اس کو شرک فی العلم کہا جاتا ہے۔

سوال: سمع و بصر میں شرکت کے کیا معنی؟

جواب: خدا تعالیٰ کی طرح کسی دوسرے کے لیے سمع و بصر ثابت کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ فلاں نبی یا ولی ہماری تمام باتوں کو دور و نزدیک سے سنتے ہیں، ہمارے تمام کاموں کو ہر جگہ سے دیکھ لیتے ہیں۔ یہ شرک فی السمع والبصر ہے۔

سوال: حکم میں شرکت کے کیا معنی؟

جواب: خدا تعالیٰ کی طرح کسی دوسرے کے لیے حکم کو ثابت کرنے کے یہ معنی ہیں کہ کسی بزرگ نے حکم دیا کہ فلاں وظیفہ فلاں سنت اور فرض کے درمیان پورا کرلیا کرو۔ اس حکم پر اس طرح عمل ضروری سمجھ لیا کہ فرض کی جماعت ہو رہی ہے مگر وظیفہ مکمّل کرنے کے لیے جماعت چھوڑ دی، یا فرض نماز کا وقت مکروہ کر دیا کہ جب وظیفہ ختم ہو جائے گا تب فرض پڑھوں گا۔ یہ شرک فی الحکم ہے۔

سوال: ان کے علاوہ کیا اور بھی شرک کی مثل باتیں ہیں؟

جواب: جی ہاں اور بھی بہت سی ایسی باتیں ہیں جو شرک کی مانند ہیں جیسے: نجومیوں سے غیب کی باتیں پوچھنا، پنڈت یا جوتشی کو ہاتھ دکھانا، فال نکلوانا، چیچک یا اور کسی بیماری کو چھوت چھات سمجھنا کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے۔ تعزیہ بنانا اور اس پر چڑھاوا چڑھانا، قبروں پر چڑھاوا چڑھانا، کسی پیر، شہید کی منت ماننا، تصویریں بنانا، تصویر کی تعظیم کرنا، کسی ولی، شہید کو مشکل کشا حاجت روا سمجھ کر پکارنا، کسی پیر کے نام کی سر پر چوٹی رکھنا۔ یہ سب باتیں مشابہ شرک کے ہیں۔

ایمان

ایمان کی تعریف:

سوال: ایمان کسے کہتے ہیں؟

جواب: وہ چند چیزیں ہیں جن کو دل سے مان لینے کا نام ایمان ہے اور مان لینے والے کو مؤمن کہتے ہیں۔ جن کا ذکر ایمانِ مجمل اور ایمانِ مفصّل میں ہے۔

ایمانِ مجمل یہ ہے:

آمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِأَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ أَحْكَامِهٖ.	ایمان لاتا ہوں میں اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور صفات کے ساتھ ہے اور قبول کرتا ہوں میں اس کے تمام احکام کو۔

اور ایمانِ مفصّل یہ ہے:

آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی، وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ.

ایمان لاتا ہوں میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور ہر خیر وشر کے اللہ تعالیٰ کی جانب سے موجود ہونے پر اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر۔

پس معلوم ہوا کہ صرف توحید ہی پر ایمان لانا مؤمن ہونے کے لیے کافی نہیں ہے جب تک کہ ان تمام چیزوں پر ایمان نہ لائے جن کا ذکر ایمانِ مفصّل میں کیا گیا ہے۔

سوال: وہ کون سی چیزیں ہیں کہ جن کو دل سے مان لیا جائے تو ایمان حاصل ہو جاتا ہے؟

جواب: خدا کا ایک ہونا، فرشتوں کا موجود ہونا، جو کتابیں انبیا علیہم السلام پر نازل ہوئیں ان کو ماننا، تمام نبیوں کو ماننا، آخرت کو ماننا، تقدیر کو ماننا، جنّت اور دوزخ کو ماننا، مرنے کے بعد زندہ ہونے کو ماننا، ہر خیر وشر کا خالق اللہ تعالیٰ کو جاننا۔

توحید

سوال: خدا تعالیٰ کے ایک ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک ایسی ذات ہے جس کو کسی نے پیدا نہیں کیا، سب کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ نہ اس کی بیوی ہے نہ اولاد ہے۔ وہ تمام عیبوں سے پاک ہے۔ تمام صفاتِ کمالیہ اس میں پائی جاتی ہیں۔ مختارِ مطلق ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بغیر زبان کے بولنے والا ہے۔ بغیر کان کے سننے والا ہے، اور جسم سے پاک ہے۔ اس کی تمام صفات قدیم ہیں۔ اس کی ذات واجب الوجود ہے (یعنی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی)۔

فرشتے

سوال: فرشتہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جو نور سے پیدا ہوئی اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے

جس کو جو حکم ہوتا ہے بجا لاتا ہے، نہ مرد ہیں نہ عورت، نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ ان کی تعداد اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

سوال: کیا فرشتوں کے نام بھی ہیں؟
جواب: ہاں! انسانوں کی طرح ان کے نام بھی ہیں۔

سوال: بعض فرشتوں کے نام مع کام بتائیے۔
جواب: حضرت جبرائیل علیہ السلام جو نبیوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے احکام لاتے تھے۔ حضرت میکائیل علیہ السلام جو بارش برسانے اور مخلوق کے پاس روزی پہنچانے کے لیے مقرر ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام جو جان نکالتے ہیں۔ اور حضرت اسرافیل علیہ السلام جو صور پھونکیں گے۔

سوال: فرشتوں کی کتنی قسمیں ہیں؟
جواب: فرشتوں کی بہت سی قسمیں ہیں، جن میں سے بعض اقسام کا یہاں ذکر کرتے ہیں:
بعض فرشتے بارش پر مقرر ہیں۔ بعض سمندر اور پہاڑوں پر مقرر ہیں۔ بعض ہوا پر مقرر ہیں۔ بعض وہ جو انسانوں کی حفاظت کے لیے متعیّن ہیں، جن کو حفظہ کہتے ہیں۔ جب حکمتِ حق ہوتی ہے وہ حفاظت سے ہٹ جاتے ہیں۔
بعض فرشتے وہ ہیں جو نیک و بد اعمال لکھنے کے لیے مقرر ہیں ان کو کراماً کاتبین کہتے ہیں اور وہ صبح و شام بدلتے رہتے ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد۔ اس طرح کہ صبح کی نماز کے وقت رات والے فرشتے چلے جاتے ہیں دن میں کام کرنے والے آجاتے ہیں اور دن میں کام کرنے والے عصر کی نماز کے بعد چلے جاتے ہیں رات کے کام کرنے والے آجاتے ہیں۔
بعض فرشتے وہ ہیں جو نیک لوگوں کی مجالس میں شریک ہونے کی تلاش میں رہتے ہیں جہاں نیک مجلس ہوتی ہے، مثلاً: تلاوتِ کلامِ پاک، درود شریف، وعظ، وہاں حاضر ہوتے ہیں اور جتنے لوگ ان مجالس میں شریک ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی گواہی

دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم گواہ رہو میں نے ان تمام مؤمنین کو بخش دیا۔
بعض فرشتے وہ ہیں جو نیکوں اور بدوں کی جان نکالنے پر الگ الگ مقرر ہیں جو کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کی ماتحتی میں کام کرتے ہیں، ان کو ملک الموت کہتے ہیں۔ اور بعض فرشتے وہ ہیں جو جہاد کے وقت حضرات انبیا علیہم السلام اور مؤمنین کی مدد کے لیے آتے ہیں۔ جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام اوران کے ہمراہ دیگر فرشتے۔ جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ الٰافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ۝﴾[1]
تمہارا خدا تمہاری پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کرے گا، خاص نشان والے ہوں گے۔

بعض فرشتے وہ ہیں جو جنّت پر مقرر ہیں۔ بعض وہ ہیں جو دوزخ پر مقرر ہیں۔ بعض فرشتے وہ ہیں جو عرشِ الٰہی کو اُٹھاتے ہیں، اور بعض فرشتے وہ ہیں جو تسبیح و تقدیس، رکوع و سجود و قیام میں مشغول ہیں۔

سوال: فرشتوں کے ہونے کا کیا ثبوت ہے؟
جواب: قرآن سے ثبوت اوپر آ چکا۔ عقلاً یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے عالم میں طرح طرح اور بھانت بھانت کے انتظام اور تدابیر کر رکھی ہیں اور اللہ تعالیٰ عالم میں تاثیرات قائم فرماتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تاثیرات کے لیے مؤثر اور مؤثر میں کچھ مناسبت ہونی چاہیے۔ سو اس عالمِ ناسوت (دنیا) اور ذاتِ ذوالجلال میں کوئی مناسبت نہیں۔ لہٰذا ایک واسطہ ایسا ہونا چاہیے کہ جس کو من وجہ یعنی کچھ اس ذات سے نورانی وغیرہ ہونے میں مناسبت ہو اور من وجہ اس عالَم سے حادث وغیرہ ہونے میں مناسبت ہو، تاکہ اس کے واسطے سے تاثیرات اس عالم میں جاری ہوں۔ اسی واسطے کو فرشتہ کہا جاتا ہے۔ پس فرشتوں کے وجود پر یہ دلیل عقلی ہے۔

[1] آل عمران: ١٢٥

آسمانی کتابیں

کتابوں کے نام:

سوال: بعض ان کتابوں کے نام بتائیے جونبیوں پر نازل ہوئیں؟

جواب: توارت: جوحضرت موسیٰ علیہ السلام کودی گئی۔

زبور: جوحضرت داود علیہ السلام پر اُتری۔

انجیل: جوحضرت عیسیٰ علیہ السلام کوملی۔

قرآن شریف: جوحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

ان کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی کتابیں بہت نازل ہوئیں۔ مثلاً: دس صحیفے حضرت آدم علیہ السلام پر، اور پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پراورتیں صحیفے حضرت ادریس علیہ السلام پر، اوردس صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے۔

رسالت ونبوت

رسول کی تعریف اوراس کی ضرورت

سوال: رسالت کیا چیز ہےاوررسول و نبی کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حق تعالیٰ احکم الحاکمین بادشاہوں کے بادشاہ ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ بادشاہ کی طرف سے قانون کا پہنچانا ضروری ہے، تو ظاہر ہے کہ خود بادشاہ تو لوگوں کے پاس جائے گا نہیں، بلکہ ایک خاص الخاص عہدے دار قانون پہنچانے کے لیے ہوگا۔ اب وہ عہدے دار ایسا ہونا چاہیے جو رعایا کے لوگوں اور خاص الخاص عہدے کے ساتھ کامل مناسبت رکھنے والا ہو۔ سوفرشتہ تو اس کام کو انجام نہیں دے سکتا تھا، کیوں کہ جذباتِ انسانی وترکیبِ جسمانی سے اس کو کوئی تناسب نہیں۔ ہاں! جنات کو کچھ مناسبت انسان کے ساتھ تھی مگر وہ مزاج میں تیز اور متشدد ہیں اور انسان ایک درمیانی حالت پر ہے جو جنات کی بھی رعایت کرسکتا تھا اوران کے جذبات

پر بھی عبور رکھ سکتا تھا، اور احکامِ انسانی جنات جیسی قوی اور سخت ہیکل قوم بھی ادا کر سکتی تھی مگر احکامِ جنی کے انسانی قویٰ متحمّل نہیں ہو سکتے تھے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ احکام الحاکمین ایک جماعت خاص کو وقتاً فوقتاً زمانے کے لحاظ سے مانندِ اطبّا کے جو مریضوں کی طبیعت و مزاج کے موافق دوائیں تجویز کرتے ہیں، قانون دے دے کر بھیجتے رہے، اسی جماعت کے افراد کو نبی اور رسول کہتے ہیں۔ اور اس عہدے کا نام نبوت ورسالت ہے۔ یہ ہے حقیقت رسالت کی۔

اسی لیے اس رسول و نبی کی کہ وہ خاص الخاص سرکاری آدمی ہوتا ہے، اس کی نہایت توقیر و تعظیم اور اطاعت کرنا اور اس کو رسول ماننا فرض ہے۔ اور اس کا انکار اور توہین بغاوت وکفر ہے، کیوں کہ سرکاری آدمی کے ساتھ دنیا میں بھی یہی دستور ہے۔

اُمید ہے کہ آپ رسالت کی حقیقت ان مختصر لفظوں سے سمجھ گئے ہوں گے۔

سوال: اس سے معلوم ہوا کہ کسی نبی اور کسی کتاب کا انکار درست نہیں؟

جواب: جی ہاں! جس قدر انبیا عَلَیۡہِمُ السَّلَام تشریف لائے ہیں سب کو ماننا فرض ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام نازل کی ہوئی کتابوں کا اقرار کرنا بھی ضروری ہے۔ کسی ایک کتاب یا نبی کا بھی انکار کیا تو بس کافر ہو جائے گا۔ کیوں کہ جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ عہدۂ نبوت اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ایک منتخب عہدہ ہے تو نبی کے کسی قول و فعل پر اعتراض اور اس میں نقص نکالنا دراصل اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے، جیسا کہ وزیرِ اعظم یا صدرِ مملکت کی تنقیص اور اس کے سرکاری آدمی ہونے سے انکار جرم اور بغاوت ہے، اسی طرح نبی میں عیب و نقص نکالنا، انکار کرنا، جرم و بغاوت ہے۔ پس اسی بغاوت کا نام اصطلاحِ شرع میں کفر ہے۔ پس کسی نبی کا بھی انکار درست نہیں، جیسے انکارِ نبی کفر ہے ایسے ہی تنقیصِ نبی بھی کفر ہے۔

نبی کی تعریف

سوال: نبی کسے کہتے ہیں؟

جواب: نبی اسے کہتے ہیں جو ہر چھوٹے بڑے گناہ سے پاک ہو، اور بندوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہو، خواہ اس کو کوئی کتاب دی گئی ہو یا نہ دی گئی ہو، بلکہ پہلی ہی کتاب کے موافق احکام کی تبلیغ کرنے کے لیے بھیجا گیا ہو اور اس سے کوئی ایسی نئی بات بلا کسی دنیوی ذریعہ کے ظاہر ہو جو کسی انسان سے نہ ہو سکے اس کو معجزہ کہتے ہیں۔

ثبوتِ نبوت پر چند دلائل

سوال: ثبوتِ نبوت دلائل کے ساتھ بیان فرمائیے؟

جواب: سنیے اور غور سے سنیے!

پہلی دلیل تو بیانِ رسالت میں گزر چکی ہے۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ اگر نبی کو نہ بھیجا جاتا تو انسان جس کو ہر وقت کلیات و جزئیات کی حیثیت سے حضرت ذاتِ حق سے تحقیق کی ضرورت تھی وہ کس طرح پوری ہوتی۔ پس انسان کا پیدا کرنا عبث و بے فائدہ ہونا لازم آتا۔ لہٰذا انبیا علیہم السلام کا وجود ضروری ہوا۔

تیسری دلیل: انسان کا نفس شہواتِ نفسانی کے سبب مغلوب الحواس اور مغلوب العقل ہو جاتا ہے، اسی لیے یہ انسان فتنہ و فساد اور بری باتوں کے ظہور کا باعث ہوتا ہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیائے کرام انسان کی فہمایش اور اس کے منافع و مصالح کی ہدایت کے لیے سفیر بنا کر عہدۂ نبوت پر نہ بھیجے جاتے تو عالم خراب ہو جاتا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ انبیا بھیجے جائیں۔

چوتھی دلیل: انسان کے لیے نیک و بد کاموں پر جزا و سزا ہوتی ہے، اور ذاتِ واحد کی طرف سے جزا و سزا کے کاموں کی اطلاع بلا واسطہ نہیں آتی۔ اور اگر احکام نیک و بد کی

خبر نہ دی جاتی تو یہ صریح ظلم ہوتا اور ظلم خدا تعالیٰ کی شان سے بعید ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ رسولوں کو بھیج کر احکام کو پہنچایا جائے، اس لیے نبیوں کا بھیجنا ضروری ہوا۔ اُمید ہے کہ ان دلائل کے ساتھ نبی کی بعثت کی ضرورت سمجھ میں آ گئی ہوگی۔

اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ نبوت ایک خاص الخاص منصب وعہدہ ہے جو نوعِ انسان کے سنورنے اور رُشد و ہدایت کے لیے ضروری ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ نبی ہر طرح سے کامل اور معصوم (گناہ سے پاک) ہستی ہو۔ اسی لیے وہ علم میں، عمل میں اور معجزے میں سب پر غالب ہوتا ہے، اور اپنی ذات وصفات میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ عصمتِ انبیا کا بیان آگے آئے گا۔

نبی اور پیشوا

سوال: کیا موسیٰ و داود و عیسیٰ علیہم السلام و محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہم کی طرح رام چندر جی وغیرہ بھی جو ہندوستان میں پیشوا کہے جاتے ہیں، نبی تھے؟

جواب: یوں تو ممکن ہے کہ ہندوستان میں کئی نبی آئے ہوں۔ چناں چہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں صاحب زادہ ہند ''ہندوستان'' تشریف لائے، جس سے اس مقام کا نام ہند ہوا، جو بعد میں ہندوستان کہلایا جانے لگا۔ اور دوسرے صاحب زادے جن کا نام ''سندھ'' تھا سندھ تشریف لائے، اس مقام کا نام سندھ آپ کے نام پر ہوا۔

مگر ہندوستان میں رام چندر جی وغیرہ جو ہندوستان میں ہندوؤں کے پیشوا ہوئے ہیں ان کو نبی کہنے کے لیے ثبوتِ خاص کی ضرورت ہے، کیوں کہ یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ نبوت خاص الخاص عہدہ ہے، جب تک کوئی خاص ثبوت نہ ہو اس وقت تک ان کو نبی کہنا ایسا ہوگا جیسا کہ ایک شخص کو محض گمان سے صدر مان کر صدر جیسے معاملات اس کے ساتھ روا رکھے جائیں، تو یہ جرم ہوگا۔

چوں کہ شریعتِ اسلامی نے ہندوؤں کے پیشوا رام چندر وغیرہ کا نبی ہونا کہیں ذکر نہیں کیا

اس لیے ان کے نبی ہونے کا عقیدہ جائز نہ ہوگا۔ البتہ اگر ان کے خیالات و عقائد واخلاق آسمانی کتابوں کے خلاف نہ ہوں اور ان کی تعلیمات اور اصلاح و ہدایت کا کام آسمانی کتابوں کے موافق ہو تو یوں کہنا ممکن ہے کہ شاید نبی ہوں اور یقیناً یہ کہنا کہ نبی تھے، درست نہیں ہے۔

سوال: سب سے پہلے نبی کون تھے؟ اور سب سے آخری نبی کون ہیں؟

جواب: سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے اور سب سے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے فرمایا: أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ ''میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا''۔ لہٰذا اب اگر کوئی نبی ہونے کا دعویٰ کرے تو ہرگز نہ مانا جائے گا۔ خواہ کسی تاویل سے وہ اپنے آپ کو نبی کہے۔

ختمِ نبوت پر چند دلائل

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوگئی اب آپ کے بعد اور کوئی نبی نہ ہوگا؟

جواب: سنیے اور غور سے سنیے:

پہلی دلیل: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرمایا تھا کہ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ أَحْمَدُ کہ ''میرے بعد ایک نبی آئے گا اس کا نام احمد ہوگا''۔ اور یہ ثابت ہے کہ احمد کے نام کا سوائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نبی نہیں آیا۔ اور آپ کے بعد نبی کا آنا ثابت نہیں۔ لہٰذا آپ خاتم الانبیاء والرسل ہیں۔

دوسری دلیل: ولیم میور اور لب التواریخ کا مصنّف جو کہ عیسائی ہے، لکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود و نصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے اسی وجہ سے ملکِ حبشہ کا بادشاہ نجاشی آپ کا حال سن کر ایمان لایا اور کہا کہ بلا شک و شبہ آپ وہی نبی ہیں جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں خبر دی ہے۔

اور ہرقل شاہِ روم نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔ اسی طرح مقوقس شاہِ مصر نے بھی اقرار کیا تھا۔ نیز عُلما و رہبانِ نصاریٰ اپنی اولاد کو تعلیم و تلقین کیا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ ان کا ظہور مکّہ سے ہوگا اور ہجرت مدینہ شریف کی طرف ہوگی۔ اسی لیے ان کے اسلاف (بزرگ) مدینہ کے قریب قلعے بناتے تھے۔ اور اپنی اولاد کو حکم کرتے تھے کہ وہ اپنے ملک شام سے ہجرت کر کے ان قلعوں اور زمین میں جا بسیں اور جب وہ پیغمبر ظاہر ہوں اور فاران میں حق کا اعلان ہو اور ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں اور یثرب میں نزول فرمائیں تو ان کی نصرت و اعانت کریں، کیوں کہ توارت کے پانچویں سفر میں نورِ الٰہی کے فاران سے ظاہر ہونے کی بشارت ہے۔ اور ''فاران'' عبرانی زبان کا لفظ ہے اور یہ مکّہ معظّمہ میں واقع تین پہاڑوں کا نام ہے، ان میں سے ایک پہاڑ میں غارِ حرا ہے جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تنہا یادِ الٰہی کرتے تھے اور وحی کی ابتدا اسی جگہ سے ہوئی تھی۔ پس عُلما و رہبانِ نصاریٰ کے اقوال سے آپ کا نبی ہونا ثابت ہوا اور اس کے بعد کسی کا نبی ہونا ثابت نہیں، لہٰذا آپ نبی آخر الزمان ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد ایک نبی کے آنے کی خبر دی اور اس نام کا اور اس مقام پر سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نبی بھی نہ ہوا اور بعد میں تو ثابت ہی نہیں۔

تیسری دلیل: جب قرآنِ کریم کا دلائلِ عقلیہ سے من جانب اللہ ہونا ثابت ہو چکا تو اس کی خبر بھی صادق ہوگی ورنہ اللہ تعالیٰ کا اِخبار میں جھوٹا ہونا لازم آئے گا اور وہ ذات کذب (جھوٹ) سے منزّہ اور پاک وصاف ہے۔ قرآن میں آپ کی خاتمیت اور آپ کے دین کا ناسخ (ختم کرنے والا) ہونا تمام ادیان کے لیے صاف صاف فرما دیا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ﴾[1]

کہ اس خدا نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تا کہ وہ خدا اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔ اور وہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

[1] الفتح: ٢٨، ٢٩

پس اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں، تب ہی تو سب ادیان پر آپ کے دین کو غالب کیا گیا۔ اگر آپ کے بعد کوئی دوسرا رسول و نبی آئے تو وہ بعض چیزوں میں خلاف کرے گا، اور یہ خلاف کرنا غلبے کے خلاف ہے، تو ضروری ہوا کہ کوئی دوسرا نبی آپ کے بعد نہ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ آخر زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی کی حیثیت سے جب نزول فرمائیں گے تو وہ بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہو کر آپ ہی کے تجویز کردہ احکام پر تعمیل کرنے والے ہو کر تشریف لائیں گے۔

پس ثابت ہوا کہ آپ خاتم الانبیاء والرسل ہیں۔ آپ ہی کے دین پر چلنا باعثِ نجات ہے۔

چوتھی دلیل: انجیل میں ہے:

إني أطلب الحق حتى يمنحكم ويعطيكم فارقليطا ليكون معكم إلى الأبد.	یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں طلب کرتا ہوں اپنے خدا تعالیٰ سے تمہارے واسطے فارقلیط کو جو تمہارے ساتھ اخیر زمانے تک رہے گا۔

''فارقلیط'' سریانی لفظ ہے، پسندیدہ واحمد ومحمد کے ہم معنی ہے۔ تو حاصل یہ ہوا کہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خدا سے تمہارے لیے مانگتا ہوں جو کہ آخر زمانے تک تمہارے لیے کافی ہے، پھر دوسرے احکام کی ضرورت نہ رہے گی۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہوا کہ آپ نبی آخر الزمان ہیں۔

پانچویں دلیل: صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

میری اور پہلے انبیا کی مثال ایک ایسے محل کی ہے جو مکمّل تو ہو گیا تھا لیکن اس میں ایک اینٹ کی کمی تھی، پھر اس کے گرد دیکھنے والے پھرنے لگے اور وہ اس محل کی خوبی سے تعجب کرتے تھے۔ مگر اس اینٹ کی جگہ خالی تھی، سو میں نے اس اینٹ کی جگہ پُر کی، میرے ساتھ دیوار مکمّل ہو گئی اور میرے ساتھ رسول ختم کیے گئے۔ اور فرمایا کہ وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں ہی نبیوں کا سلسلہ ختم کرنے والا ہوں۔

چھٹی دلیل: قرآنِ کریم میں جس کا اللہ پاک کی طرف سے نازل ہونا ثابت ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ کا صاف صریح ارشاد موجود ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ﴾[1]

کہ محمد (ﷺ) تم میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے مہر کرنے والے ہیں۔

کہ ان پر نبوت ختم ہوگئی، ان کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ اور یہ ثابت ہے کہ محمد سوائے حضور ﷺ کے اور کسی کا نام نہیں۔ پس اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپ ہی نبی آخر الزمان ہیں۔

نبی آخر الزمان کے متعلق عقیدہ

سوال: حضرت محمد ﷺ نبی آخر الزمان کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

جواب: آپ خدا تعالیٰ کے بندے اور ایک انسان ہیں، خدا تعالیٰ کے بعد آپ تمام مخلوق حتیٰ کہ تمام نبیوں اور فرشتوں سے افضل ہیں۔ آپ تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہیں جیسا کہ دیگر تمام انبیا علیہم السلام گناہوں سے پاک تھے۔ آپ پر قرآن شریف آخری کتاب نازل ہوئی۔

آپ ایک شب بیداری کی حالت میں اسی جسم کے ساتھ خدا تعالیٰ کے بلانے پر آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ آپ نے تشریف لے جاتے ہوئے بیت المقدس مسجدِ اقصیٰ میں تمام نبیوں کو نماز پڑھائی، پھر آسمانوں پر تشریف لے گئے اور جنت و دوزخ کی سیر کی۔

آپ نے بحکم خدا تعالیٰ بہت سے معجزے دکھائے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی بہت عبادت کرتے تھے۔ آپ کے اخلاق اعلیٰ درجے کے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں آپ ہی کے اخلاق کے متعلق فرمایا:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۝﴾[2] اور بیشک آپ اخلاقِ حسنہ کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔

آپ کو خدا تعالیٰ نے گزشتہ و آیندہ باتوں کا کچھ علم عطا فرمایا تھا۔ حتیٰ کہ تمام مخلوق کے علم

[1] الأحزاب: ٤٠ [2] القلم: ٤

سے آپ کا علم زیادہ تھا۔ البتہ آپ عالم الغیب نہ تھے، کیوں کہ عالم الغیب ہونا صرف خدا تعالیٰ کی شان ہے۔ جس کی دلیل پہلے آ چکی ہے۔

آپ خاتم النّبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو قربِ قیامت میں تشریف لائیں گے وہ آپ ہی کے دین کی پیروی کریں گے۔ آپ تمام دنیا یعنی جن وانس کے لیے نبی تھے۔

آپ قیامت کے روز خدا تعالیٰ کی اجازت سے گناہ گاروں کی بخشش کی سفارش کریں گے، اسی لیے آپ کو شفیع المذنبین کہا جاتا ہے۔ آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ اور کافر ومشرک کے سوا سب کی سفارش ہوگی۔

آپ کے علاوہ دیگر انبیا، اولیا وشُہدا وصُلحا بھی سفارش کریں گے، مگر بلا اجازت کوئی بھی سفارش نہ کرے گا۔ آپ نے جن باتوں کا حکم فرمایا ہے ان کو عمل کے لائق سمجھنا اور جن باتوں سے آپ نے روکا ہے ان سے باز رہنا اور جن باتوں کے ہونے کی خبر دی ہے ان کو اسی طرح ماننا ضروری ہے۔

آپ کی تعظیم وتکریم اور آپ سے محبّت کرنا ہر اُمتی پر فرض ہے۔

آسمانی کتابوں کی ضرورت

نزولِ کتب

سوال: خدا تعالیٰ کی طرف سے کتابوں کے نازل ہونے کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: عزیز من! یہ دستور وقاعدہ ہے کہ ہر حکومت کے لیے کچھ شاہی آداب، سلامی وحاضری وغیرہ ہوتے ہیں جو کہ خاص حقوقِ شاہی کہلاتے ہیں۔ اور کچھ امنِ عامہ قائم رکھنے کے لیے تعزیرات ہوتے ہیں، کچھ بادشاہ کی طرف سے اطاعت پر انعامات کے عطا ہونے اور مخالفت پر سزا کے دفعات ہوتے ہیں، یہ سب مجموعہ قانون کہلاتا ہے، اور جس کتاب میں اس کا ذکر ہوتا ہے اس کو قانون کی کتاب کہتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین یعنی بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، ان کی طرف سے

بھی تمام مخلوق کے لیے ایسے دستور کے بنانے اور بتانے کی ضرورت ہے، اور وہ کتاب کی صورت میں ہوتا ہے، اس لیے ہمیشہ وقتاً فوقتاً ایسے قانون کی کتاب کو اللہ تعالیٰ بھیجتے رہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک مختلف صحائف نازل ہوئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات، حضرت داود علیہ السلام پر زبور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل، یہاں تک کہ آخر میں ایک جامع کتاب جس کا نام قرآن شریف ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔

یہ قرآن شریف مکمّل قانونی کتاب پہلی کتابوں کی ناسخ اور قیامت تک کے لیے ایک دستور العمل ہے جس کو عبادت کہتے ہیں۔ اس طریقِ عبادت کے سوا دوسری صورتِ عبادت مردود قرار دے دی گئی۔ اس کتاب میں معاملات و معاشرت اور اخلاق کے ابواب بھی بیان کردیے گئے، اوراس میں سیاسی طریق کو بھی ذکر کردیا گیا۔ یہ ہے مصلحت کتابوں کے نازل کرنے کی اور آخر میں قرآن شریف کے نازل کرنے اور بھیجنے کی۔

اور چوں کہ یہ قاعدہ ہے کہ مصنّف اپنی کتاب کو کسی کے ہاتھ میں پڑھتا ہوا دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے کلام کو کسی کو پڑھتا ہوا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور انعام عطا فرماتے ہیں، جس کا اصل نفع ظاہری و باطنی قیامت میں ظاہر ہوگا۔

سوال: یہ کس طرح سمجھا گیا کہ قرآنِ پاک آخری کتاب ہے؟ اور دوسری کسی کتاب کا حکم باقی نہیں رہا؟

جواب: یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی خاص ملک یا حکومت کا خاتمہ کرنا ہوتا ہے تو اس کے لیے ایک آخری قانون وضع کردیا جاتا ہے جس میں پھر کوئی رد و بدل نہیں ہوتا۔ اسی قانون پر حکومت کو چلا کر ختم کردیا جاتا ہے، پھر ایک مستقل جداگانہ نظام خاص امتیازی شان کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے، تو چوں کہ اس دنیا کی عمر ختم ہورہی تھی اور اس نظامِ حکومت کو چند روز رکھ کر ختم کرنا تھا اور دوسرا طرزِ زندگی قائم کرنا تھا اس لیے آخر میں یہی قانون قرآن شریف کی صورت میں نازل اور رائج فرمایا گیا۔ اور پہلے قانون اور

پہلی کتابیں منسوخ کردی گئیں۔
یہی وجہ ہے کہ پہلی کتاب ایک ساتھ نازل ہوئی، کیوں کہ وہ ہمیشہ کے لیے نہ تھیں۔ اور چوں کہ قرآن شریف قیامت تک کے لیے ہے اس لیے تھوڑا تھوڑا تیئیس سال تک نازل ہوتا رہا تاکہ لوگوں کے قلوب میں جم جائے اور یاد کرنے میں سہولت و آسانی رہے۔ اوراس کے احکام بھی معتدل، ہرزمانے، ہرملک، ہرقوم اور ہرشخص کے حالات کے موافق نازل کیے گئے۔

قرآنِ پاک کے آسمانی ہونے پر چند دلائل

سوال: یہ کس طرح معلوم ہوا کہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب ہے، کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے؟
جواب: اس کے لیے چند دلائل ذیل میں درج کیے جارہے ہیں:
پہلی دلیل: یہ قاعدہ ہے کہ نئی آواز، نئے دستور پر جہاں کچھ لوگ موافق ہوتے ہیں وہاں مخالف بھی ہوتے ہیں اوراس کے مٹانے کے لیے اَن گنت حیلے اور انتھک کوشش کرتے ہیں۔ جس وقت یہ کتاب نازل ہونے لگی اور جدید قسم کے قانون اترنے لگے تو سخت مخالفت شروع ہوگئی اور کہا گیا کہ یہ قانونِ الٰہی نہیں ہے، اس کو تو یہ شخص (یعنی محمد ﷺ) بنالیتا ہے، یا کوئی تعلیم کرجاتا ہے۔
اس کے جواب میں کہا گیا کہ اگر یہ خود بنا لیتے ہیں تو تم تو پرانے ادیب، صاحبِ لغت، فصیح و بلیغ اور صاحبِ تواریخ ہو، تم نے ایسا کلام کیوں نہ بنالیا، یا کیوں نہ بنالو۔ دوایک ہی سطر ایسی لکھ لو۔ اگر ایسا نہ کرسکے اور ہرگز ایسا نہ کرسکو گے تو دیانت داری کی بات یہی ہے کہ سمجھ لیا جائے کہ یہ انسانی کتاب نہیں ہوسکتی، اور ہو بھی کس طرح سکتی ہے جب کہ کلام کرنے والا (یعنی محمد ﷺ) محض اَن پڑھ اور ایک اُمّی شخص ہیں۔ نہ کسی مکتب میں پڑھا، نہ پڑھے لکھوں کے پاس اُٹھے بیٹھے، تو پھر ایسا کلام کس طرح وضع کرلیا۔ اور وہ واقعات جن کو ہزاروں، سینکڑوں برس ہوچکے، کس طرح اس کلام

میں صاف صاف بیان کرتے ہیں۔ آخر کار لوگ مجبور ہوئے اور ماننا پڑا کہ یہ کلامِ انسانی نہیں ہوسکتا بلکہ اس کلام کے نازل کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اسی نے نازل فرمایا ہے۔ چناں چہ تمام اہلِ عرب نے جو کہ اہلِ لسان تھے اس کلام کو کلامِ الٰہی تسلیم کرلیا۔ جیسا کہ سب پر ظاہر ہے کہ تمام فُصحا و بلغائے عرب باوجود سلیقۂ ادب، فہم مستقیم اور فصاحت و بلاغت کے قرآنِ کریم کے معارضے و مقابلے کے وقت ایک آیت شریف کے برابر کلام لانے سے عاجز ہوگئے، حالاں کہ مخالف غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن انفرادی اور اجتماعی طاقت ختم کردیتا ہے۔ بالخصوص جب کہ اس کو اشتعال انگیز بات بھی کہہ دی جائے، عار دلائی جائے۔

چناں چہ بہ بانگِ دہل کہا گیا:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝﴾[1]

آپ فرما دیجیے (اے محمد ﷺ!) ان منکرین سے کہ اگر تمام انسان و جن جمع ہو جائیں اس بات پر کہ قرآن کے مانند لے آئیں تو نہیں لا سکتے، اگرچہ اس لانے میں ایک دوسرے کے مددگار بنیں۔

بلکہ اور فرمایا کہ مانند قرآن کے تو کیا، ایک سورت ہی کے مثل لے آؤ:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝﴾[2]

یہ کلام جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے اگر تم کو کچھ شک و شبہ ہے تو ایک سورت ہی اس کے مثل لے آؤ، اور بلا لاؤ اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ تجویز کر رکھے ہیں، اگر تم سچے ہو۔

آخر کار وہ عاجز ہوئے اور باوجود انتہا درجے فصیح و بلیغ ہونے کے ایک آیت بھی نہ لا سکے۔ پس یہ اعجاز صاف دلیل ہے کہ یہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب ہے۔

دوسری دلیل: انسانی کلام کو دو ایک بار پڑھنے سے جی اتر جاتا ہے، دلچسپی نہیں رہتی، مگر قرآن شریف بلا سمجھے ہوئے بھی جس قدر بار بار پڑھا جاتا ہے ایک نیا لطف آتا ہے۔

[1] بني إسرائيل: ۸۸ [2] البقرة: ۲۳

تیسری دلیل: کلامِ انسانی اس طرح لفظ بہ لفظ حرف بہ حرف حفظ نہیں ہوا کرتا اور نہ اس قدر حفظ کی کوشش ہوا کرتی ہے، آج لاکھوں کروڑوں مسلمان اس کلامِ الٰہی کے حافظ دنیا میں موجود ہیں۔

چوتھی دلیل: جس طرح یہ قرآن شریف نازل ہوا تھا بعینہٖ اسی طرح حرف بہ حرف موجود ہے ذرا بھی تغیّر نہیں ہوا۔ زیر، زبر، پیش، حرکت، سکون، تشدید، مد وغیرہ اسی طرح باقی ہیں۔

پانچویں دلیل: تواتر کے ساتھ اسی طرح نقل ہوتا چلا آرہا ہے جس طرح اور جن حروف و کلمات کے ساتھ نازل ہوا تھا۔ اور تواتر دلائلِ قطعیّہ میں سے ایک مسلّم دلیلِ قطعی ہے۔

چھٹی دلیل: عرب میں فصاحتِ کلام کی قدر صدیوں سے چلی آرہی تھی یہاں تک کہ جو قصیدہ یا اشعار مرغوب تر ہوتے وہ خانۂ کعبہ کی دیوار پر حسبِ مراتب اوپر نیچے لگا دیے جاتے۔ نبوت کے دورِ مسعور تک سات قصیدے اسی طرح آویزاں تھے جن کو ''سبعہ معلقہ'' کہتے ہیں۔ ان میں امرؤ القیس کا قصیدہ سب سے بالاتر تھا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝﴾[1]

حکم دیا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان! تھم جا۔ پس پانی سُکھا دیا گیا اور قصّہ ختم ہوا اور کشتی (کوہ) جودی پر آٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ کافر لوگ رحمت سے دور ہوں۔

تو اس وقت شاعر امرأ القیس وفات پاچکا تھا اور اس کی بہن زندہ تھی اس نے اس کو سن کر کہا کہ اب کسی کو کلام کرنے کی گنجائش نہیں رہی اور میرے بھائی کے قصیدے کا بھی افتخار جاتا رہا۔ یہ کہہ کر اس نے کعبہ کی دیوار سے وہ قصیدہ نوچ ڈالا۔ پھر جب سب سے اونچا قصیدہ نہ رہا تو باقی بھی اتار دیے گئے۔

تاریخ و سِیر کے ملاحظے سے بھی معلوم ہوا کہ نزولِ قرآن کے وقت جمیع فُصحا و بُلغا باوجود

---

[1] ھود: ٤٤

کثرتِ مہارت اور جوشِ تعصّب و مخالفت کے جو مقابلے پر آمادہ کرتا ہے، قرآن کے مقابلے سے عاجز و قاصر ہو گئے۔

یہ اس بات کے بیّن (واضح) دلائل ہیں کہ یہ کلامِ پاک اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔

نزولِ قرآن کا آغاز

سوال: قرآن شریف ابتداً کہاں نازل ہوا؟

جواب: مکّہ معظّمہ میں غارِ حرا میں نازل ہوا جب کہ محمد ﷺ اس غار میں خدا تعالیٰ کی عبادت کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے اور کئی کئی روز وہاں رہتے تھے۔ اور نزول اس طرح ہوا کہ آں حضرت ﷺ ایک مرتبہ اس غار میں تشریف رکھتے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا ﴿اِقْرَأْ﴾ یعنی پڑھو۔ آپ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اسی طرح تین بار فرمایا۔ پھر چوتھی مرتبہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝﴾[1]

اے پیغمبر! آپ قرآن اپنے ربّ کا نام لے کر پڑھا کیجیے، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپ قرآن پڑھا کیجیے اور آپ کا ربّ بڑا کریم ہے جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔

یہ سن کر آپ نے سب آیتیں پڑھیں۔

سوال: اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے یہ آتیں نازل ہوئیں جو سورۂ علق کی ہیں مگر قرآن شریف میں اس طرح سے ابتدا نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: عزیزمن! قرآن شریف کا نزول تو موقع اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتا تھا۔ مگر جب آیات نازل ہو جاتی تھیں تو آپ بامرِ الٰہی بواسطۂ جبرائیل علیہ السلام فرما دیا کرتے تھے کہ

[1] العلق: ۱-۵

فلاں جگہ فلاں آیت اور فلاں جگہ فلاں سورت لکھ دی جائے۔
اس لیے ترتیبِ نزول اور ترتیبِ نظم میں اختلاف ہوگیا کہ ترتیبِ نزول اور ہے اور ترتیبِ نظم بحکم الٰہی اور ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

سوال: ایک فرقہ کہتا ہے کہ قرآن شریف میں سے دس پارے سنّیوں نے نکال دیے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: عزیز من! اس کا جواب نہایت سہل ہے:

اوّل: یہ کہ حضورِ اکرم ﷺ کے زمانے ہی میں بہت سے حافظ تھے، کیوں کہ دار و مدار قرآنِ مجید کا حفظ پر تھا۔ مثلاً اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ابودرداء رضی اللہ عنہ وغیرہم۔ ان سب سے تیس پارے ہی منقول ہیں۔

دوسرے: تمام امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جو قرآنِ مجید اس وقت موجود ہے یہ بعینہٖ وہی ہے جو آں حضرت ﷺ پر نازل ہوا اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ حضرات اہلِ سنت والجماعت کے علاوہ علمائے محقّقین شیعہ کا بھی یہی مذہب اور قول ہے۔ چناں چہ محمد بن علی بن بابویہ شیعی اپنے رسالہ ''عقائد'' میں لکھتے ہیں کہ جو قرآن حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے وہ یہی ہے جو اب موجود ہے۔

تیسرے: یہ کہ تفسیر ''مجمع البیان'' جو اہلِ تشیع میں بہت معتبر تفسیر ہے، اس تفسیر میں سیّد مرتضیٰ کا بھی یہی قول نقل ہے۔

چوتھے: یہ کہ ملا صادق شرحِ ''کافی'' ''کلینی'' شیعوں کی مشہور کتاب میں لکھتے ہیں کہ یہ قرآن جس طرح نازل ہوا تھا اسی طرح امام مہدی تک صحیح وسالم رہے گا۔

اس کے علاوہ تمام شیعہ علما اسی خیال کی بڑے شد و مد کے ساتھ تصدیق کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر کسی غیر محقّق کا ایسا قول ہو تو وہ ہرگز قابلِ التفات نہیں ہے۔

سوال: یہ مشہور ہے کہ قرآن شریف تیئیس (۲۳) سال میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا، اور ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ رمضان شریف میں اترا ہے، اور پھر یہ بھی سنا ہے کہ شبِ قدر میں اترا ہے۔ یہ اختلاف کیسا ہے؟

جواب: جی ہاں! پورا علم نہ ہونے کی وجہ سے ایسے بیانات کو اختلافات پر محمول کر بیٹھتے ہیں۔ سنیے! ان تینوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں، یہ سب باتیں صحیح ہیں، اس طرح سے کہ اوّل قرآن شریف لوحِ محفوظ سے ایک ساتھ آسمانِ دنیا پر رمضان شریف میں اترا۔ جس کو ﴿شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ﴾ میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی یہ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن شریف نازل کیا گیا۔ اور یہ نزول شبِ قدر میں ہوا جیسا کہ ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ O﴾ میں بیان فرمایا گیا۔ پھر تھوڑا تھوڑا حسبِ موقع وضرورت تیئیس سال تک نازل ہوتا رہا۔ لہٰذا تینوں باتوں میں کچھ اختلاف نہیں، تینوں صحیح ہیں۔

عصمتِ انبیا

حقیقتِ عصمت:

پہلی دلیل:

سوال: کیا نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے؟ اس پر کیا دلیل ہے؟ اور معصوم ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: جب یہ معلوم ہوگیا کہ نبوت ایک خاص الخاص منصب اور عہدہ انسان کے سنور نے اور رُشد و ہدایت کے لیے ہے، تو لازم ہے کہ نبی ہر نوع سے کامیاب اور معصوم ہستی ہو۔ اس لیے وہ ہر اعتبار سے سب پر غالب ہوتا ہے اور اپنی ذات وصفات میں معصوم ہوتا ہے۔ تو نبی کے معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ چوں کہ نبوت کا عہدہ ایک منتخب عہدہ من جانب اللہ ہے۔ لہٰذا نبی میں کسی قسم کا نقص نہ ہونا چاہیے۔

جیسا کہ بادشاہ کسی کو خاص عہدہ گورنر جنرل کا دے کر بھیجے تو وہ دو باتوں پر نظر کرے گا: ایک تو یہ کہ اس کو انتظامِ ملکی کا سلیقہ اعلیٰ درجے کا ہو۔ دوسرے یہ کہ اس میں گورنمنٹ کی پوری پوری اطاعت اور کامل وفاداری ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص گورنر جنرل میں انتظامی قابلیت کے سلسلے میں عیب نکالے، اس کی وفاداری واطاعت پر اعتراض کرے تو وہ عیب نکالنا اور اعتراض کرنا درحقیقت بادشاہ پر اعتراض اور اس پر عیب لگانا سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے ایسا شخص توہینِ شاہی کا مجرم قرار پا کر مستحقِ سزا ہوتا ہے۔ حالاں کہ شاہانِ دنیا کا علم محیط نہیں اور ان سے غلطی ہو جانا بعید نہیں۔

اسی طرح عہدۂ نبوت کا خیال کیا جائے کہ یہ انتخاب ایک ایسی ذات کی طرف سے ہے جس کا علم محیط ہے، غلطی کا ذرا احتمال نہیں۔ لازماً یہ عہدہ اسی شخص کو عطا ہوگا جس میں اس عہدے کی پوری قابلیت ہوگی اور خالقِ برتر کا پورا پورا تابعِ فرمان اور وفادار ہوگا۔ جو کچھ کرتا اور کہتا ہو اسی ذاتِ واحد کی مرضی اور اشارے پر کہتا اور کرتا ہو۔ مخالفتِ حق کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہ ہو۔ یہ ہیں معنی نبی کی عصمت اور معصوم ہونے کے۔ پس ثابت ہوا کہ نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

دوسری دلیل: اگر نبی کو معصوم نہ مانا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو نبی کے قول وفعل پر امتثال اور نبی کے قول وفعل کی متابعت کا کلیتاً کس طرح حکم کرنا درست ہوسکتا تھا، کیوں کہ جب نبی معصوم نہ ہوگا تو فعلِ معصیت کے صادر ہونے کا گناہ اس سے مانا جائے گا۔ اور جب فعلِ معصیت کا صدور ہوا اور ادھر اس کے فعل کی تابعداری کا اُمت کو حکم بھی ہے، حتیٰ کہ نبی کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت فرمایا۔ چناں چہ ارشاد ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ ج﴾[1] جو رسول کی اطاعت کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا۔

اور فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾[2] فرما دیجیے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا۔

اور فرمایا:

[1] النساء: ۸۰ [2] آل عمران: ۳۱

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[1] تمہارے لیے اے لوگو! اللہ کے رسول میں اچھے نمونے ہیں۔ ایسے بننا۔

اور فرمایا کہ

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾[2] جو کوئی بھی رسول بھیجا گیا وہ اسی لیے بھیجا گیا کہ بحکم الٰہی اس کی اطاعت کی جاوے۔

تو جب نبی کا آنا اس کی اطاعت اور پیروی کے لیے ہے اور پھر اس کو معصوم نہ مانا جائے، بلکہ اس سے العیاذ باللہ! معصیت کا صدور بھی مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بہ اتباعِ نبی معصیت کی بھی اجازت دے دی۔ حالاں کہ یہ ذاتِ حق سے ممکن نہیں ہے۔

پس ضروری ہوا کہ نبی معصیت و نافرمانی سے بالکلیہ پاک و صاف ہو۔ اس کا ہر قول وفعل ذاتِ حق کی مرضی کے موافق ہو، اور یہی معنی ہیں عصمت کے۔ پس اس سے بھی ثابت ہوا کہ نبی معصوم ہوتا ہے۔

تیسری دلیل: اگر نبی معصوم نہ ہو تو پھر لازم آتا ہے کہ نبی کو بھی ہدایت طلب کرنے میں مثل دیگر انسانوں کے دوسرے نبی کی طرف حاجت ہو، اور اگر وہ بھی معصوم نہ ہو تو پھر اس کو کسی تیسرے نبی کی طرف احتیاج ہوگی اپنی ہدایتِ کاملہ میں، اسی طرح اگر یہ سلسلہ چلتا رہے گا تو تسلسل لازم آئے گا، جو کہ محال ہے۔ تو لامحالہ انسان کی ہدایت کے لیے ایک ایسا با کمال شخص ہونا چاہیے جو عمداً، سہواً چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک ہو، اور جو اپنی تمام صفات میں افضل ہو، اور جلال و جمال اور مکارمِ اخلاق کا جامع ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے مقصد کے خلاف لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں۔ پس نبی کا ہر اعتبار سے معصوم ہونا ضروری ہے۔ اور ہمارے نبی کریم ﷺ خصوصیّت کے ساتھ تمام خلائق حتیٰ کہ تمام انبیا علیہم السلام سے بھی افضل ہیں۔ تو حضور ﷺ کا معصوم ہونا بدرجہ اتم ثابت ہوا۔

[1] الأحزاب: ۲۱ [2] النساء: ٦٤

معجزات

حقیقتِ معجزہ

سوال: معجزہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: معجزہ اس کو کہتے ہیں کہ بدون سببِ مادّی، روحانی، اور قوتِ خیالیہ کے نبی سے کسی ایسی بات کا ظہور ہو جو خلافِ عادت ہو۔ اور اگر کسی متشرع، متبعِ نبی سے کوئی ایسی بات صادر ہو جو خلافِ عادت ہو تو اس کو کرامت کہتے ہیں، اور کرامت حق ہے اور وفات کے بعد بھی کرامت کا امکان ہے۔

ثبوتِ معجزہ

سوال: معجزے کا ثبوت دلائلِ عقلیہ سے بیان کیجیے؟

جواب: عزیزمن! کسی چیز کے ثبوت کے لیے عقلی امکان کافی ہوتا ہے اور خبرِ متواتر (یعنی جو لگا تار نقل ہوتے چلی آ رہی ہو) سے وقوع کی قطعیت ثابت ہوتی ہے، کیوں کہ کسی چیز کے علمِ قطعی کے لیے تین ہی ذریعے ہوتے ہیں: عقل، حواسِ خمسہ ظاہرہ یعنی سننا، چھونا، سونگھنا، دیکھنا، چکھنا، اور تیسرے خبرِ متواتر۔ یعنی جہاں استحالۂ عقلی (عقلاً محال ہونا) نہ ہو وہاں عقلی امکان کے ساتھ ثبوتِ قطعی کے لیے نقلی دلیل جو کہ منصوص اور خبرِ متواتر کے طریقے سے ہو، وہ قطعی طور پر مدّعا کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

لہٰذا اب بغور سنیے کہ کسی کام کا کرنا اس کے فاعل (کرنے والے) کی قوت پر موقوف ہے، جس قدر فاعل کی قوت ہوگی اسی قدر اس سے فعل قوی صادر ہوگا۔ یہ بات بدیہی (موٹی) ہے اس پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسری بات[1] یہ ہے کہ اجسام اور جواہرِ مجردہ میں اصل مبدأ قوت کی لطافت و کثافت کے لحاظ سے قوی اور ضعیف ہوتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آگ کی قوت سے پانی کی

[1] نوٹ: اُستاذ صاحب سے درخواست ہے کہ طالب علم کو یہ تمام باتیں آسان لفظوں میں سمجھا دیں۔

قوت اور پانی کی قوت سے ہوا کی قوت زیادہ ہوتی ہے، اور ہوا کی قوت اس کی لطافت کی وجہ سے سب سے زیادہ ہے۔

اسی لیے جس کے قوامِ بدن میں لطیف اور ہلکا جز و جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر اس کے افعال بہت قوی ہوں گے۔ چناں چہ فرشتوں کا مادہ نہایت لطیف ہوتا ہے تو ان کے افعال جنات سے بھی زیادہ قوی ہوں گے۔ یہی حال روح کا ہے کہ اپنی لطافت کی وجہ سے بشرطے کہ جسمانی کثافت اس پر غالب نہ ہو، نہایت عجیب وغریب کام کر گزرتی ہے۔ روحانی قوت ہی کے تو یہ کرشمے ہیں کہ بہت سے اولیاء اللہ کے ایسے واقعات ہیں کہ ابھی بیت اللہ شریف میں ہیں اور فوراً ہی اس کے بعد دوسری جگہ نظر آتے ہیں۔ مسافتِ بعیدہ کو چند سیکنڈوں میں طے کر لیتے ہیں۔ یہ سب کس چیز کے کرشمے ہیں؟ یہ سب روحانیت ہی کے تو کرشمے ہیں، جن کو کرامت کہا جاتا ہے۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام کی روحانیت کا کیا کہنا وہ تو سب سے لطیف کیا بلکہ الطف ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ حجر و شجر آپ کو سلام کرتے۔ کنکریوں کی تسبیحات کو آپ سنتے تھے۔ یہ سب معجزات کی قبیل سے ہے۔

اور یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جو کسی حکمت اور خواصِ اَشیا سے نہیں ہوسکتیں۔ چاند کا شق ہو جانا، دریا کا کھڑا ہو جانا، ایک دن کے بچے کا باتیں کرنا، مُردوں کو زندہ کرنا، پہاڑ کا سرسبز آ جانا، لکڑی کا چیخ چیخ کر رونا، انگلیوں سے پانی جاری ہو جانا، ایسی باتیں نہیں جو حکمت اور خواصِ اَشیا سے ظاہر ہو جائیں۔

عقل جائز رکھتی ہے کہ ایسی چیزیں کہ جن کا سبب نہ خواصِ اَشیا ہوں نہ حکمت ہو، وہ کسی دوسری قوت ہی کا اثر ہے۔ اسی کو معجزہ کہا جاتا ہے۔

پس دلیلِ مذکور سے معجزے کا امکان ثابت ہوگیا۔ خلافِ عقل نہ ہوا۔ لیکن معجزہ نبی ہی سے صادر ہوتا ہے، اگر نبی کے متبع سے کوئی ایسی بات ظہور میں آئے تو وہ کرامت کہلاتی ہے اور اگر کافر سے ظاہر ہو تو وہ استدراج (یعنی شیطانی دھندا ہے)۔

ضرورتِ معجزہ

سوال: کیا نبی کے لیے معجزہ ضروری ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟

جواب: جی ہاں! نبی کے لیے معجزے کا ہونا ضروری ہے، کیوں کہ نبی ایک خاص منصب رکھتا ہے۔ شاہی آدمی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ کوئی دلیل اور علامت شاہی آدمی ہونے کی رکھتا ہو۔ اسی وجہ سے جس زمانے میں جس فن میں لوگ مہارت و کمال رکھتے تھے اسی قسم کا معجزہ شاہی آدمی یعنی نبی کو عطا کیا جاتا رہا، تاکہ اہلِ فن بالخصوص جان سکیں کہ یہ چیز فن سے بالاتر ہے اور ان کی تصدیق سے دوسرے عامۃ الناس کو ہدایت میں سہولت ہو، کیوں کہ اس قسم کے فن کے ماہرین کا بالاتفاق اقرار کرنا کہ یہ فن سے بالاتر ہے، بہت بڑی تصدیق ہے، اور یہی معجزہ ہے۔ تو ان اہلِ فن کے اقرار و تسلیم سے غیر اہلِ فن کو اس کا معجزہ ہونا معلوم ہوگا۔ اس لیے کہ اس بات کو عقل تسلیم نہیں کرتی کہ ایک بہت بڑا گروہ ایک جھوٹی بات پر اتفاق کرے۔ پس جب اس قدر اہلِ فن جن کا خطا پر متفق ہوجانے کا احتمال نہ ہو، متفق ہوکر جب ایک بات ہی کہیں اور اقرار کریں کہ یہ کام فنِ طب وغیرہ سے نہیں ہے بلکہ معجزہ ہے، تو اس صورت میں ناواقفوں کو ان خوارقِ عادات کے معجزے ہونے کا علم ہوجائے گا۔ اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوجائے گی کہ معجزے کا فاعل نبی ہے اور جو کام مدعیٔ نبوت نے کیا ہے وہ معجزہ ہے۔ صنعت و حرفت یا شعبدہ سے نہیں ہے۔ اسی طرح سے جب اس نبی کا زمانہ گزر جاتا ہے اور اس زمانے کے آدمیوں میں سے جنھوں نے اپنی مہارت اور علم کے سبب اس معجزے کا معجزہ ہونا جان لیا ہو تو پچھلوں کو ان اگلوں سے یہ علم اور تصدیق حاصل ہوتی ہے، جس سے وہ نبی پر ایمان لاتے ہیں۔ چناں چہ اسی وجہ سے ہدایت کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ ایسا ہی جاری رہا کہ ہر پیغمبر اور نبی کے زمانے میں جس علم و فن کی وجہ سے ضلالت ہوتی تھی وہی معجزہ اس نبی کو خاص کر عطا ہوا۔ جیسے: موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سحر کا زیادہ زور تھا تو انھیں ابطالِ سحر کا معجزہ ملا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم میں فنِ طب کا چرچا تھا تو

انھیں شفائے امراضِ لاعلاج، مثل: برص حقیقی اور اندھا مادرزاد کا معجزہ ملا۔
حضرت داود علیہ السلام کی قوم میں موسیقی کا کمال تھا تو انھیں ایسی خوش الحان آواز کا معجزہ دیا گیا کہ زبور کی تلاوت کے وقت وحوش وطیور، چوپائے، درندے ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے۔
اور ہمارے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فصاحت و بلاغت کا بڑا زور تھا تو آپ کو دیگر معجزات کے علاوہ فصاحت و بلاغت والا معجزہ خصوصیّت سے عطا ہوا۔
پس ثابت ہوا کہ نبی کے لیے معجزے کا ہونا ضروری ہے۔ اور ہر زمانے کے اعتبار سے ویسا ہی معجزہ نبی کو عطا ہوتا تھا جس کی اس وقت ضرورت ہوتی تھی۔

معجزہ اور غیر معجزہ کا فرق

سوال: جب غیرِ نبی بلکہ کافر وغیرہ سے بھی ایسی بات خلافِ عادت ظاہر ہو سکتی ہے تو پھر معجزہ اور غیر معجزہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: اوپر بھی بیان ہو چکا اور یہاں کسی قدر تفصیل سے لکھا جاتا ہے کہ نبی کے معجزے کے مقابلے میں تمام اہلِ فن عاجز آجاتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ اُن کے مکر کی معجزے کے آگے کوئی حقیقت نہیں۔ اور بعض اہلِ انصاف جن کی قسمت میں ایمان ہوتا ہے اس کا برملا اظہار بھی کر دیتے ہیں اور خدا اور نبی پر ایمان لے آتے ہیں۔

جیسے: ساحرانِ فرعون، کہ انھوں نے رسیاں میدان میں ڈال دیں جو چلتے پھرتے سانپ معلوم ہونے لگے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو وہ حقیقی اژدہا بن کر اُن کو نگلنے لگا جس کو دیکھ کر ساحران نے جان لیا کہ اُن کا مکروفریب معجزے کے مقابلے میں بہت بودا ہے اور سجدے میں گر گئے اور سب موسیٰ و ہارون پر ایمان لے آئے اور ایسے متأثر ہوئے کہ فرعون کی دھمکیوں کے باوجود جان تک کی پروا نہ کی اور ایمان سے ٹلے نہیں۔

اسی طرح مشرکینِ مکّہ کہ جن کو اپنی فصاحت و بلاغت پر اتنا ناز تھا کہ باقی دنیا کو عجم یعنی

گونگا کہا کرتے تھے اور قرآنِ پاک نازل ہونے سے پہلے اس میں حق بجانب بھی تھے، لیکن قرآنِ پاک نازل ہونے پر حیران ہکّے بکّے رہ گئے اور خود قرآنِ پاک کے آگے گونگے بن گئے اور چیلنج کے باوجود کہ ایک سورت ہی بنا لاؤ، جیسے سورۂ کوثر کہ صرف چھوٹی چھوٹی تین آیتیں ہیں، اور یہ بھی چیلنج کہ اپنے حمایتوں کو بھی بلا لاؤ لیکن مقابلہ نہ کر سکے۔

یہ تو نبی کے معجزے کی بات ہوئی۔ اُن کے متّبعین اولیاء اللہ کے سامنے غیر مسلم مد مقابل بھی نہ ٹھہر سکے اور حقیقت معلوم ہونے پر ایمان لانے کے سوا چارہ نہ رہا۔ جیسے: اجمیر شریف (انڈیا) میں ایک ہندو جوگی کا ہوا میں اڑنا اور حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج رحمہ اللہ کی کھڑانووں کا ہوا میں اُڑ کر اُس جوگی سے بلند پرواز کر کے اُس کے سر پر لگنا، پھر حضرت شیخ رحمہ اللہ سے بیعت ہو جانا۔

اور جیسے قصبہ گنگوہ (انڈیا) میں ایک جوگی کا اپنی کوٹھڑی میں پانی ہو جانا اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کا بھی پانی ہو جانا۔ پھر ہر ایک کے بھیگے ہوئے کپڑوں کا سونگھا جانا، جوگی کے کپڑوں سے بدبو آنا اور حضرت شیخ رحمہ اللہ کے کپڑوں سے خوش بو آنا۔ یہ دیکھ کر جوگی کا مسلمان ہو جانا۔ وغیرہ وغیرہ واقعات ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات

سوال: کیا آپ سے کچھ معجزے بھی ظاہر ہوئے ہیں؟

جواب: ہر پیغمبر کو معجزے دیے جاتے ہیں تاکہ لوگوں پر اُن کا پیغمبر ہونا خوب ظاہر ہو جائے۔ چناں چہ آپ سے بھی بے شمار معجزے ظاہر ہوئے ہیں:

پہلا معجزہ: جب آپ سے کفارِ مکّہ نے چاند کے دو ٹکڑے کرنے کے لیے کہا تو آپ نے چاند کی طرف اپنی انگلی مبارک سے اشارہ کیا تو چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کی شہادت تواریخ میں موجود ہے۔ راجہ جے سنگھ نے اپنے بالا خانے سے چاند کے دو

ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھے اور نجومیوں سے معلوم کیا[1] تو انھوں نے کہا: معلوم ہوتا ہے عرب میں نبی آخر الزمان پیدا ہوگئے ہیں ان سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے۔ چناں چہ تصدیق کے لیے دن تاریخ لے کر ایک شخص کو مکّہ معظّمہ بھیجا اور تصدیق کر کے واپس آیا۔

دوسرا معجزہ: یہ ہے کہ ایک شکاری نے بچوں والی ہرنی کو پکڑ لیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ ہرنی نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے جال سے نکال دیجیے، میں اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس لوٹ کر آ جاؤں گی۔ آپ نے چھوڑ دی۔ اتنے میں شکاری آ گیا دیکھا تو ہرنی نہیں ہے۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ہرنی کہاں گئی؟ فرمایا: ابھی آتی ہے، بچوں کو دودھ پلانے گئی ہے۔ چناں چہ تھوڑی دیر میں ہرنی دودھ پلا کر آ گئی۔

تیسرا معجزہ: یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو قضائے حاجت کے لیے ضرورت پیش آئی آڑ کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ آپ نے ایک درخت کی شاخ پکڑ کر فرمایا: بـــإذن اللّـه اللہ تعالیٰ کے حکم سے، یعنی میری اطاعت کر۔ چناں چہ وہ تابع ہوگیا۔ اسی طرح دوسرے درخت سے فرمایا تو وہ بھی تابع ہو کر ساتھ ہولیا۔ آپ نے اپنی حاجت پوری کی، پھر وہ دونوں درخت جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ پہنچ گئے۔

چوتھا معجزہ: یہ ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں تین سو آدمی تھے۔ وضو کے لیے پانی بالکل نہ تھا۔ آپ نے ایک برتن منگا کر اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں۔ بس پانی آپ کی انگلیوں سے جاری ہوگیا اور تمام حاضرین نے وضو کیا۔

پانچواں معجزہ: ان واقعات سے متعلق جو آپ نے بن دیکھے بیان فرمائے۔ جیسے: بخاری رحمہ اللہ نے ابنِ مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (غزوۂ موتہ کے قصّے میں) حضرت زید، جعفر، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر لوگوں کو سنا دی قبل اس کے کہ خبر آئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ عَلم لیا زید نے پس شہید ہوا۔ پھر عَلم لیا حضرت جعفر نے پس وہ

[1] مزید تحقیق کے لیے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب ''حقانیتِ اسلام'' ملاحظہ فرمائیں۔

شہید ہوا۔ پھر علم لیا عبداللہ بن رواحہ نے پس وہ شہید ہوا۔ اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور پھر فرمایا کہ آخر کو ایک خدا کی تلوار (یعنی حضرت خالد رضی اللہ عنہ) نے عَلم لیا اور فتح حاصل ہوئی (پھر اسی کے مطابق خبر آئی)۔

چھٹا معجزہ: ظہورِ برکت سے متعلق ہے۔ جسے بیہقی رحمہ اللہ اور طبرانی رحمہ اللہ اور ابن ابی مشیبہ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حبیب بن فدیک کے باپ کی آنکھوں میں پھلی پڑ گئی اور بالکل اندھے ہو گئے۔ آں حضرت ﷺ نے ان کی آنکھوں پر دم کیا۔ اسی وقت ان کی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے انھیں اسّی برس کی عمر میں سوئی میں دھاگہ ڈالتے دیکھا ہے۔

ساتواں معجزہ: ایک جنّیہ سے متعلق ہے۔ جس کو ترمذی نے حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت کیا ہے کہ ان کی ایک بخاری میں خُرمے بھرے تھے۔ سو ایک جنیہ آکر اس میں سے نکال لے جاتی۔ انھوں نے جنابِ رسول ﷺ کے حضور میں اس کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: جاؤ اور اب جب اس کو دیکھو تو یوں کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر چل۔ سو انھوں نے اس کو پکڑ لیا۔ پھر اس کے قسم کھانے پر کہ اب نہ آوے گی چھوڑ دیا تھا۔ (إلی آخر الحدیث)

یہ آپ کا معجزہ ہے کہ باوجود اس کے مؤمن نہ ہونے کے محض آپ کے نام کی برکت سے وہ گرفتار ہو گئی۔

آٹھواں معجزہ: خاک سے متعلق ہے۔ جس کو صحیحین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ (سفرِ ہجرت میں) ہمارا پیچھا کیا سُراقہ بن مالک نے، سو میں نے انھیں دیکھ کر کہا کہ یارسول اللہ! ہمیں ایک شخص نے پالیا۔ آپ نے فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ یعنی غم مت کرو، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر آپ نے سراقہ کے لیے بددعا کی سو اس کا گھوڑا پیٹ تک سخت زمین میں دھنس گیا۔ اس نے کہا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں صاحبوں نے میرے لیے بددُعا کی ہے۔ اب دُعا کرو کہ میں نجات پاؤں، اور میں قسم کھاتا ہوں کہ تمہارے طلب کرنے والوں کو میں پھیر دوں گا۔

آں حضرت ﷺ نے اس کی نجات کے لیے دُعا کی، سو اس نے نجات پائی اور پھر گیا، اور جو کوئی اسے ملتا تھا اسے پھیر دیتا تھا اور کہہ دیتا تھا کہ ادھر کوئی نہیں ہے۔

نواں معجزہ: ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں آں حضرت ﷺ کے ساتھ مکّہ میں تھا، سو آپ بعض اطرافِ مکّہ کی طرف نکلے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا، سو جو پہاڑ یا درخت آپ کے سامنے آتا وہ یہ کہتا: **السلام عليك يا رسول الله.**

دسواں معجزہ: امام بیہقی نے سفینہ سے روایت کی ہے کہ میں دریائے شور میں تھا، جہاز ٹوٹ گیا۔ میں ایک تختے پر بیٹھ گیا، بہتے بہتے ایک نیستان[1] میں پہنچا، وہاں مجھے ایک شیر ملا وہ میری طرف آیا، میں نے کہا کہ میں جنابِ رسول اللہ ﷺ کا آزاد کردہ غلام ہوں۔ وہ شیر میری طرف بڑھ آیا اور اپنا کندھا میرے بدن میں مارا۔ پھر میرے ساتھ چلا، یہاں تک کہ مجھے راہ پر کھڑا کر دیا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر باریک باریک کچھ آواز کرتا رہا اور میرے ہاتھ سے اپنی دم چھوادی۔ میں سمجھا کہ مجھے اب یہ رخصت کرتا ہے۔

اور سب سے بڑا معجزہ تو قرآنِ مجید ہے کہ جس طرح نازل ہوا تھا اسی طرح آج بھی موجود ہے۔ ذرا برابر بھی فرق نہیں آیا اور نہ آئندہ آئے گا، کیوں کہ ہزاروں حافظ موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۝﴾[2] ہم ہی نے اس قرآن کو اُتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

بخلاف دوسری کتابوں کے جیسے تورات، انجیل، زبور کہ ان میں ہزاروں تغیّر و تبدل کر دیے گئے۔

اس کے علاوہ اور بہت سے ایسے معجزے ہیں جن سے آپ کی رسالت کی کھلی تائید ہوتی ہے۔

[1] جنگل، جس میں سرکل کے درخت بہت ہوں۔ [2] الحجر: ۹

قیامت کا بیان

قیامت کی تعریف:

سوال: قیامت کیا چیز ہے؟

جواب: جب دنیا میں کوئی ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا، اور گناہوں کی کثرت اور کفر وشرک پھیل جائے گا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ جس کا نام اسرافیل علیہ السلام ہے صور پھونکے گا جس کی ہیبت ناک اور سخت کڑی آواز سے تمام چرند و پرند، وحوش و طیور، انسان وجن مرجائیں گے۔ اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑیں گے۔ زمین ریزہ ریزہ ہوجائے گی۔ اور تمام ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ غرض ہر چیز فنا ہوجائے گی۔ اور پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب زندہ ہوجائیں گے۔ پس اسی کا نام قیامت ہے۔

سوال: قیامت کا ماننا کیوں ضروری ہوا؟

جواب: جناب! قیامت یعنی حشر ونشر کا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ ہم پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کیوں پیدا کیا؟ نفع کے لیے یا ضرر کے لیے؟ یا کسی کے لیے بھی نہیں۔ اگر ضرر کے لیے پیدا کیا تو یہ شانِ رحیمی کے خلاف ہے۔ اور اگر کسی کے لیے بھی نہیں تو یہ فعل عبث ٹھہرے گا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نفع کے لیے پیدا کیا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں نفع کم اور نقصان وضرر زیادہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دنیا کا نفع تو مقصود ہے ہی نہیں بلکہ دوسری زندگی ہوتا کہ انسان کامل نفع حاصل کرلے۔ اسی کا نام قیامت یا حشر ونشر ہے اور اس کے قطعی ہونے پر قرآنِ کریم سے ثبوت ہے جو کہ پہلے آچکا۔

رہا ریزہ ریزہ ہونے کے بعد روح کا جسم سے دوبارہ متعلق ہوجانا سو اس پر بے شمار دلائل ہیں۔ ہم یہاں پر صرف چھ دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں:

پہلی دلیل: ظاہر بات ہے کہ جب اوّل معدوم محض[۱] ہونے کی حالت میں روح کا تعلق ہو گیا تو دوبارہ بھی روح کا تعلق بدن سے ہو سکتا ہے اور اجزائے بدن نے جب اوّل بار ایک خاص شکل اختیار کر لی تو دوبارہ وہی شکل اختیار کرنے میں کیا استحالہ ہے۔ لہٰذا دوبارہ شکل اختیار کر لینا بھی ممکن ہے۔

دوسری دلیل: خالقِ عالم قادرِ مطلق بھی ہے اور یہ قدرت تمام ممکنات پر حاصل ہے۔ نیز اس خالقِ عالم کو تمام جزئیات کا علم بھی ہے اور اشیا کے تمام اجزا کا بھی علم ہے۔ لہٰذا بالضرور انسان کے اجزائے بدن کو خواہ وہ مٹی میں ملے ہوئے ہوں، یا آگ میں جلے ہوئے ہوں، یا پانی میں ملے ہوئے ہوں، سب کو تمیز کر سکتا ہے اور ترکیب دے کر مثلِ اوّل صورت کے قائم کر سکتا ہے۔ لہٰذا یقین کر لینا چاہیے کہ حشر و نشر ممکن ہے اور ثبوت قطعی[۲] انبیا کی زبان مبارک اور کتبِ سماویہ اور قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔ جیسا کہ پہلے آچکا۔

تیسری دلیل: یہ ہے کہ جب روح نے بدنِ انسانی سے متعلق ہو کر اخلاقِ حسنہ، عباداتِ صادقہ، معارفِ حقہ حاصل کرنے کے لیے اس کو آلہ بنایا تو پھر جس وقت اس بدن سے روح جدا ہوئی اور اسے اپنی خدمت کا ثمرہ جیسا چاہا ویسا نہ ملا اور جس غرض سے محنت کی تھی وہ غرض و مطلب حاصل نہ ہوا، تو نہایت ہی حسرت کا موجب ہوگا۔ یا اگر روح نے آلۂ بدن کے ذریعے سے لذاتِ دنیویہ حاصل کیں، جاہ و مال حاصل کرنے میں مصروف رہی، اپنے آقا اور مالکِ حقیقی کے حقوق کو بھلا دیا اور اپنے ہم جنسوں کے حقوق تلف کیے تو پھر اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے، تو کیا یہ کوئی عدل و انصاف ہوگا کہ دونوں برابر رہیں۔ یہ تو ظلم ہے اور ظلم سے اللہ تعالیٰ منزّہ و پاک ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتے''۔

اس لیے قیامت، حشر و نشر کا قائم ہونا جزا و سزا کے لیے ضروری ہوا۔

۱۔ جو پہلے بالکل نہیں تھا۔ ۲۔ جس میں ذرہ بھر بھی شک و شبہ نہ ہو۔

چوتھی دلیل: اس عالَمِ دنیا میں روح اور جسم دونوں طاعت و معصیت میں شریک ہیں۔ امر و نہی، وعدہ اور وعید دونوں کے حق میں ہیں۔ اس لیے دونوں کو ثواب اور عذاب پہنچانا ضروری ہوا۔ پس جس جسم میں روح آئے گی وہ یہی جسم ہوگا جو کہ دنیا میں تھا۔ لہٰذا روح کا مع اس جسم کے حشر ونشر کے لیے موجود ہونا ضروری ہوا۔ اور رہا اس عالمِ دنیا میں تقدم انسانی کا اس عالم آخرت پر، سو وہ اس وجہ سے ہے کہ کمالاتِ نفسانی کو حاصل کر کے اس عالم میں ثمرہ پا سکے اور وہ اس عالم کے تقدم پر موقوف تھا۔ اس لیے اس عالمِ دنیا میں انسان کو بھیجا گیا اور بعد حصولِ کمالات اس عالم میں رکھنا فساد کا سبب اور خوبیوں سے محرومی کا باعث تھا، اس لیے اوّل اس عالم میں بھیجا پھر اس عالمِ آخرت کی طرف جو اس عالم سے کہیں زیادہ اچھا ہے اُٹھایا جائے گا۔

پانچویں دلیل: حشر ونشر اور قیامت نہ ہوتو مطیع اور عاصی دونوں کا حال یکساں ہوتا، بلکہ مطیع نقصان میں ہوتا، اور یہ خلافِ حکمت ہے۔ پس حشر ونشر قیامت کا انکار حکمتِ حق کا انکار ہے۔ اور حکمتِ حق کا انکار جائز نہیں لہٰذا قیامت کا ماننا ضروری ہوا۔

چھٹی دلیل: حق تعالیٰ اپنے کمالِ علم و قدرت کے ساتھ حکیمِ مطلق بھی ہیں، ان کی حکمت چاہتی ہے کہ ہر شخص کو جزا و سزا ملنے کے لیے قیامت کا انتظار کیا جائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ آدمی کے تین حال ہیں:

پہلا حال دنیا کا ہے کہ اس دنیا میں طرح طرح کی حاجتوں میں گرفتار ہے اور قسم قسم کے علاقے قرابت و رشتہ داری اور دوستی ہمسائیگی کے مخلوق سے رکھتا ہے، اور انسان طاعت و بندگی کا مکلّف ہے، اور آخرت کا توشہ حاصل کرنے اور اپنے اصل سرمایہ کو نفعوں سے بڑھانے میں مشغول ہے۔

دوسرا حال برزخ کا ہے کہ مرنے کے بعد وہاں رہنا ہے اور اس قسم کے شغلوں سے فارغ رہنا ہے۔ لیکن جو کچھ رشتہ دار، بھائی بند، دوست اور مرید و شاگرد اپنی طرف سے یا اس کے کہہ جانے سے اس کے لیے خیر و خیرات دنیا میں کرتے ہیں اس کا اثر یعنی ثواب اس کو وہاں ملتا ہے اور اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے تو گویا وہ ابھی دار العمل یعنی دنیا میں ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ برزخ میں حق داروں کا جمع ہونا کہ دنیا میں ان سے طرح طرح کے معاملے نیکی اور بدی کے کیے تھے، ممکن نہیں۔ چوں کہ ہر شخص کی موت اپنے وقتِ مقررہ پر ہے، لہٰذا ان معاملات کا فیصلہ کرنا بغیر ان حق داروں کے حاضر ہوئے خلافِ عدل وعدالت ہے۔

تیسرا حال آخرت کا ہے کہ ہرگز کسی طرح کا عمل اور کسی طرح کا شغل وہاں نہ ہوگا۔ اور بنی نوع انسان اور اس کے رشتہ دار، دوست و تابع دار اور اہلِ حقوق سب وہاں موجود و حاضر ہوں گے۔ اور جو کچھ اس نے خود کیا تھا یا دوسروں نے اس کے واسطے اس کے کہنے سے یا از خود کیا تھا، وہ سب اس کو پہنچ چکا اور جمع ہو گیا۔ اب آیندہ کو کسی اور چیز کے آنے کی اُمید نہ رہی، کیوں کہ نوعِ انسانی منقطع ہو چکی۔

پس حکمتِ الٰہی ہرگز اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ اس کو دنیا میں جزا یا سزا دی جائے۔ جیسا کہ ایک فرقے کا خیال ہے کہ جب کوئی شخص مرتا ہے تو وہی روح دوسرے جسم میں منتقل ہو کر یہاں آ جاتی ہے اور یہی عالمِ جزا و سزا کی جگہ ہے، جیسا کہ مشرکینِ مکّہ نے کہا تھا:

﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ج﴾ [1]

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی زندگی کے اور کوئی زندگی نہیں ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو صرف زمانے سے موت آ جاتی ہے۔

اس پر جواباً کہا گیا:

﴿قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَO﴾ [2]

آپ یوں کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھتا ہے پھر تم کو موت دے گا۔ پھر قیامت کے دن جس میں ذرا شک نہیں تم کو جمع کرے گا۔

اس فرقے کا یہ کہنا اور دنیا ہی میں جزا و سزا کا قائم ہونا کیوں کر جائز اور صحیح ہو سکتا ہے کیوں کہ وہ ابھی یہاں کام میں مشغول ہے اور اس کی عمر کی مدت جو کہ سرمایہ کے قائم مقام ہے ابھی بالکل پوری طرح اس کے ہاتھ میں نہیں آئی اور گزری ہوئی عمر کا جمع خرچ برابر نہیں

[1] الجاثية: ٢٤ [2] الجاثية: ٢٦

کیا، اگر اسی حالت میں جزا وسزا کے اندر دنیا میں گرفتار کیا گیا تو وہ ضرور کہے گا کہ ابھی مجھ کو مہلت دینی چاہیے کہ میں اپنی عمر کو پورا کرلوں اور جو جو قصور و کوتاہی مجھ سے ہوا ہے نا تجربہ کاری میں اور ابتدائے جوانی میں اس کا عوض و بدلہ آخر میں ادا کروں۔

جیسا کہ تاجروں کا معمول ہے کہ جب کسی گماشتے یا مُنیم کو تجارت کے لیے بھیجتے ہیں تو اس کو مہلت دیتے ہیں کہ اگر کسی معاملے میں اپنی رائے سے اور خود رائی کر کے کچھ نقصان کیا ہو یا کچھ کھو بیٹھا ہو تو ابھی اس سے فوراً کچھ نہیں کہا جاتا کہ شاید دوسرے سودے میں نقصان پورا کرے گا۔

اسی طرح اس دنیا میں بھی حقیقی جزا وسزا دینا خلافِ حکمت ہے۔ کیوں کہ سرمایہ عمر کا باقی ہے۔ بالکلیہ ختم نہیں ہوا، تلافی ممکن ہے۔ اور اسی طرح عالمِ برزخ میں بھی جزا وسزا دینا حکمت کے خلاف ہے، اس لیے کہ ابھی نیکی اور نتیجے ہر آدمی کے عملوں کے بنی نوع انسان کے باقی رہنے کے سبب سے اس کے لیے چلے آتے ہیں۔ پس گویا کہ ابھی جمع خرچ اس کا برابر نہیں ہوا اور حق کے لینے دینے والے بھی ابھی جمع نہیں ہوئے، تا کہ معلوم ہو کہ اس کا حق کس پر ہے اور اس پر کس کا حق ہے، اور کون سا حق دار اپنا حق معاف کرتا ہے اور کون سا طلب کرتا ہے۔ پس اگر چہ حق تعالیٰ بندوں کے سب بھلے اور برے کاموں سے خبر دار ہے اور جزا وسزا دینے پر قادر بھی ہے، مگر چوں کہ وہ علیم و خبیر، قادر و قدیر ہونے کے ساتھ حکیم بھی ہے اس لیے اس حکمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بدلہ دینے کے واسطے آخرت کا قائم کرنا ضروری قرار دیا۔

قیامت کی نشانیاں

سوال: قیامت کی کچھ نشانیوں کو بیان کیجیے؟

جواب: جب گناہوں کی کثرت، ماں باپ کی نافرمانی، امانت میں خیانت، گانے بجانے کی کثرت، ناچ رنگ کی زیادتی، بے علم و کم علم پیشوا بننے لگیں، کم درجے کے لوگ جیسے چرواہے وغیرہ اونچے اونچے مکان بنانے لگیں، نا قابل نااہل لوگوں کو بڑے بڑے عہدے ملنے لگیں، قومی خزانے کو اپنی مِلک سمجھنے لگیں (یعنی بیت المال اور قومی خزانہ جو ملک، رعیت اور مستحق لوگوں کے لیے ہوتا ہے اس کو اُمَرا اور صاحبِ منصب لوگ اپنی

جاگیر سمجھ کر اپنی ذات اور اپنے عیش وعشرت کے لیے استعمال کرنے لگیں)، اور زکاۃ کو تاوان کی طرح بھاری سمجھنے لگیں، دین کا علم دنیا کمانے کو حاصل کریں، اور شراب کی کثرت ہونے لگے، پچھلے (یعنی) بعد میں آنے والے لوگ پہلے بزرگوں کو برا کہنے لگیں، جب یہ سب اُمور ہو چکیں گے تو قیامت آ جائے گی۔

سوال: جب یہ نشانیاں ہوں گی تو اس وقت حکومتوں کا کیا حال ہوگا اور قیامت کے آنے کے لیے کیا کیا صورتیں ہوں گی؟

جواب: اس وقت سب ملکوں میں نصاریٰ (انگریزوں) کی حکومت ہوگی۔ اس زمانے میں ملک شام میں ابوسفیان کی اولاد میں سے ایک شخص ایسا ہوگا جو بہت سے سیّدوں کا خون کرے گا اور شام ومصر میں اس کا حکم جاری ہوگا۔

پھر اسی زمانے میں شامی مسلمان بادشاہ کی نصاریٰ کی ایک جماعت سے جنگ ہوگی اور ایک جماعت نصاریٰ سے صلح ہوگی، یہاں تک کہ موافقینِ نصاریٰ کی مسلمانوں سے ذرا سی بات کے بڑھ جانے سے جنگ ہو جائے گی۔ اسلام کا بادشاہ شہید ہو جائے گا۔ اور ملکِ شام بھی نصاریٰ کے قبضے میں چلا جائے گا۔ اور بچے کھچے مسلمان مدینہ طیّبہ چلے جائیں گے۔ اور خیبر جو مدینہ طیّبہ کے پاس ایک مقام ہے، وہاں تک نصاریٰ کی عمل داری ہو جائے گی۔ اس وقت مسلمانوں کو امام مہدی کی تلاش ہوگی۔

امام مہدی اس وقت مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوں گے اور اس خیال سے کہ حکومت کے لیے مسلمان میرے پیچھے نہ پڑ جائیں، مکّہ معظّمہ چلے جائیں گے۔ مگر لوگ تلاش کرتے کرتے مکّہ معظّمہ پہنچیں گے اور امام مہدی کو خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان پالیں گے اور زبردستی ان سے حاکم بننے کی بیعت کریں گے۔ آسمان سے آواز آئے گی کہ یہ خلیفہ (یعنی حاکم بنائے ہوئے) امام مہدی ہیں۔ بیعت کی شہرت کے بعد مدینہ منورہ کی مسلمان فوجیں مکّہ معظّمہ چلی جائیں گی۔ اور ملکِ شام وعراق اور یمن کے اولیائے ابدال سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ اور عرب کی فوجیں جمع ہو جائیں گی اور خراسان کا ایک شخص حضرت امام

مہدی کی مدد کے واسطے ایک بڑی فوج لے کر آئے گا۔
اب ایک اور شخص جو حضرت ابو سفیان کی اولاد سے ہوگا اور سیّدوں کا دشمن ہوگا، وہ امام مہدی کے سیّد ہونے کی وجہ سے لڑنے کو فوج بھیجے گا۔ مگر یہ فوج ابھی مکّہ معظّمہ اور مدینہ طیّبہ کے درمیان ایک پہاڑی کے نیچے ٹھہری ہوئی ہوگی کہ سب کے سب زمین میں دھنس جائیں گے، مگر دو شخص ان میں سے بچیں گے: ایک ان میں سے حضرت امام مہدی کو جا کر خبر دے گا اور دوسرا اس سفیانی شخص کو جا کر خبر کرے گا۔ نصاریٰ سب طرف سے فوجیں جمع کر کے مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری کریں گے۔ اس لشکر میں ۹ لاکھ ساٹھ ہزار فوجی ہوں گے۔ ادھر امام مہدی مکّہ معظّمہ سے چل کر مدینہ منورہ حضور پُر نور ﷺ کے روضۂ مبارک کی زیارت کر کے ملکِ شام کو روانہ ہوں گے ابھی شہرِ دمشق تک پہنچیں گے کہ دوسری طرف سے نصاریٰ کی فوج مقابلے میں آجائے گی، حضرت امام مہدی کی فوج تین حصوں میں بٹ جائے گی اور ایک حصّہ تو بھاگ جائے گا ایک حصّہ شہید ہو جائے گا اور ایک حصّے کو فتح ہوگی۔
امام مہدی ملک کا انتظام شروع کر دیں گے۔ اور ہر طرف فوجیں روانہ کر دیں گے۔ پھر قسطنطنیہ فتح کرنے کے لیے جائیں گے اور ستر ہزار آدمی اس شہر کو فتح کرنے کے لیے کشتیوں پر سوار ہو کر روانہ ہوں گے۔ جس وقت اس شہر کی فصیل کے مقابل پہنچیں گے تو نعرۂ تکبیر بلند کریں گے۔

پس اللہ اکبر اللہ اکبر کی آواز کی برکت سے شہرِ پناہ کی دیوار ٹوٹ جائے گی اور مسلمان فتح یاب ہوں گے اور انصاف کے ساتھ ملک کا انتظام کریں گے۔ یہ زمانہ بیعت سے لے کر اب تک ۶/۷ سال کا ہوگا۔

اسی دوران میں ایک جھوٹی خبر مشہور ہوگی کہ دجال شام میں آگیا ہے امام مہدی وہاں کا سفر شروع فرما دیں گے۔ مگر راستے میں ہی تحقیق ہو جائے گی کہ یہ خبر غلط ہے۔ تو پھر اطمینان سے آپ شہروں کا انتظام کرتے ہوئے ملکِ شام پہنچ جائیں گے۔ مگر وہاں ابھی کچھ ہی عرصہ گزرے گا کہ دجال بھی نکل آئے گا۔ جو کہ یہودیوں کی قوم سے ہوگا اور دعویٰ نبوت کا کرے گا۔ پھر ستّر ہزار یہودی اس کے ساتھ ہو جائیں گے، پھر وہ دعویٰ خدائی کا شروع کر دے گا اور بہت سے ملکوں

سے گزرتا ہوا یمن کی سرحد تک پہنچ جائے گا۔ راستے میں بہت سے بد دین اس کے ساتھ ہو جائیں گے، یہاں تک کہ مکّہ معظّمہ کے قریب آ کر ٹھہرے گا مگر حفاظتِ ملائکہ کی وجہ سے شہر کے اندر نہ جا سکے گا۔

پھر وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف جائے گا مگر وہاں بھی فرشتوں کا پہرہ ہوگا اور اندر داخل نہ ہو سکے گا۔ البتہ مدینہ منورہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا جس کی وجہ سے سست ایمان والے لوگ مدینہ سے باہر نکل جائیں گے اور دجال کے پھندے میں پھنس جائیں گے۔ اس وقت مدینہ میں ایک بزرگ ہوں گے جو دجال سے خوب بحث کریں گے۔ آخر کار دجال غصّے میں آ کر اس بزرگ کو قتل کر دے گا۔ اور پھر دوبارہ زندہ کر کے قتل کرے گا، مگر تیسری مرتبہ زندہ کو قتل پر قادر نہ ہوگا۔

پھر وہاں سے ملکِ شام کو روانہ ہوگا۔ جب دمشق کے قریب پہنچ جائے گا تو حضرت امام مہدی وہاں پہلے سے پہنچ چکے ہوں گے اور جنگ کے انتظام میں مشغول ہوں گے کہ عصر کا وقت آ جائے گا۔ مؤذن اذان کہے گا اور لوگ نماز کی تیاری میں ہوں گے کہ اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے نظر آئیں گے اور جامع مسجد کے مشرق کی طرف کے منارے پر آ کر ٹھہر جائیں گے، وہاں سے سیڑھی لگا کر نیچے تشریف لائیں گے۔

حضرت امام مہدی لڑائی کا سب سامان ان کے سپرد کرنا چاہیں گے مگر آپ فرمائیں گے کہ یہ سب انتظام آپ ہی رکھیں، میں تو خاص دجال کے قتل کرنے کو آیا ہوں۔ رات گزر کر جب صبح ہوگی تو حضرت امام مہدی لشکر کو ترتیب دیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک گھوڑا اور ایک نیزہ منگا کر دجال کی طرف بڑھیں گے اور مسلمان دجال کے لشکر پر حملہ کریں گے، بہت شدت کی لڑائی ہوگی، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سانس جہاں تک پہنچے گا وہاں تک کے دشمن فوراً ہلاک ہو جائیں گے۔ دجال کی نظر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر پہنچے گی تو وہ آپ کو دیکھ کر بھاگے گا اور آپ اس کا پیچھا کریں گے، یہاں تک کہ ایک مقام پر پہنچ کر اس کو قتل کریں گے اور مسلمان دجال کے لشکر کو قتل کرنا شروع کر دیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام شہر در شہر تشریف لے جا کر مظلومینِ دجال کو تسلّی دیں گے۔ اس وقت کوئی کافر نہ رہے گا۔ پھر حضرت امام مہدی کا انتقال

ہوجائے گا۔ اور تمام انتظام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آجائے گا۔ اس کے بعد یاجوج ماجوج نکلیں گے جن کے رہنے کی جگہ شمالی جانب ختمِ آبادی سے بھی آگے سات ولایت باہر ہے۔ جہاں سمندر شدتِ سردی کی وجہ سے اس قدر جما ہوا ہے کہ جہاز بھی نہیں چل سکتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حکم سے کوہِ طور پر تشریف لے جائیں گے اور یاجوج ماجوج بڑا فتنہ پھیلائیں گے۔ آخر اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کردیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے اتر آئیں گے۔ چالیس برس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاجائیں گے اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس ومطہر میں دفن ہوں گے۔

آپ کے بعد ایک شخص یمن کے رہنے والے آپ کی جگہ بیٹھیں گے اور نہایت عدل و انصاف سے حکومت کریں گے۔ اور ان کے بعد آگے پیچھے اور بھی کئی بادشاہ ہوں گے۔ اس کے بعد نیک باتیں کم ہوتی جائیں گی اور بری باتیں بڑھتی جائیں گی۔

اس وقت آسمان پر ایک دھواں چھا جائے گا اور زمین پر برسے گا۔ جس سے مسلمانوں کو زکام ہوجائے گا اور کافروں کو بے ہوشی ہوگی۔ چالیس روز کے بعد آسمان صاف ہوجائے گا۔ قریب ہی بقرعید کا مہینہ آجائے گا اور دسویں تاریخ کے بعد اچانک ایک رات ایسی لمبی ہوگی کہ لوگوں کا دل گھبرا جائے گا، بچے سوتے سوتے اکتا جائیں گے، چوپائے جنگل میں جانے کو چلّانے لگیں گے، تمام لوگ ڈر اور گھبراہٹ، سے بے قرار ہوں گے، جب تین رات کے برابر وہ ایک رات ہوچکے گی، اس وقت سورج تھوڑی سی روشنی کے ساتھ مغرب کی طرف سے نکلے گا۔ اب اس وقت کسی کا ایمان یا توبہ قبول نہ ہوگی اور جب سورج اتنا اونچا ہوجائے گا جتنا کہ دوپہر سے پہلے ہوتا ہے تو اس وقت خدا تعالیٰ کے حکم سے پھر مغرب ہی کی طرف لوٹ آئے گا۔ اس کے بعد اپنی عادت کے مطابق اسی طرح نکلتا رہے گا۔ ابھی تھوڑے ہی دن گزریں گے کہ کوہِ صفا جو مکّہ معظّمہ میں ہے، زلزلہ آکر پھٹ جائے گا۔ اور اس جگہ سے ایک جانور عجیب وغریب شکل کا نکل کر لوگوں سے باتیں کرے گا۔ اور بڑی تیز رفتاری سے پوری زمین پر پھر جائے گا اور ایمان والوں کی پیشانی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سے نورانی لکیر کھینچ دے گا جس سے چہرہ روشن ہوجائے گا اور بے ایمان لوگوں کی ناک یا گردن پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی

سے سیاہ مہر لگا دے گا جس سے چہرہ میلا ہو جائے گا۔ پھر یہ کام کر کے غائب ہو جائے گا۔ اس کے بعد جنوب کی طرف سے ایک ہوا نہایت فرحت بخش چلے گی جس سے سب ایمان داروں کی بغل سے کچھ نکل آئے گا جس سے وہ مر جائیں گے۔

اس کے بعد کافر حبشیوں کا ساری دنیا میں دخل ہو جائے گا اور وہ لوگ خانۂ کعبہ کو شہید کر دیں گے۔ حج بند ہو جائے گا۔ قرآن شریف دلوں اور کاغذوں سے نکل جائے گا۔ خدا تعالیٰ کا خوف، مخلوق کی شرم دلوں سے نکل جائے گی۔ کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا۔ اس وقت ملکِ شام میں بہت ارزانی ہوگی، لوگ سواریوں پر اور پیدل ادھر پہنچ جائیں گے اور جو رہ بھی جائیں گے ان کے لیے ایک آگ پیدا ہوگی وہ سب کو ہانکتی ہوئی شام میں پہنچا دے گی۔ یہ اس لیے کہ قیامت کے روز سب مخلوق اسی ملک میں جمع ہوگی۔ پھر وہ آگ غائب ہو جائے گی۔ اس وقت دنیا کو بہت ترقی ہوگی۔ تین چار سال اسی حال میں گزریں گے کہ دفعتاً جمعہ کے دن محرم کے مہینے میں دسویں تاریخ کو صبح کے وقت سب لوگ اپنے اپنے کام پر ہوں گے کہ صور پھونک دیا جائے گا، جس کی آواز سے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ پہاڑ، زمین، آسمان سب پھٹ جائیں گے۔ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ جب آفتاب مغرب کی جانب سے نکلا تھا اس وقت سے صور پھونکنے تک ایک سو بیس برس کا زمانہ ہوگا۔ اس کے بعد قیامت کا دن شروع ہو جائے گا۔

آخرت کا بیان

آخرت کی تعریف:

سوال: آخرت کسے کہتے ہیں؟

جواب: اس عالَم کے علاوہ ایک اور عالَم ہے، جس کے متعلق ہم نے بیان کیا ہے کہ جہاں مرنے کے بعد قبروں سے اُٹھا کر حساب و کتاب ہوگا، اعمال تولے جائیں گے، ہر نیک و بد سے سوال ہوگا۔ نیکوں کے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں اور بدوں کے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔

پھر ایک پل جس کو پلِ صراط کہا جاتا ہے، جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا، دوزخ کے اوپر رکھا جائے گا۔ اس پر سے سب کو گزرنے کا حکم ہوگا۔ جو نیک لوگ ہوں گے وہ اس پر سے گزر کر جنّت میں داخل ہو جائیں گے۔

جنّت کی تعریف

سوال: جنّت کیا چیز ہے؟

جواب: جنّت ایک ایسے محل کا نام ہے کہ جس میں اوپر نیچے سو درجے ہیں۔ ایک درجے سے دوسرے درجے تک اتنا فاصلہ ہے کہ جتنا زمین و آسمان کے درمیان ہے، یعنی پانچ سو برس کی مسافت کا۔ اس کی عمارت میں ایک اینٹ چاندی کی ہے اور ایک اینٹ سونے کی اور گارا مشک کا ہے اور جنّت کی کنکریاں موتی اور یاقوت کی ہیں اور مٹی زعفران کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جنّت میں دو باغ ایسے ہیں کہ جن کے برتن اور سب سامان سونے کا ہے۔

جنّت کے سو درجوں میں سب سے بڑا درجہ فردوس کا ہے کہ اسی سے جنّت کی چار نہریں نکلتی ہیں، اور وہ دودھ، شراب، شہد اور پانی کی نہریں ہیں۔ اسی جنّت الفردوس کے اوپر عرش ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! جنّت الفردوس کو خدا تعالیٰ سے مانگو۔ جنّت کے درختوں کا تنا سونے کا ہوگا، اور جنتیوں کا چہرہ بغیر ڈاڑھی و مونچھ کے ہوگا، اور تیز روشنی والے تارے اور چودھویں رات کے چاند کی طرح چہرہ چمکتا ہوگا، اور خدمت کے لیے حور و غلمان دیے جائیں گے۔ حوریں اس قدر خوب صورت ہوں گی کہ اگر دنیا میں ان کے دوپٹے کا کنارہ ذرا بھی ظاہر ہو جائے تو سورج بھی ماند پڑ جائے۔ قسم قسم کے میوے ہوں گے۔ وہاں نہ پیشاب کی ضرورت ہوگی نہ پاخانہ کی بلکہ ایک ڈکار آئے گی جس میں مشک کی خوش بو ہوگی۔ کہاں تک جنّت کی خوبیاں بیان کی جائیں۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنّت میں ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں، نہ کسی کے دل میں کبھی ان کا خیال گزرا۔ سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا، جس میں ایسا مزہ آئے گا کہ کسی چیز میں نہ آئے گا۔

حوضِ کوثر کی تعریف

سوال: حوضِ کوثر کسے کہتے ہیں؟

جواب: حوضِ کوثر ایک حوض ہے جس کی لمبائی چوڑائی ایک مہینے کی راہ کے برابر ہے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوش بودار ہے، اس کے اندر ستاروں سے زیادہ چمک دار آبخورے ہیں۔ جو شخص ایک دفعہ اس کا پانی پی لے گا اس کو پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔ یہ حوضِ کوثر خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن عطا ہوگا۔ آپ اپنی اُمت کو اس کا پانی عطا فرمائیں گے۔

دوزخ کی تعریف

سوال: دوزخ کیا چیز ہے؟

جواب: دوزخ ایک ایسی جگہ کا نام ہے کہ جہاں آگ ہی آگ ہے جو دنیا کی آگ سے ستّر حصہ زیادہ تیز ہے۔ اور وہ اس قدر زیادہ گہری ہے کہ اگر ایک بھاری پتھر اس کے اوپر سے چھوڑا جائے تو ستّر برس میں بھی تہہ تک نہ پہنچے۔ اس کی آگ کو تین ہزار برس تک دھونکا گیا، بالکل سیاہ رنگ کی ہے۔ اس میں اس قدر جوش ہوگا کہ ستّر ہزار فرشتے آگ کو جکڑے ہوئے ہوں گے۔ اس کے اندر اونٹ کے برابر سانپ اور کاٹھی کے برابر بچھو ہوں گے، ایک دفعہ کاٹ لیں تو چالیس برس تک زہر چڑھا رہے۔ کھانے کو پیپ، خون، تھوہر کا کانٹوں دار درخت ملے گا۔ جب گلے میں تھوہر کا درخت پھنس جائے گا تو پینے کو ایسا کھولتا ہوا پانی ملے گا کہ ہونٹوں کو جلا کر اس قدر سُجا دے گا کہ اس کی سوجن سے سینے تک ڈھک جائے گا اور جو بوند پیٹ میں اس پانی کی پہنچ جائے گی

وہ تمام آنتوں کو کاٹ ڈالے گی۔ غرضے کہ تکلیف ہی تکلیف ہے۔ ایسی تکلیف کسی چیز میں نہیں۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو دوزخ سے محفوظ رکھیں۔

جزاوسزا کا بیان

قبر کا عذاب:

سوال: انسان مردہ ہونے کے بعد سے لے کر قیامت تک کس حال میں رہتا ہے؟

جواب: مرنے کے بعد مُردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں: ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نام نکیر ہے۔ یہ فرشتے مردے سے آکر تین سوال کرتے ہیں:

۱۔ تیرا ربّ کون ہے؟ ۲۔ تیرا دین کیا ہے؟ ۳۔ تیرا رسول کون ہے؟

اگر اس نے ٹھیک ٹھیک جواب دیا تو وہ فرشتے اس کو ہر طرح کا آرام پہنچاتے ہیں، جنّت کی طرف سے کھڑکی کھول دیتے ہیں جس سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی رہتی ہیں اور وہ مزے میں پڑ کر سورہتا ہے۔ اور اگر وہ مردہ ٹھیک ٹھیک جواب نہ دے سکے اور ایمان دار نہ ہو تو اس پر بڑی سختی اور عذاب قیامت تک ہوتا رہتا ہے اور قبر اس کے لیے تنگ ہو جاتی ہے اور دوزخ کی طرف کی کھڑکیاں کھول دی جاتی ہیں جس سے اس کو تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔

سوال: مردہ تو بے جان ہوتا ہے اس سے یہ سوال و جواب اور اس کو آرام و راحت اور تکلیف کا احساس کیسے ہوتا ہے؟

جواب: مردہ بظاہر بے جان معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ جاندار ہوتا ہے۔ جو روح موت کے وقت نکالی جاتی ہے وہی روح دوبارہ سوال و جواب کے وقت لوٹا دی جاتی ہے پھر وہ جاندار ہو کر جواب دیتا ہے۔

سوال: ہم دیکھتے ہیں کہ مردہ قبر کے اندر چند دنوں میں ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے نشان تک باقی نہیں رہتا، پھر اس کو وہاں آرام و تکلیف کیا معلوم ہو گی؟

جواب: اس دنیا اور آخرت کے درمیان ایک اور عالَم بھی ہے جہاں پر اس دنیا کی سب چیزوں

کے اجسام موجود ہیں اس عالَم کو عالمِ مثال اور برزخ بھی کہتے ہیں، فرشتے جس وقت روح نکال کر لے جاتے ہیں تو پھر اسی جسم میں وہی روح ڈال دیتے ہیں اور اسی جسم سے سوالات کرتے ہیں، اور اس جسم کو قبر میں موجود ہونے تک تکلیف و آرام پہنچتا رہتا ہے۔ اور اگر مردے کو دفن نہ کیا جائے بلکہ جلا دیا جائے یا کوئی درندہ اور کوئی بھیڑیا اسے کھا جائے تو پھر سوال و جواب اس عالَمِ مثال کے جسم سے کیا جاتا ہے اور اسی کو تکلیف و آرام پہنچتا ہے۔ اسی طرح جب مردہ قبر میں ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے تو پھر اسی عالمِ مثال میں روح کو تکلیف[1] و آرام ملتا ہے اور قیامت تک اسی کو راحت و تکلیف ہوتی رہے گی۔ پھر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس دنیاوی جسم کو حسبِ سابق شکل عطا فرما دیں گے اور پھر ہمیشہ کے لیے یہی جسم جنّت میں یا دوزخ میں رہے گا۔

دفن میں کیا حکمت ہے؟

سوال: مردے کو کیوں دفن کیا جاتا ہے؟ ہندوؤں کی طرح جلایا کیوں نہیں جاتا؟

جواب: انسان کی اصل مٹی ہے، کیوں کہ مٹی ہی سے انسان پیدا ہوا تو مٹی انسان کی ماں ہوئی اور انسان دو چیزوں سے مرکب ہے: ایک جسم اور دوسرے روح سے، اور روح ہی سے انسان بڑھتا اور پرورش پاتا ہے تو گویا روح انسان کے لیے مربّی اور پرورش کرنے والی ہے اور جس طرح کہ باپ بچے کی تربیت کرتا ہے اسی طرح روح بھی انسان کی پرورش کرتی ہے تو روح مثل باپ کے اور مٹی مثل ماں کے ہوئی اور قاعدہ ہے کہ جب باپ سفر کرتا ہے تو بچے کو ماں کے سپرد کر کے جاتا ہے نہ کہ باورچن کے۔ یعنی آگ کے جو کہ انسان کے لیے مثل باورچن کے ہے کہ آگ کا کام تو پکانے کا ہے نہ کہ پرورش کا۔

لہٰذا جب روح نے سفر کیا تو جسم کو اس کی ماں یعنی مٹی کے سپرد کیا نہ کہ باورچن

[1] اس کے ساتھ روح کا تعلّق جسم یا اس کے ذرات سے بھی رہتا ہے اور اس کی وجہ سے جسم یا ذرات کو بھی تکلیف و آرام پہنچتا ہے۔ (سیّد عبدالشکور ترمذی)

(آگ) کے۔ پس یہ وجہ ہے دفن کرنے کی۔ اور جلانا تو سخت بے رحمی کی بات ہے، کیوں کہ اس میں تو اپنے ہاتھوں اپنے بھائی کو ایذا پہنچائی جاتی ہے۔ نیز جلانا بے حیائی کی بات ہے کہ جس چیز کو وہ زندگی میں چھپاتا تھا اب جس وقت وہ جلایا جائے گا تو پہلے کفن جل جائے گا اور مردہ ننگا رہ جائے گا جس پر سب کی نظریں پڑیں گی۔ اور اگر عورت ہوئی تو کس قدر بے عزتی ہوگی۔ حیادار قوم تو اس کو کبھی بھی پسند نہیں کرسکتی کہ اپنے ماں باپ، بھائی بہن اور دیگر اعزہ کی چیزوں کو مرنے کے بعد دیکھے۔

تو ان وجوہات کی بنا پر جلانا سخت عیب اور بے حیائی کی بات ہے۔ لہٰذا عقلاً بھی دفن کرنا ضروری ہوا۔

سوال: آپ نے کہا کہ جلانے سے تکلیف ہوگی تو جب اس میں روح ہی نہیں ہے تو تکلیف کس طرح ہوگی؟

جواب: جب کوئی شخص ایک عرصے تک کسی سے متعلق رہتا ہے تو اس کو تکلیف اور آرام میں دیکھ کر رنج اور خوشی ہوتی ہے۔ چناں چہ ایک دوست کو تکلیف میں دیکھ کر رنج اور آرام میں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ اگر کسی کا کپڑا لے کر جلا دیا جائے تو اس کے مالک کو تکلیف ہوتی ہے، حالاں کہ وہ کپڑا اس کے جسم سے علیحدہ ہوتا ہے جسم پر نہیں، مگر چوں کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ایک عرصے تک تعلّق رہ چکا ہے اس لیے اس کے جلنے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح چوں کہ روح ایک عرصے تک جسم میں رہی ہے تو جسم کو روح سے تعلّق ہے اور عالَم ارواح میں وہ روح موجود ہے تو جس وقت جسم کو جلایا جائے گا تو روح کو تکلیف ہوگی اور یہ تکلیف اس کو ہم نے دی، تو یہ کس قدر ظلم کی بات ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جلانے سے روح کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔

سوال: وہ ٹھیک جوابات کیا ہیں جن سے مردہ ہمیشہ ہمیشہ آرام میں رہے گا؟

جواب: سنیے اور یاد رکھنے کی کوشش کیجیے:

پہلا سوال تو یہ کرتے ہیں کہ تیرا ربّ کون ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے۔ اور دوسرا سوال یہ کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ یعنی تو نے زندگی کس مذہب پر

گزاری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ اور پھر تیسرا سوال یہ کرتے ہیں کہ تیرا رسول اور پیغمبر کون ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ میرا رسول اور پیغمبر حضرت محمد ﷺ ہیں۔

پس اس طرح کے جوابات دینے سے عذابِ قبر دائمی سے نجات حاصل ہوجاتی ہے۔ اور اگر خدانا خواستہ وہ جواب سے عاجز ہوگیا اور ہر سوال کے جواب میں لا أدري (میں نہیں جانتا) کہا تو پھر اس کے لیے عذابِ دائمی ہے۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا رہے گا، کیوں کہ یہ بات سوائے کافر کے اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔ اور جس کا ایمان پر خاتمہ ہوا ہے وہ ان شاء اللہ ٹھیک ٹھیک جوابات دے گا۔

دوبارہ زندہ ہونے کی کیفیت

سوال: انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیسے ہوگا؟

جواب: مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا نام قیامت ہے۔ محرم کی دسویں تاریخ جمعہ کا دن صبح کے وقت لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے کہ اچانک صور پھونک دیا جائے گا اور اس کی آواز ایسی ہیبت ناک ہوگی کہ سب مرجائیں گے۔ اور زمین و آسمان پھٹ جائیں گے۔ دنیا فنا ہوجائے گی۔ تقریباً چالیس سال اسی سنسانی کی حالت میں گزر جائیں گے۔

پھر جب حق تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ تمام دنیا پھر بیدار ہوجائے تو دوسری بار صور پھونکا جائے گا۔ اس سے پھر سارا عالم بیدار ہوجائے گا۔ مُردے زندہ ہوجائیں گے اور قیامت کے میدان (ملکِ شام) میں سب جمع ہوں گے اور اس دوبارہ صور پھونکنے کے بعد لوگ اس طرح زندہ ہوں گے کہ جیسے بارش ہوتے ہی مینڈک ندی نالوں میں اور کیچوے زمین پر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں کہ وہ ذرات جو مٹی میں ملے ہوئے تھے صور پھونکتے ہی پہلے کی طرح جسم ہو ہو کر بھاگنے لگیں گے۔

دوبارہ زندہ ہونے کے بعد کی کیفیت

سوال: پھر دوبارہ زندہ ہونے کے بعد کیا ہوگا؟

جواب: دوبارہ زندہ ہونے کے بعد یہ ہوگا کہ سب لوگ میدانِ قیامت میں جمع ہوں گے، آفتاب بہت نزدیک ہوجائے گا جس کی گرمی سے لوگوں کے دماغ پکنے لگیں گے۔ اور جس کے جس قدر زیادہ گناہ ہوں گے اسی قدر زیادہ پسینہ آئے گا، بھوک و پیاس کی شدت سے پریشان ہوجائے گا۔ اور جن نیک لوگوں نے دنیا میں ناجائز لذت کی چیزوں سے اجتناب کیا ہوگا ان کے لیے حق تعالیٰ زمین کی مٹی کو میدہ بنا کر لذیذ روٹی تیار کرائیں گے اور نیک بندوں کو کھلائی جائے گی۔ اس روٹی کے اندر دنیا کی تمام قسم کی لذات موجود ہوں گی۔ اس روٹی کے کھانے کے بعد ان کی بھوک دور ہوجائے گی۔ اور حوضِ کوثر کا پانی پی کر اپنی پیاس بجھائیں گے۔

حساب و کتاب کے انتظار میں جب کافی مدت گزر جائے گی تو لوگ پریشان ہوجائیں گے اور گھبرا کر سب پیغمبروں کے پاس سفارش کے لیے حاضر ہوں گے اور تمام انبیا علیہم السلام سفارش سے معذوری ظاہر فرمادیں گے۔

پھر آخر میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفارش کے لیے حاضر ہوں گے۔ آپ سفارش فرمائیں گے۔ آپ کی سفارش کے بعد حق تعالیٰ کا عرش زمین پر اترے گا۔ اس پر حق تعالیٰ کی تجلّی ہوگی۔ پھر حساب و کتاب شروع ہوجائے گا۔ اور اعمال نامے وزن کیے جائیں گے۔

بعض بندے بے حساب جنّت میں جائیں گے۔ نیکوں کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں اور بدوں کا بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ پھر جہنّم پر ایک پلِ صراط رکھی جائے گی اس پر چلنے کا حکم ہوگا۔ جو نیک ہوں گے وہ اس سے پار ہوکر بہشت میں پہنچ جائیں گے۔ اور جو بد ہوں گے وہ اس پر سے دوزخ میں گر پڑیں گے اور جس کی نیکی اور بدی دونوں برابر ہوں گی اس کو جنّت اور دوزخ کے درمیان ایک مقام پر جس کا نام اعراف ہے، رکھا جائے گا۔

سوال: اور جو گناہ گار مسلمان دوزخ میں جائیں گے کیا پھر وہ دوزخ سے نکلیں گے؟

جواب: جی ہاں! ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام، علما، اولیا، شہدا، حفاظ اور دوسرے نیک لوگ ان گناہ گاروں کی بخشش کی سفارش حق تعالیٰ سے کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول فرمائیں گے اور جس جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو بھی دوزخ سے نکال کر جنّت میں داخل کردیں گے۔

سوال: کیا کافر اور مشرک کی بخشش نہ ہوگی؟ قرآنِ پاک کی اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سوائے مشرک کے اور سب کی بخشش ہو جائے گی۔

وہ آیت یہ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾[1]

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔ اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کے لیے منظور ہوگا اس کے گناہ بخش دیں گے۔

تو اس میں کفار کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے۔

جواب: جیسے مشرک کی بخشش نہ ہوگی ایسے ہی کافر کی بھی نہ ہوگی۔ چناں چہ ایک جگہ کافروں کے لیے ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ﴾[2]

بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں اہلِ کتاب سے اور مشرکین وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنّم میں رہیں گے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ﴾[3]

وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے منافق مرد اور منافق عورتوں اور کفار کے لیے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رکھنے کا۔

اور تیسری جگہ ارشاد ہے:

---

[1] النساء: ٤٨ [2] البينة: ٦ [3] التوبة: ٦٨

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ [1]	بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے (دوسروں کو) روکا پھر وہ کفر ہی کی حالت میں مر گئے تو اللہ تعالیٰ ان کافروں کو ہرگز نہ بخشیں گے۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ جیسے مشرکین کی بخشش نہ ہوگی ایسے ہی کافروں کی بھی بخشش نہ ہوگی۔ حالاں کہ مشرک تو خدا تعالیٰ کو مانتا ہے مگر اس کے ساتھ دوسروں کو بھی ذات و صفات میں شریک ٹھہراتا ہے۔ اور جو خدا تعالیٰ کو سرے سے تسلیم ہی نہ کرے اور اس کی ذات و صفات کا انکار کرے اس کی بخشش تو بطریقِ اولیٰ نہ ہونی چاہیے۔

سوال: کیا جنتی جنّت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کبھی خروج نہ ہوگا؟

جواب: جی ہاں! جب تمام لوگوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔ تو جنتی جنّت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کو کبھی موت نہ آئے گی، کیوں کہ موت کو اللہ تعالیٰ مینڈھے کی شکل میں لا کر دوزخیوں اور جنتیوں کے سامنے ذبح کرا دیں گے اور فرمایا جائے گا کہ اب نہ دوزخیوں کو موت ہے اور نہ جنتیوں کو۔

سوال: اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ لوگ اپنی اپنی جگہ پر ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے؟

جواب: قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ [2]	تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے پس ان کے لیے نعمت کے باغ ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ [3]	اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور عورتوں سے وعدہ کر رکھا ہے ایسے باغوں کا جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

[1] محمد: ٣٤　[2] لقمان: ٨، ٩　[3] التوبة: ٧٢

اور کفار کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَھُمۡ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡھِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ۝ خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنۡھُمُ الۡعَذَابُ وَلَا ھُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ ۝﴾[1]

البتہ جو لوگ اسلام نہ لاویں اور اسی حالتِ غیر اسلام میں مرجائیں ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی لعنت برسا کرے گی (اور) وہ ہمیشہ ہمیشہ کو اسی میں رہیں گے۔ ان سے عذاب (کبھی) ہلکا نہ ہونے پائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے

﴿وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَا ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ۝﴾[2]

اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا یہ لوگ دوزخی ہیں، اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

سوال: کافر اور مشرک میں کیا فرق ہے؟

جواب: کافر اسے کہتے ہیں جو خدا تعالیٰ کو، پیغمبروں، آسمانی کتابوں، قرآن شریف، فرشتوں، جنّت دوزخ، حساب و کتاب اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کو نہ مانے۔

اور مشرک اسے کہتے ہیں جو کہ خدا کی ذات اور اس کی صفات میں دوسرے کو شریک کرے، دوسرے کو پوجے، جیسے: ہندو بتوں کو پوجتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں۔ سورج، پیپل، آگ کی پرستش کرتے ہیں۔

سوال: آپ کے جواب سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں وہ مشرک ہیں، تو گویا جو بعضے مسلمان مرد اور عورتیں، بزرگوں اور شہیدوں کے مزاروں کو سجدہ کرتے ہیں یہ بھی شرک ہے؟

جواب: اگر تعظیم اور عبادت کے خیال سے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا جاتا ہے ایسے ہی ان کے مزاروں کو بھی سجدہ کرتے ہیں تو وہ بھی مشرک ہیں۔ مگر یہ یاد رہے کہ کسی کو محض کرتے ہوئے دیکھ کر مشرک کا حکم نہ لگایا جائے جب تک کہ اس کا اس ارادے سے

---

[1] البقرة: ۱۶۱، ۱۶۲ [2] التغابن: ۱۰

سجدہ کرنا معلوم نہ ہو، یا اس کی نیت کا حال معلوم نہ ہو۔

اسی طرح اگر یہ پھول، مٹھائی وغیرہ اس لیے چڑھاتے ہیں کہ یہ بزرگ ہم سے خوش ہوں گے اور خوش ہو کر ہمارا کام بنا دیں گے۔ تو یہ بھی خلافِ شریعت اور شرک ہے۔

اور اگر بطورِ تحفہ اور سلام ایسا کرتے ہیں تو وہ شرک نہیں، مگر بدعت ضرور ہے۔ ہر مسلمان کو توبہ کرنا ضروری ہے کہ کسی بزرگ کے مزار پر سجدہ نہ کریں اور نہ چراغ جلائیں، اور نہ پھول چڑھائیں، کیوں کہ یہ بھی ہندوؤں کا فعل ہے کہ وہ اپنے بتوں کو سجدہ کرتے ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ دیکھنے میں دونوں کام ایک ہیں مگر دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اور سجدے کے بارے میں تو حضور ﷺ کا صاف ارشاد ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، کسی کو سجدہ نہ کرو۔ اگر غیر اللہ کے لیے سجدہ جائز ہوتا تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے"۔

تقدیر

تقدیر کی حقیقت:

سوال: تقدیر کسے کہتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے مخلوق کے تمام اچھے اور برے کام بندوں کے پیدا ہونے سے پہلے ایک جگہ لکھ دیے ہیں، اس کو تقدیر کہتے ہیں۔ اس لکھے ہوئے کے موافق بندوں سے جو کام ہوتا ہے وہ تقدیر کے موافق ہوتا ہے، اس کے خلاف نہیں ہوتا۔

سوال: کیا تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہے تو مہربانی کر کے اس کو شریعت سے ثابت کیجیے؟

جواب: جی ہاں! تقدیر پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ نماز، روزہ، حج وغیرہ چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ مؤمن اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ تقدیر پر ایمان نہ لائے۔ چناں چہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ تقدیر پر ایمان نہ لائے۔ اس کی بھلائی

پر بھی اس کی برائی پر بھی، یہاں تک کہ یقین کر لے کہ جو بات واقع ہونے والی تھی وہ اس سے ہٹنے والی نہ تھی، اور جو بات اس سے ہٹنے والی تھی وہ اس پر واقع ہونے والی نہ تھی۔

غرض خدا تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔ رزق، عزت، دولت، راحت و مصیبت، موت و حیات سب اس تقدیر کے مطابق ہیں۔ اس میں کمی بیشی ممکن نہیں۔

سوال: جب سب کام اور بندے کے افعال تقدیر کے مطابق ہوتے ہیں اور اُس کا نجام بھی تقدیر کے مطابق ہونا ہے تو پھر تو ہم مجبور ہوئے اور ہمارا عمل کرنا بے کار ہوا؟

جواب: عزیز من! تقدیر علمِ الٰہی کا نام ہے ہمیں اس کا کچھ علم نہیں۔ غیب سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے فلاں کام تقدیر کا علم ہونے کے بعد کیا تھا۔

ایک انجینئر کوئی چیز ایجاد کرتا ہے تو اپنے علم کے مطابق (جو کہ خدا تعالیٰ کے علم کے آگے کچھ حیثیت ہی نہیں رکھتا) اُس ایجاد کے خواص مثلاً: کارکردگی، یا اُس کے استعمال کا کارآمد زمانہ، وغیرہ بیان کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو اپنے علمِ کامل سے اُس کے اچھے برے کام اور رزق، عزت، دولت، موت، حیات، ایک جگہ لکھ دیے۔ اس کو تقدیر کہتے ہیں۔

تقدیر معلّق بھی ہوتی ہے کہ انسان فلاں وقت اگر چل کر مسجد کی طرف جا کر نماز پڑھے گا تو ثواب لکھا جائے گا اور اگر کسی برائی کی طرف چل کر جائے گا تو گناہ لکھا جائے گا۔

تقدیر کی وجہ سے انسان کا اپنے آپ کو بے بس سمجھنا بالکل غلط ہے۔ قرآنِ پاک میں جو جا بجا نیک کام کرنے کے احکام اور گناہوں سے بچنے کی تاکید آئی ہے۔ اگر انسان بے بس ہے تو یہ احکام نعوذ باللہ! فضول ہوئے۔ کلام اللہ میں ایسا بے جا کلام ہونا محال ہے۔

انسان اپنے اختیار اور ارادے سے جو کام کرے گا اُس کا ہی حساب دے گا۔ اگر ذرہ برابر نیکی کرے گا تو اُس کو دیکھ لے گا اور اگر ذرّہ برابر برائی کرے گا تو اُس کو دیکھ لے گا۔

سوال: اگر اللہ تعالیٰ ہی خیر وشر پیدا کرنے والا ہے تو انسان اگر برے کام کرے تو اُس کا کیا قصور ہے؟

جواب: جب اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں انبیا بھیجے کہ انسان کو اُس کے نفع نقصان کی باتیں سمجھا دیں۔ انھوں نے مختلف طریقوں سے کبھی معجزات دکھا کر، کبھی پہلی قوموں پر جو عذاب آئے اُن سے ڈرا کر، کبھی عقلی دلائل دے کر برس ہا برس محنت کر کے سمجھانے کی کوشش کی۔ یہ نہیں کہ ایک دن سمجھایا اور دوسرے دن عذاب آ گیا۔ (حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو برس تبلیغ کی) پھر بھی کفار نے کہا کہ لے آؤ عذاب اگر تم سچے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم نے خود شر مانگی تو چوں کہ ہر چیز کا خالق میں ہوں، تو میں نے شر بھیج دی۔

اور ارشاد ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا مگر وہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

تقدیر کے فوائد

سوال: تقدیر کے ماننے میں کیا کیا فائدے ہیں؟

جواب: یوں تو بہت سے فائدے ہیں جن کے بیان کے لیے یہ مختصر کتاب کافی نہیں۔ مگر کچھ فوائد شمار کراتے ہیں:

۱۔ کیسی ہی مصیبت یا پریشانی کا واقعہ ہو اس سے دل مضبوط ہوتا رہے گا۔ یہ سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا، اس کے خلاف ہو نہیں سکتا تھا، اور وہ جب چاہے گا اس کو رفع کر دے گا۔

۲۔ جب یہ سمجھ گیا تو اگر اس مصیبت کے دور ہونے میں دیر لگے گی تو پریشان اور مایوس اور دل کمزور نہ ہوگا۔

۳۔ جب یہ سمجھ گیا تو کوئی تدبیر اس کے رفع کرنے کی ایسی نہ کرے گا جس سے خدا تعالیٰ ناراض ہو۔ یوں سمجھے گا کہ مصیبت تو بدون اللہ تعالیٰ کے چاہے ہوئے رفع نہیں ہوگی پھر

خدا تعالیٰ کو ناراض کیوں کروں۔

۴۔ نیز اس سمجھنے کے بعد سب تدبیروں کے ساتھ یہ شخص دُعا میں بھی مشغول ہوگا، کیوں کہ یہ سمجھے گا کہ جب اسی کے چاہنے سے ہی یہ مصیبت ٹل سکتی ہے تو اس سے عرض کرنے میں نفع کی زیادہ اُمید ہے۔ پھر دُعا میں لگ جانے سے اللہ تعالیٰ سے بھی علاقہ بڑھ جائے گا جو تمام راحتوں کی جڑ ہے۔

۵۔ جب ہر کام میں یہ یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے کرنے سے ہوتا ہے تو کسی کامیابی میں اپنی کسی تدبیر یا سمجھ پر اس کو ناز اور فخر اور دعویٰ نہ ہوگا۔

حاصل ان سب فائدوں کا یہ ہوا کہ ایسا شخص کامیابی میں شکر کرے گا اور ناکامی میں صبر کرے گا۔

تعلیماتِ اسلام

جدید

(حصّہ دوم)

تالیف

مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمدّ مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ

مکتبۃ البشریٰ

شعبہ نشر و اشاعت

چودھری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبادات

جس طرح بعض بنیادی عقائد کو دوسرے عقائد کے لحاظ سے خاص اہمیّت حاصل ہے اسی طرح شریعت کے دوسرے شعبوں کے مقابلے میں عبادات کو خصوصی اہمیّت حاصل ہے، کیوں کہ خدا اور بندے کا تعلّق دوسری سب چیزوں کی بہ نسبت عبادات سے زیادہ ظاہر ہوتا ہے اور زندگی کے دوسرے شعبوں کی اصلاح اور درستی میں بھی عبادات کو خاص دخل ہے۔

سوال: عبادات سے کیا مراد ہے؟

جواب: عبادات سے مراد وہ خاص اعمال ہیں جو بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کے سامنے اپنی عاجزی اور بے چارگی ظاہر کرنے کے لیے کرتا ہے، جس سے اس کا مقصد رضا اور اس کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جیسے: نماز، روزہ، حج، زکاۃ، صدقات، ذکر، تلاوت، قربانی جیسے اعمال جو صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور اپنی روحانی ترقی کے لیے کیے جاتے ہیں۔

عبادات کی قسمیں

سوال: عبادات کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: عبادات کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ جس کا تعلّق اعضائے ظاہرہ سے ہے۔ جیسے: نماز، روزہ، تلاوتِ کلامِ پاک، ذکر، درود شریف اور دُعا۔ دوسرے وہ جس کا تعلّق مال سے ہے۔ جیسے: زکاۃ، فطرہ، قربانی، عُشَر، وقف، تعمیرِ مسجد، مدرسہ، خانقاہ، مسافر خانہ، کنواں، پل وغیرہ۔ تیسرے وہ کہ جس کا تعلّق جسم و مال دونوں سے ہے۔ جیسے: حج، جہاد۔ ان تینوں قسموں کا نام عبادات ہے۔ اس حصّے میں ان ہی تینوں قسموں کی عبادات کو بیان

کریں گے۔ اور چوں کہ عبادات میں پاکیزگی کو خاص اہمیّت حاصل ہے، اس لیے سب سے پہلے مسائلِ طہارت بیان کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد نماز و دیگر عبادات روزہ، زکاۃ، قربانی اور حج کو بیان کریں گے۔

طہارت

طہارت کا درجہ:

سوال: اسلام میں طہارت کا کیا درجہ ہے؟

جواب: طہارت کا دینِ اسلام میں بڑا مقام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۝﴾[1] بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں بہت توبہ کرنے والوں کو اور خوب پاک رہنے والوں کو۔

نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ. طہارت یعنی پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے۔

غرض طہارت کو دینِ اسلام میں بہت ہی زیادہ اہمیّت حاصل ہے۔ خصوصاً نماز تو بغیر طہارت حاصل کیے ادا ہی نہیں ہوتی، جیسا کہ ارشادِ نبوی بھی ہے کہ

لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ. یعنی کوئی نماز طہارت کے بغیر قبول نہیں کی جاتی۔

اس لیے نماز سے پہلے اس بات کا پورا پورا اطمینان حاصل کرلینا چاہیے کہ کپڑوں پر یا بدن پر کوئی نجاست نہ لگی ہو، اور اگر لگی ہو تو اسے پانی سے دھوکر خوب صاف کرکے پاک کرلیا جائے، تاکہ بدن ہر قسم کے میل کچیل، بدبو اور گندگی سے پاک ہو۔ پاس بیٹھنے والوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ اور ان کے دلوں میں نفرت و حقارت کے جذبات پیدا نہ ہوں، اور ساتھ ہی پاکی و صفائی کے اثرات جسم سے قلب تک پہنچیں اور انسان دلی طور پر انبساط و خوشی حاصل کرسکے۔ دنیاوی کاموں اور دینی کاموں اور دینی عبادات و اُمور کو پورے ذوق و شوق سے اور انہماک سے انجام دے سکے، کیوں کہ کوئی نماز بغیر طہارت کے قبول نہیں کی جاتی جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔

[1] البقرة: ٢٢٢

اس لیے جسم میں جتنی پاکیزگی ہوگی اتنا ہی طبیعت میں سرور ونشاط ہوگا۔ پھر اگر انسان عبادتِ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو شوق وانہماک خاص طور پر بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے نماز کے احکام ومسائل سے قبل شرائطِ نماز بیان کرتے ہیں۔

شرائطِ نماز

سوال: نماز پڑھنے سے پہلے کن کن چیزوں کی ضرورت ہے ان کو بیان کیجیے؟

جواب: نماز پڑھنے سے پہلے سات چیزوں کی ضرورت ہے جن کے بغیر نماز نہیں ہوتی، ان چیزوں کو شرائطِ نماز اور فرض کہتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

۱۔ بدن کا پاک ہونا۔

۲۔ کپڑوں کا پاک ہونا۔

۳۔ جگہ کا پاک ہونا۔

۴۔ نماز کا وقت ہونا۔

۵۔ نیت کرنا۔

۶۔ قبلہ کی طرف منہ کرنا۔

۷۔ ستر چھپانا۔

پاک کرنے کا طریقہ

سوال: کپڑے یا بدن پر ناپاکی لگ جائے تو اسے کس طرح پاک کیا جائے؟

جواب: کپڑے یا بدن پر اگر نجاست لگ جائے جیسے پاخانہ یا خون وغیرہ تو پہلے نجاست لگی ہوئی جگہ کو اس قدر دھوئیں کہ نجاست چھوٹ جائے اور دھبّا جاتا رہے، جب تک نجاست دور نہ ہوگی کپڑا ہو یا بدن پاک نہیں ہوگا۔ نجاست اگر پہلی بار دھونے سے دور ہوجائے تو اس کے بعد بھی دو مرتبہ دھولیں۔ اگر دو مرتبہ دھونے سے نجاست دور ہوجائے تو پھر بھی ایک مرتبہ اور دھولیں، غرض ہر حالت میں تین مرتبہ دھولینا بہتر ہے۔

کپڑے یا بدن پر لگی نجاست اگر گاڑھی نہیں بلکہ پتلی ہے جیسے پیشاب یا ناپاک پانی تو بس تین مرتبہ اچھی طرح دھولیں، اور اگر کپڑا ہو تو ہر مرتبہ دھونے کے بعد اسے نچوڑنا بھی ضروری ہے۔ لیکن اگر نل سے دھوئیں تو پھر نچوڑنا ضروری نہیں۔

یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھیے کہ نجاست گاڑھی ہو یا پتلی، نچوڑے بغیر دھونے سے کپڑا پاک نہیں ہوتا خواہ کتنی ہی بار پانی میں ڈبو ڈبو کر کیوں نہ نکالا جائے۔ ہاں! اگر ٹونٹی سے دھویا جائے تو نچوڑنے کی ضرورت نہیں بس نجاست چھوٹ جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا۔ البتہ اگر نجاست کسی ایسی چیز میں لگی ہے جس کو نچوڑا نہیں جاسکتا جیسے لحاف، توشک یا چٹائی وغیرہ تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دفعہ دھوکر ٹھہر جائیں جب پانی ٹپکنا بند ہو جائے تو پھر دھوئیں اور پھر پانی ٹپکنے کے لیے چھوڑ دیں، جب پانی ٹپکنا بند ہو جائے تب اسے پھر دھوئیں، اس طرح تین بار دھوئیں۔

نجاست کی قسمیں

سوال: نجاست کی کتنی قسمیں ہیں اور اُن کا کیا حکم ہے؟

جواب: نجاست کی دو قسمیں ہیں: ایک نجاستِ غلیظہ، دوسری نجاستِ خفیفہ۔ نجاستِ غلیظہ جیسے خون اور آدمی کا پیشاب، منی، شراب، کتے بلی کا پاخانہ پیشاب، چھوٹے دودھ پیتے بچے کا پیشاب۔

نجاستِ غلیظہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی چیز پتلی اور بہنے والی کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو اگر وہ پھیلاؤ میں ہاتھ کی ہتھیلی کے گھیراؤ کے برابر یا اس سے کم ہو تو معاف ہے۔ بغیر دھوئے اگر نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی، لیکن اس طرح نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ ہو تو معاف نہیں بغیر اس کے دھوئے نماز نہ ہوگی۔

اور اگر نجاستِ غلیظہ میں سے گاڑھی چیز لگ جائے جیسے پاخانہ اور مرغی وغیرہ کی بیٹ، تو اگر وزن میں ساڑھے چار ماشہ یا اس سے کم ہو تو بے دھوئے درست ہے اور اگر اس سے زیادہ ہو تو معاف نہیں۔

دوسری قسم نجاستِ خفیفہ ہے جیسے حرام پرندوں کی بیٹ اور جانوروں کا پیشاب، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی چیز کپڑے یا بدن میں لگ جائے تو جس حصے میں لگی ہے اگر اس کی چوتھائی سے کم ہو تو معاف ہے اور اگر پورا چوتھائی یا اس سے زیادہ ہو تو معاف نہیں۔ اگر کوئی جگہ گوبر سے لپی ہوئی ہو یا کوئی جگہ ناپاک ہو اور اس پر بھیگا ہوا کپڑا، ہاتھ یا پیر لگ جائے، یا وہ جگہ گیلی ہو اور اس ناپاک جگہ کی مٹی چھوٹ کر ہاتھ یا کپڑے پر لگ جائے تو کپڑا اور ہاتھ ناپاک ہو جائے گا۔ اور اگر صرف تری سی معلوم ہو اور مٹی نہ لگے تو ناپاک نہ ہوگا۔ اسی طرح کپڑا ناپاک بھیگا ہوا ہو اس پر دوسرا پاک کپڑا بچھا دیا، لپیٹ دیا تو اگر نجاست کا اثر، رنگ و بو، پاک کپڑے پر آ جائے یا اتنا تر ہو جائے کہ نچوڑنے سے دو ایک قطرے ٹپکیں یا ہاتھ تر ہو جائے تو وہ کپڑا اور ہاتھ ناپاک ہو جائے گا اور نماز نہ ہوگی۔

کسی عضو یا کسی جوڑ کے چوتھائی حصے پر نجاستِ خفیفہ لگ جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ مثلاً: آستین یا دامن یا کلی یا گریبان کے چوتھائی پر نجاستِ خفیفہ لگ جانے سے نماز نہ ہوگی یا ہاتھ و ران اور پشت و پیٹ وغیرہ کے اوپر نجاست لگ جائے۔

سوال: نجاستِ حکمیہ[1] کسے کہتے ہیں؟

جواب: جب جسم سے پاخانہ، پیشاب، خون بہنے والا، اور منہ بھر کرتے ہو تو اس وقت اس کو نجاستِ حکمیہ اور حدثِ اصغر کہتے ہیں۔ اور اگر منی خارج ہوئی ہو یا حیض نفاس جاری ہوا ہو تو اس کو نجاستِ حقیقیہ اور حدثِ اکبر کہتے ہیں۔

نماز سے پہلے اس بات کا پوری طرح اطمینان کر لینے کے علاوہ کہ کپڑے اور بدن پاک ہیں، یہ بات بھی بہت ضروری ہے کہ اگر پیشاب پاخانے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہو تو اس سے بھی نماز سے پہلے ہی فراغت حاصل کر کے خوب اچھی طرح استنجا کر لینا چاہیے۔

[1] اس کے مقابل نجاستِ حقیقیہ ہے جس کی مثال خود پیشاب، خون وغیرہ ہیں جو اگر کپڑے بدن پر لگ جائیں تو ان کو پاک کرنے کا طریقہ اوپر بیان ہوا ہے۔

استنجے کا بیان

سوال: استنجا کرنا سنت ہے یا واجب، اور کن کن چیزوں سے استنجا کرنا چاہیے اور کن کن چیزوں سے نہیں؟

جواب: پانی یا مٹی کے پاک ڈھیلے یا ٹشو پیپر سے استنجا کرنا سنت ہے، اگر پاخانہ یا پیشاب اپنے مقام سے بڑھ کر ادھر ادھر نہ لگا ہو تو پانی سے استنجا کرنا مستحب ہے۔ اور اگر نجاست ادھر ادھر لگ گئی ہو تو پانی سے استنجا کرنا سنت ہے بشرطے کہ پھیلاؤ میں ہاتھ کی ہتھیلی کے گھیراؤ سے زیادہ نہ ہو۔ اور اگر پھیلاؤ میں ہاتھ کی ہتھیلی کے گھیراؤ سے زیادہ ہو تو پانی سے استنجا کرنا واجب ہے۔

آج کل چوں کہ مثانے کمزور ہو چکے ہیں، پیشاب کرنے کے بعد قطروں کے آتے رہنے کا خطرہ رہتا ہے۔ اس لیے مٹی کے ڈھیلے، ٹشو پیپر کے استعمال یا کسی اور صورت سے قطرے کا خطرہ دور کرنا واجب ہے۔ لیکن ہڈی، لید، گوبر، کوئلے، قیمتی کپڑے اور کاغذ وغیرہ سے استنجا کرنا مکروہ ہے۔ بائیں ہاتھ سے استنجا کرنا سنت ہے۔ قبلے کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے استنجا کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔

سوال: وہ کون کون سے مقامات ہیں جہاں پر پیشاب و پاخانہ کرنا منع ہے؟

جواب: کنواں، نہر، حوض، چشمہ، سایہ دار درخت، پھل دار درخت کے نیچے، اور عام راستوں میں، مسجد و عیدگاہ کے ارد گرد، قبرستان اور جانوروں کے بل و سوراخ میں، اور وضو کی جگہ، اور غسل خانے میں پیشاب و پاخانہ نہ کرنا چاہیے۔ مکروہ ہے۔

سوال: ننگے سر اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنا کیسا ہے؟

جواب: ننگے سر استنجا ہو جاتا ہے مگر مکروہ ہے۔ اور جس انگوٹھی پر آیت یا اسمِ الٰہی لکھا ہوا سے پہنے ہوئے طہارت خانے میں جانا مکروہ ہے۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بلا عذر نہ چاہیے، البتہ اگر بیٹھنے میں دردِ کمر وغیرہ کی وجہ سے تکلیف ہو تو جائز ہے۔ جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمر درد کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا۔

تنبیہ: اگر کوئی شخص کسی کے کپڑے میں اتنی نجاست دیکھے کہ جس سے نماز نہیں ہوتی تو اگر غالب گمان یہ ہے کہ اس کو کہوں گا تو پانی سے دھو لے گا، نجاست دور کر لے گا تو بتانا واجب ہے ورنہ بتانا واجب نہیں۔

اسی طرح سے کسی کو نیک کام کہنا اس وقت واجب ہے جب کہ گمان غالب ہو کہ وہ شخص عمل کرے گا، ورنہ فرض و واجب نہیں۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ ضرر کا خوف نہ ہو، ورنہ اختیار ہے کہ چاہے کہے چاہے نہ کہے۔ اسی طرح گناہ کے کام سے منع کرنے میں بھی یہی تفصیل ہے کہ غالب گمان ہو کہ وہ شخص رُک جائے گا اور ضرر نہ پہنچائے گا اور یہ شخص اس سے بڑے گناہ میں خود مبتلا نہ ہو۔ اسی طرح جو شخص خود فاسق ہو مگر ظنِ غالب ہو کہ اس کے کہنے سے دوسرا آدمی اس کے کہنے پر عمل کرے گا اور گناہ کے کام سے بچے گا، تو اس فاسق پر بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے۔

وضو کا بیان

سوال: وضو کسے کہتے ہیں؟

جواب: وضو اسے کہتے ہیں کہ جب آدمی نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو پاک برتن میں پاک پانی لے کر یا پاک پانی کی ٹونٹی سے پہلے گٹوں تک ہاتھ دھوئے، پھر مسواک کرے، پھر تین بار کلی کرے، پھر تین بار ناک میں پانی ڈالے اور ناک صاف کرے، پھر تین بار منہ دھوئے، پھر کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھوئے، پھر سر اور کانوں کا مسح کرے، پھر دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے۔

فرائضِ وضو کا بیان

سوال: وضو میں کتنی چیزیں فرض ہیں؟

جواب: وضو میں چار فرض ہیں:

۱۔ پیشانی کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک منہ دھونا۔

۲۔ دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا۔

۳۔ ایک چوتھائی سر کا مسح کرنا۔

۴۔ دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا۔

نوٹ: چوں کہ وضو میں کوئی چیز واجب نہیں ہے، اس لیے فرائضِ وضو کے بعد سننِ وضو کو بیان کیا جاتا ہے۔

سننِ وضو

سوال: وضو میں کتنی سنتیں ہیں؟

جواب: وضو میں تیرہ سنتیں ہیں:

۱۔ نیت کرنا۔

۲۔ بسم اللہ پڑھنا۔

۳۔ پہلے تین تین بار دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا۔

۴۔ مسواک کرنا۔

۵۔ تین بار کلی کرنا۔

۶۔ تین بار ناک میں پانی ڈالنا۔

۷۔ ڈاڑھی کا خلال کرنا۔

۸۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا۔

۹۔ ہر عضو کو تین تین بار دھونا۔

۱۰۔ پورے سر کا مسح کرنا۔

۱۱۔ دونوں کانوں کا مسح کرنا۔

۱۲۔ ترتیب سے وضو کرنا۔

۱۳۔ پے در پے وضو کرنا کہ ایک عضو خشک نہ ہونے پائے کہ دوسرا دھولیا جائے۔

مستحباتِ وضو کا بیان

سوال: وضو میں کتنی چیزیں مستحب ہیں؟

جواب: وضو میں پانچ چیزیں مستحب ہیں:

۱۔ دائیں طرف سے شروع کرنا، بعض عُلما نے اسے سنتوں میں شمار کیا ہے اور یہی قوی ہے۔
۲۔ گردن کا مسح کرنا۔
۳۔ وضو کے کام خود کرنا، دوسرے سے مدد نہ لینا۔
۴۔ قبلے کی طرف منہ کر کے بیٹھنا۔
۵۔ پاک اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنا۔

آدابِ وضو کا بیان

سوال: وضو کے کتنے آداب ہیں؟

جواب: وضو کے بارہ آداب ہیں:

۱۔ کانوں کا مسح کرنا۔
۲۔ شہادت کی انگلیوں کا سرا بھگو کر کانوں کے اندرونی حصّے میں ڈالنا۔
۳۔ نماز کے وقت سے پہلے وضو کرنا۔
۴۔ اعضا کو دھوتے وقت ہاتھ سے مَلنا۔
۵۔ انگوٹھی یا چھلے کو ہلانا، اگر بغیر ہلانے کے نیچے پانی نہ پہنچے تو ہلانا واجب ہے۔
۶۔ دنیا کی باتیں نہ کرنا۔
۷۔ زور سے پانی منہ پر نہ مارنا۔
۸۔ زیادہ پانی نہ بہانا۔
۹۔ ہر عضو کو دھوتے وقت بسم اللہ پڑھنا۔
۱۰۔ وضو کے بعد درود شریف پڑھنا۔
۱۱۔ وضو کے بعد کلمہ شہادت اور یہ دُعا پڑھنا: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (ترجمہ) اے اللہ! تو مجھے زیادہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی حاصل کرنے والوں میں بنادے۔
۱۲۔ وضو کے بعد دو رکعت نماز تحیۃ الوضو پڑھنا۔

وضو کے مواقع

سوال: وضو کتنی جگہ مستحب ہے؟

جواب: تقریباً اٹھائیس مقامات میں مستحب ہے:

۱۔ جھوٹ کے بعد۔

۲۔ غیبت کے بعد۔

۳۔ قہقہہ کے بعد۔

۴۔ شعر خوانی جو حکمت و نعت سے خالی ہو، کے بعد۔

۵۔ اونٹ کا گوشت کھا کر۔

۶۔ گناہِ صغیر و کبیرہ کے بعد۔

۷۔ وہ صورتیں جن میں وضو ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، مثلاً: پیشاب گاہ کو چھونے اور عورت کو چھونے میں امام شافعی کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا وضو کرلیا جائے تا کہ بالاتفاق نماز ادا ہو۔

۸۔ باوضو رہنا۔

۹۔ وضو پر جب کہ درمیان میں کم از کم دو رکعات نماز پڑھ چکا ہو، وضو کرنا۔

۱۰۔ سونے کے بعد۔

۱۱۔ میّت کے غسل دینے کے بعد۔

۱۲۔ میّت کو اُٹھانے سے قبل۔

۱۳۔ غسلِ جنابت سے قبل۔

۱۴۔ کھانے پینے سے قبل۔

۱۵۔ سونے سے قبل۔

۱۶۔ جماع کے وقت۔

۱۷۔ غصے کے وقت۔

۱۸۔ قرآنِ پاک کی تلاوت کے وقت۔
۱۹۔ حدیث پڑھنے کے وقت۔
۲۰۔ علم کے درس کے وقت۔
۲۱۔ اذان۔
۲۲۔ اقامت۔
۲۳۔ نکاح کے خطبے کے وقت۔
۲۴۔ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ مبارک کی زیارت کے وقت۔
۲۵۔ وقوفِ عرفہ کے وقت۔
۲۶۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کے وقت۔
۲۷۔ تفسیر، حدیث، فقہ کی کتابوں کو چھونے کے وقت۔
۲۸۔ ذکر کرتے وقت۔

فضائلِ مسواک

سوال: ذرا مسواک کے فضائل اور اس کا طریقہ بیان فرما دیجیے؟

جواب: بہتر ہے! سنیے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اگر میری اُمت پر شاق نہ ہوتا تو ان کو مسواک کرنے کا حکم کرتا ہر نماز کے وضو کے ساتھ۔ اور فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ جو نماز مسواک کے ساتھ پڑھی گئی وہ ستّر درجے زائد ہے ثواب میں اس نماز سے جو بغیر مسواک کیے ہوئے پڑھی گئی۔ آں حضرت ﷺ اس قدر کثرت سے مسواک فرماتے تھے کہ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ کے مسوڑھے نہ چھل جائیں۔

درج ذیل کاموں کے وقت مسواک کرنا سنت ہے:

۱۔ سفر کے وقت۔
۲۔ سفر سے واپسی کے وقت۔
۳۔ کلام کے وقت۔
۴۔ کلام کے بعد۔

۵۔ کھانے کے بعد۔

۶۔ ہر نماز کے وقت۔

۷۔ ہر وضو کے وقت۔

۸۔ سونے کے وقت۔

۹۔ سونے سے اُٹھنے کے وقت۔

۱۰۔ تلاوتِ کلامِ پاک کے وقت اور یہ ایسی سنت ہے کہ جس کو تمام انبیا نے اختیار کیا۔

مسواک کرنے کا طریقہ

مسواک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اوّل اوپر دائیں جانب، پھر بائیں جانب کرے، اسی طرح نیچے جانب کرے اور تین تین بار کرے اور ہر بار دھوئے۔ اور احسن یہ ہے کہ اس قدر مسواک کرے کہ دانتوں کی زردی اور بدبو ختم ہوجانے کا قلب کو اطمینان حاصل ہوجائے۔ مسواک کا دائیں ہاتھ میں پکڑنا مستحب ہے، اس طرح کہ دائیں ہاتھ کی چھنگلی کو مسواک کے نیچے رکھے اور انگوٹھے کو مسواک کے سرے کے نیچے رکھے اور باقی تین انگلیاں مسواک کے اوپر رہیں۔ اور مسواک دانتوں کے عرض میں کرے نہ کہ طول میں۔ مسواک نرم، سیدھی ہو بے گرہ ہو، چھنگلی کے برابر موٹی ہو، ایک بالشت لمبی ہو، انار اور بانس کے علاوہ ہر لکڑی کی مسواک درست ہے، البتہ افضل پیلو اور زیتون کی ہے۔

عورت کے لیے صنوبر اور بطم کا گوند چبانا قائم مقام مسواک کے ہے، مگر گاہے گاہے مسواک بھی کرے۔ عورت کو متواتر مسواک کرتے رہنے سے دانتوں کے کمزور ہونے کا اندیشہ ہے۔

سوال: مسواک کرنے میں کچھ فائدے بھی ہیں؟

جواب: مسواک میں بہت فائدے ہیں:

۱۔ ہر مرض سے شفا سوائے موت کے، اور موت کے وقت کلمۂ شہادت یاد دلانے والی ہے۔

۲۔ منہ کی بدبو دور کرنے والی ہے۔

۳۔ مسوڑھوں کو مضبوط کرنے والی ہے۔

۴۔ بصارت کو تیز کرنے والی ہے۔
۵۔ عمر بڑھانے کا وسیلہ ہے۔
۶۔ ہاضم طعام ہے۔
۷۔ معدے کو قوت دینے والی ہے۔
۸۔ پلِ صراط پر چلنے میں آسانی بخشنے والی ہے بفضلہٖ تعالیٰ۔
۹۔ دانتوں کو صاف کرتی ہے۔

وضوتوڑنے والی چیزوں کا بیان

سوال: وضواور تیمّم کن چیزوں سے جاتا رہتا ہے؟

جواب: پیشاب، پاخانہ یا اور کوئی چیز پیشاب یا پاخانے کی جگہ سے نکلنا۔ پیپ، خون بہنے والا، منہ بھر کے قے کہ روکے سے نہ رُکے، یا تھوڑی تھوڑی جو منہ بھر کے برابر ہو جائے۔ سجدے ورکوع والی نماز میں عاقل بالغ کا قہقہہ لگا کر ہنسنا، نشے سے یا بغیر نشے کے بے ہوش و دیوانہ ہو جانا، ٹیک لگا کر اس طرح سو جانا کہ اگر ٹیک ہٹا دی جائے تو گر پڑے۔ ان چیزوں سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ اور ان ہی چیزوں سے اور پانی پر قادر ہونے سے تیمّم ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر تھوک میں خون معلوم ہو اور تھوک سرخی مائل ہو تو وضوٹوٹ جاتا ہے۔ سفیدی یا زردی مائل ہو تو وضواور تیمّم نہ ٹوٹے گا۔ آنکھ دُکھتی ہو تو پانی بہے اور آنسو نکلیں، یا چھاتی میں درد ہو اور پانی نکلے تو وضوٹوٹ جائے گا۔

سوال: اگر پیپ اور خون کسی پھنسی سے نکلے تو کیا وضوٹوٹ جائے گا؟

جواب: ہاں! اگر پیپ اور خون نکل کر ایسی جگہ بہہ جائے کہ جس کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے تب وضوٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔ مثلاً: آنکھ کے اندر زخم سے خون نکل گیا مگر آنکھ سے باہر نہیں آیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ آنکھ کا اندرونی حصّہ وضو یا غسل میں دھونا فرض نہیں۔ اور اگر تھوڑا تھوڑا نکلے اور پونچھ ڈالیں تو اگر وہ اس مقدار کو پہنچ جائے کہ نہ پونچھتے تو بہہ جاتا تو وضوٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔ اور جونک اتنا خون چوسے کہ اس کو کاٹ دیں تو بہہ پڑے تو وضوٹوٹ جائے گا۔

مکروہاتِ وضو کا بیان

سوال: جو چیزیں وضو میں مکروہ ہیں ان کو بیان فرما دیجیے۔

جواب: بلا ضرورتِ خاص دنیا کی باتیں کرنا، نجس جگہ بیٹھ کر وضو کرنا، مسجد کے اندر بدوں برتن وغیرہ کے وضو کرنا۔ اور بہ عذر برتن وغیرہ میں مسجد کے اندر وضو درست ہے۔ بیوی اور غیر محرم عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا۔ پانی میں تھوکنا یا سنکنا، اگرچہ جاری پانی سے وضو کیا جا رہا ہو۔ چہرے وغیرہ پر زور سے پانی مارنا، حاجت سے کم پانی خرچ کرنا۔ یعنی مثل تیل کے وضو کے اعضا کو چپڑ لینا یا اعضائے وضو کو دو مرتبہ دھونا، یا پانی کو زیادہ صَرف کرنا کہ تین بار سے زیادہ عضو کو دھونا، بشرطے کہ عضو خشک نہ رہ گیا ہو، اس طرح دھونا کہ زیادہ مقدار پانی کی زمین پر گرے اور کم حصہ پانی کا اعضا پر پڑے۔ پانی صَرف کرنے میں وضو و غسل کے اندر بعض لوگ سخت بے احتیاطی کرتے ہیں بلکہ وہم وہم میں بے انتہا پانی خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ہی زمانے اور لوگوں کے لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”میری اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو وضو میں زیادتی اور تجاوز کریں گے“۔

اور فرمایا کہ وضو کا ایک شیطان ہے اس کا نام وَلہان ہے، اے لوگو! پانی کے وسواس سے پرہیز کیجیو۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ حضور ﷺ ایک مُد یعنی تین پاؤ پانی سے وضو فرماتے تھے اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر پانی سے غسل فرماتے تھے۔ یاد رکھو کہ یہ اسراف پانی میں مکروہِ تحریمی ہے، قریب حرام کے ہے۔ خواہ وہ پانی اپنی ہی مِلک ہو یا سمندر و نہر سے وضو کرتا ہو۔ اور جو پانی وقف ہو جیسے کہ مدرسوں اور خانقاہوں میں ہوتا ہے، اس کا زیادہ خرچ کرنا تو بالاتفاق حرام ہے۔

عزیز من! پانی کے اسراف سے پرہیز کرو۔[1]

[1] جب نلکے سے وضو کر رہا ہو تو چلّو میں پانی لینے کے بعد دوسرے ہاتھ سے ٹونٹی بند کرتا جائے۔

معذور کے احکام

سوال: معذور کسے کہتے ہیں؟

جواب: معذور وہ کہلاتا ہے جسے کسی نجاست کے جاری رہنے کا عذر ہو، مثلاً: پیشاب کا قطرہ آتے رہنا، ریح کا خارج ہوتے رہنا، پیپ وخون بکثرت نکلتے آتے رہنا، استحاضہ کا ہونا، یعنی دس دن حیض یا چالیس دن نفاس کے گزر کر خون کا آتا رہنا۔ ان عذروں میں اتنا وقت نہ ملے کہ بدون ان عذروں کے وقتی نماز ادا کر سکے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کر کے نماز پڑھے اور فرض و نفل اور قضا سب اس وقت کے رہنے تک پڑھ سکتا ہے۔ جب وقت نکل گیا تو پھر تازہ وضو کر کے نماز پڑھے۔

موزوں پر مسح کرنے کا بیان

سوال: پیروں میں پورے چمڑے کے موزے یا چمڑے کا تلا لگے موزے یا خوب موٹے موزے کہ بلا باندھے ایک میل چل سکتے ہوں، پہن لیں، کیا تب بھی پیروں کا دھونا فرض ہے؟

جواب: غسل میں تو فرض ہے اور وضو میں ہر وقت فرض نہیں بلکہ اس صورت میں فرض ہے کہ جب اس کا وضو ٹوٹا ہے اس سے پہلے یہ مکمّل وضو کر کے موزے پہن چکا ہو۔ تب مقیم ایک رات دن تک موزوں پر مسح کر سکتا ہے اور مسافر تین دن رات تک مسح کر سکتا ہے۔ جب مدت ختم ہو جائے، یا ایک موزہ اتر جائے، یا ٹخنوں کے نیچے تک یا چھوٹی تین انگلیوں کے برابر موزہ پھٹ جائے، تب دونوں پیروں کو دھونا فرض ہوگا۔ اور اگر وضو ہو تو وضو کرنا فرض نہیں، صرف پاؤں دھو کر پہننا کافی ہے، اور یہ مدت مقیم اور مسافر پر وضو ٹوٹنے کے وقت سے شروع ہوگی۔

غسل کا بیان

غسل کی حقیقت:

سوال: غسل کسے کہتے ہیں؟

جواب: لغت کے لحاظ سے تو غسل کے معنی نہانے کے ہیں، لیکن شریعت کی اصطلاح میں سر سے پاؤں تک جسم کے ان تمام حصوں کے دھونے کو غسل کہتے ہیں جن تک پانی پہنچانا بغیر تکلیف کے ممکن ہو۔

سوال: غسل کب فرض ہوتا ہے؟

جواب: غسل کرنا یوں تو جسم کی صفائی کے لحاظ سے بہرحال ایک اچھا عمل ہے، مگر بعض صورتیں ایسی ہیں کہ جن کی بنا پر شریعت کے نزدیک غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے اور جب تک آدمی غسل نہ کرلے ناپاک رہتا ہے اور وہ صورتیں یہ ہیں:

۱۔ عورت سے صحبت کرنے کے بعد۔

۲۔ سوتے ہوئے احتلام ہونے کے بعد۔

۳۔ جاگتے ہوئے اگر منی شہوت کے ساتھ کود کر نکل جائے اس کے بعد۔

۴۔ عورت کے حیض بند ہو جانے کے بعد۔

۵۔ نفاس کا خون بند ہونے کے بعد۔

غسل کا طریقہ

سوال: غسل کس طرح کیا جائے؟

جواب: غسل کا طریقہ یہ ہے کہ اوّل دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئیں، اس کے بعد استنجا کریں اور بدن پر جس جگہ ناپاکی لگی ہوئی ہو اس کو صاف کریں، پھر جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اسی طرح وضو کریں، اور وضو کرتے وقت خوب منہ بھر کر کلی کریں۔ روزہ نہ ہو تو غرارہ بھی کریں، اور ناک میں خوب خیال کر کے ہڈی تک پانی چڑھائیں۔ پتھر یا کوئی چوکی یا ایسی پکی زمین پر غسل کر رہے ہوں جہاں سے پانی فوراً بہہ جاتا ہے تو دونوں

پاؤں بھی اس وضو کے ساتھ ہی دھولیں ورنہ پاؤں بالکل آخر میں دھوئیں، پھر وضو کے بعد تمام بدن کو تھوڑا سا پانی ڈال کر ہاتھ سے خوب ملیں، صابن ہو تو صابن بھی استعمال کریں، اس کے بعد تین مرتبہ سارے بدن پر پانی بہا دیں۔ یہ خیال رہے کہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔ اگر ایک بال کے برابر بھی کوئی جگہ خشک رہ گئی تو غسل نہ ہوگا۔

فرائضِ غسل

سوال: غسل میں کتنے فرض ہیں؟

جواب: غسل میں تین فرض ہیں:

۱۔ منہ بھر کر کلی کرنا۔

۲۔ ناک میں پانی ڈالنا۔

۳۔ تمام بدن پر ایک بار پانی بہانا۔

سننِ غسل

سوال: غسل میں کتنی سنتیں ہیں؟

جواب: غسل میں پانچ سنتیں ہیں ان کے ادا کرنے سے ثواب میں زیادتی ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ دونوں ہاتھ ابتدا ہی سے گٹوں تک دھونا۔

۲۔ استنجا کرنا اور جس جگہ ناپاکی لگی ہو غسل سے پہلے اس کو دھونا۔

۳۔ ناپاکی دور کرنے کی نیت کرنا۔

۴۔ پہلے وضو کرنا۔

۵۔ تمام بدن پر تین بار پانی بہانا۔

غسل سے متعلق چند ضروری باتیں

سوال: غسل کے کچھ آداب بھی ہیں؟

جواب: جی ہاں! غسل کے آداب بھی ہیں۔ وہ یہ کہ

۱۔ غسل کرنے والے کو چاہیے کہ کوئی کپڑا مثلاً لنگی یا تہ بند وغیرہ باندھ کر نہائے۔ اور برہنہ ہونے کی صورت میں بیٹھ کر نہائے۔ یا کسی ایسی جگہ نہائے جہاں کسی کی نظر نہ پڑے۔

۲۔ عورت کو ہر حالت میں بیٹھ کر ہی نہانا چاہیے۔

۳۔ برہنہ نہانے کی صورت میں قبلے کی طرف رُخ کر کے نہانا درست نہیں۔

۴۔ غسل کرتے وقت باتیں کرنا یا گنگنانا وغیرہ مکروہ ہے۔

۵۔ اگر غسل کے بعد یاد آئے کہ فلاں جگہ پانی نہ پہنچا تو پھر سے پورا غسل کرنا ضروری نہیں صرف اسی جگہ کو دھو لینا کافی ہے، اسی طرح اگر کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا بھول گیا تھا تو صرف اسی کمی کو پورا کر دے دوبارہ غسل کی حاجت نہیں۔

تنبیہ: ناپاکی کی حالت میں دل اور زبان سے خدا کا ذکر تو ہوسکتا ہے، لیکن قرآنِ مجید پڑھنا پڑھانا اور اس کو بغیر جزدان کے ہاتھ لگانا ناجائز ہے۔ اسی طرح ناپاکی کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا ناجائز ہے۔

پانی کے احکام

سوال: وضو اور غسل ہر قسم کے پانی سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: وضو اور غسل صرف ایسے پانی سے درست ہے جس کو پانی کہتے ہیں، اگرچہ اس میں کوئی پاک چیز گر کر رنگ و بو و مزہ بدل جائے۔ البتہ اگر کوئی پاک چیز پانی کو گاڑھا کر دے، یا کوئی چیز ڈال کر پکایا گیا ہو اور اس سے مقصود پانی کا صاف کرنا نہ ہو، یا کسی درخت یا پھل سے نچوڑ کر نکالا گیا ہو، ان سب پانیوں سے وضو اور غسل درست نہیں۔ اور نہ اس پانی سے وضو اور غسل درست ہے جو وضو اور غسل میں استعمال ہو کر کسی برتن میں جمع ہوگیا ہو، اس کو ماءِ مستعمل کہتے ہیں۔

سوال: پانی کبھی ناپاک بھی ہوجاتا ہے؟ اور اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو پانی لوٹے، گھڑے، مٹکے، مشک وغیرہ برتن میں ہو اس میں کسی ناپاکی کے گرنے اور کسی جاندار کے گر کر مرجانے سے پانی ناپاک ہوجائے گا۔ وہ سب پانی گرا دیا

جائے اور اس برتن کو پاک کرلیا جائے۔ یعنی تین مرتبہ دھولیا جائے۔

سوال: برتن میں کوئی جاندار چیز گر کر مرے نہیں زندہ نکل آئے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر چیز پر نجاست لگنے کا ظنِ غالب نہ ہو اور نہ وہ ایسا جانور ہے کہ جس کا لعاب ناپاک ہے تو اس کے زندہ نکل آنے سے پانی پاک رہے گا۔

جانوروں کے جھوٹے کے احکام

سوال: وہ حیوانات کون سے ہیں جن کا لعاب ناپاک ہے؟

جواب: تمام درندے، شیر، چیتا، بھیڑیا، گیدڑ، لومڑی، کتے کا لعاب ناپاک ہے۔ اور بلی، سانپ، چوہا، چھپکلی۔ اور پرندے، چیل، کوا، مرغی کا لعاب مکروہ ہے۔ لہٰذا جن کا لعاب ناپاک ہے ان کا جھوٹا پانی بھی اور پسینہ بھی ناپاک ہے اور جن کا لعاب مکروہ ہے ان کا جھوٹا بھی مکروہ ہے۔

سوال: گھوڑے، گدھے اور خچر کا لعاب کیسا ہے؟

جواب: گدھے اور خچر کا لعاب مشکوک ہے اور گھوڑے کا جھوٹا پاک ہے۔

سوال: خچر اور گدھے کا جھوٹا پانی موجود ہو اور دوسرا پانی نہ ہو تو کیا اس پانی سے وضو کرنا جائز ہے اور اسی طرح اگر ان پر سوار ہوں اور پسینہ جسم اور کپڑوں کو لگ جائے تو کیا کپڑے اور جسم پاک کریں گے؟

جواب: جب دوسرا پانی نہ ہو تو گدھے اور خچر کے جھوٹے پانی سے وضو کرلیا جائے اور تیمّم بھی کیا جائے۔ خواہ تیمّم اوّل ہو اور وضو بعد میں یا اس کے اُلٹ، مگر تیمّم بعد میں کرنا بہتر ہے۔ اور ان کا پسینہ بدن اور کپڑوں میں لگ جائے تو نماز ہوجائے گی، مگر ان کے پسینے سے احتیاط بہتر ہے۔

کنویں کے احکام

سوال: اگر کنویں میں ناپاک چیز گر جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب: کنواں ناپاک ہوجائے گا۔ اگر سب پانی نکالنا ممکن ہو تو سب پانی نکالا جائے اور اگر

اس کا سرچشمہ جاری ہے کہ پانی ٹوٹتا ہی نہیں جتنا نکالتے ہیں اتنا ہی آجاتا ہے تو تین سوڈول نکال دینا کافی ہے۔

سوال: کیا سب پانی نکالنا ہو تو ایک ساتھ نکالیں؟

جواب: نہیں یہ ضروری نہیں بلکہ اندازہ کرلیا جائے کہ کتنے ڈول پانی ہوگا تو تھوڑا تھوڑا کرکے اتنا ڈول نکال دیں تب بھی پاک ہوجائے گا۔ مثلاً: ہزار ڈول نکالنا ہے تو دوسو ایک مرتبہ نکال دیں، پھر شام چار سو نکال دیں اور کچھ دوسرے دن نکال دیں، اس طرح پاک ہوجائے گا۔

سوال: کنویں میں حیوان گر جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب: کتا خنزیر یا کوئی ایسا جانور گر جائے جس کا جھوٹا ناپاک ہے خواہ زندہ نکلے یا مردہ، تمام پانی نکالنا ہوگا بشرطے کہ پانی منہ کو پہنچا ہو۔ اور اگر انسان گرے اور زندہ نکل آئے اور جسم پر ناپاکی نہ ہو تو پاک ہے، اور ناپاکی لگی ہو تو کنواں ناپاک ہے سب پانی نکالا جائے گا۔ اور اگر انسان کنویں میں مرگیا تو تمام پانی نکالا جائے گا۔ ان کے علاوہ کوئی حیوان ایسا ہو کہ جس میں خون بہنے والا ہوتا ہے گر کر مر جائے تو اگر وہ کتے اور انسان کے برابر ہو تو تمام پانی نکالنا ہوگا، جیسے: بھینس، بکری وغیرہ۔ اور اگر اس سے چھوٹا ہو جیسے: بلی، مرغی، کبوتر وغیرہ تو اگر پھٹ جائے یا پھول جائے تو سارا پانی نکالنا ہوگا۔ اور اگر نہ پھٹے نہ پھولے تو ساٹھ ڈول نکال دیں۔ اور اگر اس سے بھی چھوٹا جانور ہو، جیسے: چوہا، چڑیا، گلہری، گرگٹ وغیرہ اور پھٹے یا پھولے نہیں تو تیس ڈول نکال دیں۔ چوہے یا گرگٹ کی دم کٹ کر گر جاوے تو تمام پانی نکالا جاوے۔

سوال: جن جانوروں کے اندر خون بہنے والا نہیں ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: ان کا پانی میں گر کر مرجانا اور ریزے ریزے ہوجانا پانی کو ناپاک نہیں کرتا، جیسے: ٹڈی، مینڈک، چھپکلی، کچھوا، مچھلی، مکھی، مچھر، کھٹمل۔ البتہ پینے، کھانے میں استعمال نہ کرنا چاہیے یہ دوسری بات ہے۔ خاص کر چھپکلی کا پانی استعمال نہ کیا جائے کہ مضر ہے گو پانی پاک ہے۔

سوال: اگر بہتے ہوئے خون والا جانور تیل، گھی میں گر جائے یا جس کا جھوٹا ناپاک ہے وہ تیل، گھی، دودھ میں منہ ڈال دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: بہتے ہوئے خون والا جانور تیل، گھی میں مر جائے اس کا حکم یہ ہے کہ تیل گھی میں اس کے برابر پانی ڈالیں اور جوش دیں پھر اتار لیں، ٹھنڈا ہونے کے بعد پانی میں سے تیل، گھی نتھار لیں، پانی پھینک دیں۔ پھر اسی طرح کریں۔ تین مرتبہ ایسا ہی کریں گھی، تیل پاک ہو جائے گا۔ اگر گھی یا تیل جما ہوا ہو تو اس جگہ اور اس کے اطراف والا گھی نکال کر پھینک دیا جائے تو بقیہ پاک ہے۔ البتہ دودھ میں کتا منہ ڈال دے تو وہ ناپاک ہو جائے گا، اس کے پاک کرنے کی کوئی صورت نہیں، ہاں! یہ ممکن ہے کہ اس کا مکھن، گھی نکالا جائے اور اس کو مثل گھی تیل کے تین بار پانی ڈال کر پاک کر لیا جائے۔

سوال: اگر جوتا، گیند کنویں میں گر جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب: کھال علاوہ خنزیر اور آدمی کی کھال کے دباغت یعنی نمک وغیرہ سے خشک کر لی جائے تو وہ بھی پاک ہو جاتی ہے اس کا جوتا بھی پاک ہے۔ لہٰذا اگر جوتا اور گیند پر نجاست لگنے کا گمان غالب نہ ہو تو اس کے گرنے سے پانی پاک رہے گا، اور اگر اس پر نجاست کا گمان غالب ہو تو کنواں ناپاک ہو جائے گا اور تمام پانی نکالنا ہو گا۔

سوال: جو چیز کنویں میں گر جائے کیا اس کا نکالنا ضروری ہے؟

جواب: جی ہاں! پانی نکالنے سے پہلے اس چیز کو نکالا جائے، البتہ اگر کوشش کے باوجود نہ نکل سکے تو اگر وہ ایسی چیز ہے کہ نجاست لگنے سے ناپاک ہو گئی تھی جیسے ناپاک گیند، ناپاک جوتا، ناپاک کپڑا وغیرہ تب تو اس کا نکالنا معاف ہے۔ بس پانی نکال دینا کافی ہے اور اگر وہ چیز خود ناپاک ہے جیسے مردہ جانور، چوہا وغیرہ تو جب تک اس کے گل سڑ کر مٹی ہو جانے کا یقین نہ ہو اس وقت تک کنواں پاک نہ ہو گا۔ جب یقین ہو جائے تب تمام پانی نکال دیں کنواں پاک ہو جائے گا۔

سوال: اگر کنویں سے پھٹا پھولا جانور نکلے اور اس کے پانی سے وضو اور غسل بھی کرتے رہے ہوں اور یہ معلوم نہ ہو کہ کب گرا ہے تو نماز کب سے لوٹائی جائے؟

جواب: جب سے اس جانور کو دیکھا ہے اسی وقت سے ناپاک سمجھا جائے، اس سے پہلے کی

نماز و وضو سب درست ہیں۔

تیمّم کا بیان

سوال: تیمّم کسے کہتے ہیں اور کن کن چیزوں سے تیمّم جائز ہے؟

جواب: جب شرعی ایک میل[1] تک پانی نہ ملے یا پانی تو موجود ہے مگر اس کو وضو میں خرچ کر دینے سے وہ پیاسا، بے قرار ہو جائے گا، یا وضو غسل کرنے سے نقصان ہوگا، بیمار ہو جائے گا یا بیماری بڑھ جائے گی۔ غرض یہ کہ پانی پر قدرت نہ ہو تو اس وقت حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر سے پاک ہونے کی نیت سے پاک مٹی پر یا مٹی کی بنی ہوئی چیز پر دونوں ہاتھ مار کر منہ پر پھیر لیا جائے، پھر دوبارہ دونوں ہاتھ مار کر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر اور بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر پھیر لیا جائے اسے تیمّم کہتے ہیں۔ یہی تیمّم وضو کا ہے اور یہی تیمّم غسل کا ہے۔

اور اگر پانی استنجے کے لیے یا نجاست جسم و کپڑا دھونے کے لائق ہو تو پانی سے استنجا اور کپڑا پاک کر لے اور وضو کے لیے تیمّم کر لیا جائے۔

اور تیمّم مٹی، ہڑتال، سرمہ، چونا، قلعی، ریت، ڈسٹمپر پر درست ہے۔ حاصل یہ کہ جو نہ آگ میں پگھلے، نہ نرم ہو، نہ جل کر راکھ ہو، اس سے تیمّم درست ہے۔ اور جو چیزیں ایسی ہوں اگر ان پر غبار ہو تب تیمّم درست ہے۔ جیسے: پاک بستر کپڑوں پر غبار ہو تو اس پر ہاتھ زور سے مار کر تیمّم کر کے نماز پڑھنا درست ہے۔

سوال: زخم، پھوڑا، پھنسی ہو کہ پانی اس کو نقصان دیتا ہو تو کیا کرے؟

جواب: اتنی جگہ پر پٹی وغیرہ نہ ہو تو تر ہاتھ پھیر لے۔ اگر پھایا و پٹی ہو اور کھولنے سے تکلیف ہو، زخم کو پانی نقصان دے تو اسی پٹی یا پھائے پر مسح کر لیا جائے۔

اور اگر پٹی زخم سے زیادہ حصّے میں ہے اور پٹی کھولنے میں تکلیف یا نقصان نہیں تو پٹی کھول کر زخم یا پھائے پر مسح کیا جائے اور باقی جگہ کو دھو وے، اگر مسح کرنا بھی نقصان

---

[1] دو ہزار گز تقریباً ۱.۸۳ کلومیٹر۔

کرے تو اتنی جگہ بلا مسح کیے ہوئے چھوڑ دے۔

سوال: اگر ہاتھ میں زخم ہو کہ نہ کوئی برتن پکڑا جاسکتا ہے نہ پانی استعمال کیا جاسکتا ہے تو کیا کرے؟

جواب: کسی دوسرے شخص سے مدد لے کر اعضا کا وضو و غسل کرے۔ اگر کوئی مدد کے لیے نہ ہو تو ہلکے ہلکے ہاتھوں سے تیمّم کرلے اور استنجے کے لیے ڈھیلوں یا ٹشو پیپر سے استنجا کر لینے پر کفایت کرے، وسوسے اور وہم میں نہ پڑے۔

حیض ونفاس کا بیان

سوال: حیض ونفاس کسے کہتے ہیں؟

جواب: حیض اس خون کو کہتے ہیں جو بالغہ عورت کو ہر مہینے آگے کی راہ سے بلا کسی مرض اور بلا کسی حمل کے کم از کم پورے تین دن اور تین راتیں اور زیادہ سے زیادہ دس دن اور دس رات آئے۔

اور نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو عورت کو بچہ جننے کے بعد آئے، کم کی کوئی مدت نہیں اور چالیس دن سے زائد نہیں آتا۔

زمانۂ حیض ونفاس میں نمازوں کی قضا نہیں اور روزں کی قضا ہے۔ اور حیض ونفاس والی عورت اور غسل کی حاجت والا مرد وعورت نہ قرآن شریف چھوئے نہ پڑھے نہ کسی کو پڑھ کر بتاوے، البتہ دو دو حرف اور ایک ایک کلمہ الگ الگ ٹھہر کر بتاوے تو درست ہے، جیسے: الحمد کہہ کر رُک جائے جب دوسرا کہہ لے تو پھر کہے للہ۔ اسی طرح کاٹ کاٹ کر درست ہے۔ البتہ درود شریف، کلمہ شریف، استغفار یا الحمدللہ شریف بطور دُعا کے یا جو دُعائیں قرآن شریف میں آئی ہیں ان کو دُعا کی نیت سے پڑھا جاوے تو درست ہے۔

سوال: حیض کس عمر میں آتا ہے؟

جواب: نو برس سے پہلے حیض نہیں آتا اور اکثر پچپن برس کے بعد نہیں آتا۔ اگر پچپن برس کے بعد آئے تو خون سرخ یا سیاہ ہو تو حیض سمجھا جائے گا۔ اور اگر زرد، سبز اور خاکی ہو گا تو حیض نہ سمجھا جائے گا۔

سوال: جوان عورت کے لیے کس رنگ کا خون حیض سمجھا جائے گا۔

جواب: حیض کی مدت میں سرخ، سیاہ، زرد، خاکی، مٹیالہ کسی رنگ کا ہو سب حیض ہے، صرف خالص سفید ہو تو حیض نہیں۔

سوال: کیا حیض تین دن تین رات سے ذرا بھی کم ہو تو حیض نہیں؟

جواب: نہیں! بلکہ پورے تین دن اور تین رات کا ہونا ضروری ہے، مثلاً: جمعہ کو سورج نکلنے کے وقت حیض آیا اور پیر کو سورج نکلنے سے ذرا پہلے بند ہو گیا تو یہ حیض نہ کہلایا جائے گا، کیوں کہ تین دن تین رات کو پورا ہونا سورج نکلنے کے وقت ہوتا اور وہ اس سے کچھ قبل بند ہو گیا لہٰذا حیض شمار نہ ہوگا۔

سوال: اگر دس دن سے زیادہ حیض آئے تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر پہلی مرتبہ حیض آیا ہو تب تو دس دن حیض کے ہیں اور باقی استحاضہ ہے۔ اور اگر پہلے حیض آچکا تھا تو اس سے پہلے مہینے میں جتنے دن آیا تھا اتنے دن تو حیض کے ہیں باقی استحاضہ ہے۔

سوال: اگر تین دن سے کم خون آئے پھر پاک رہے اور پھر خون آئے تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر پندرہ دن پاک رہے تو پندرہ دن سے پہلے جو خون تین دن سے کم آیا ہے وہ حیض نہیں۔ اور اگر پندرہ دن سے کم پاک رہی تو اس کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ یوں سمجھا جائے گا کہ شروع سے آخر تک گویا خون آتا رہا۔ لہٰذا جو عادت خون آنے کی ہو اتنی مدت تو حیض کی ہے باقی استحاضہ ہے، اور پہلے پہل اگر ایسا ہو تو شروع سے دس دن تک حیض ہے باقی استحاضہ ہے۔

سوال: کسی کی عادت مقرر نہ ہو، بلکہ کسی مہینہ میں چار دن، کسی میں چھ دن حیض آئے تب کیا کرے؟

جواب: دس دن یا دس دن سے پہلے خون بند ہو جائے تو ایسی عورت کے لیے وہی دن حیض کے ہیں اور دس دن سے زائد آئے تو اس سے پچھلے ماہ میں جتنے دن آیا ہو اتنے دن حیض کے باقی استحاضہ کے ہیں۔

سوال: زمانۂ حمل میں جو خون آئے کیا وہ حیض ہے؟

جواب: وہ حیض نہیں۔ اور نہ وہ حیض ہے جو بچہ پیدا ہونے سے قبل خون آئے، جب تک بچہ نصف سے زائد ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک خون کا نکلنا حیض نہیں ہے۔

سوال: کسی کا حمل گر جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی ایک آدھ عضو بن گیا ہو تب تو وہ خون نفاس ہے ورنہ نہیں۔ البتہ اگر تین دن تین رات آئے یا دس دن آئے تو وہ حیض ہے۔ اور اگر دس دن سے زیادہ ہو تو سابق عادت کے موافق حیض ہے۔

سوال: حیض کی وجہ سے نماز کب معاف ہے؟

جواب: نماز میں آجائے یا نماز کے اخیر وقت میں آئے کہ ابھی نماز بھی نہ پڑھی تھی تو نماز معاف ہوگئی۔ البتہ نفل یا سنت میں حیض آگیا تو قضا پڑھنا ہوگی۔

سوال: ایسے وقت میں خون بند ہو کہ نماز کا وقت تنگ ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر اتنا وقت ہے کہ جلدی سے غسل کے فرائض ادا کر کے اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ سکتی ہے تب تو اس وقت کی نماز واجب ہوگی قضا پڑھنا ہوگی اور اگر اتنا وقت نہیں ہے تو نماز معاف ہوگی قضا نہیں ہے۔ مگر یہ اس وقت ہے کہ جب خون دس دن سے کم میں بند ہوا اور اگر دس دن رات پورے ہو کر بند ہوا اور صرف اتنا وقت باقی ہو کہ اللہ اکبر کہہ سکتی ہو تب بھی نماز واجب ہوگی اگرچہ غسل کی بھی گنجایش نہ ہو۔

سوال: بچہ پیدا ہونے کے وقت کیا نماز معاف ہے؟

جواب: عزیز من! یہ سوال بہت کام کا کیا۔ مستورات ایسے موقع پر کچھ لحاظ نہیں رکھتی ہیں۔ سنیئے! اگر بچے کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تب تو نہ پڑھے۔ اور اگر یہ اندیشہ نہیں تو جب تک نصف بچہ ظاہر نہ ہو جائے اس وقت بھی نماز نہ چھوڑے پڑھ لے۔ خواہ سر کے اشارے سے ہی پڑھ لے اگر نہ پڑھے گی تو گناہ گار ہوگی۔

سوال: اگر دو بچے پیدا ہوئے تو نفاس کب سے شمار ہوگا؟

جواب: دو بچے پیدا ہوں تو نفاس کی مدت پہلے بچے سے شروع ہوگی۔

سوال: کیا حیض کے زمانے میں شوہر منتفع ہوسکتا ہے؟

جواب: استغفر اللہ تعالیٰ! ارے میاں منتفع ہونا تو درکنار حیض کے زمانے میں ناف سے لے کر گھٹنوں تک دیکھنا بھی جائز نہیں، ہاں! جب دس دن رات تک حیض آئے تو بعد دس دن قبل غسل بھی منتفع ہوسکتا ہے اور دس دن سے قبل خون بند ہو جائے تو بلا غسل کے یا جب تک ایک نماز کا وقت نہ گزر جائے اس وقت تک منتفع ہونا درست نہیں۔

نماز کا بیان

اسلام کا پہلا ستون نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد ہر مسلمان کے لیے سب سے پہلا اور اہم ترین فریضہ نماز کا قائم کرنا ہے۔

قرآنِ مجید میں تقریباً سات سو جگہ نماز کی اہمیّت اور تقریباً ننانوے آیتوں میں نماز کی ترغیب و تاکید کا بیان ہے۔ نیز احادیثِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھی بہت ہی کثرت سے نماز کا بیان آیا ہے، مثلاً قرآنِ حکیم میں آیا ہے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ۝﴾[۱] — میری یاد کے لیے نماز قائم کیجیے۔

﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ﴾[۲] — اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے۔

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝﴾[۳] — اور نماز قائم کیجیے اور مشرک لوگوں میں سے نہ ہوئیے۔

وغیرہ وغیرہ۔ نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے:

۱۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

---

[۱] طٰہٰ: ١٤ [۲] طٰہٰ: ١٣٢ [۳] الروم: ٣١

۲۔ نماز قائم کرنا۔
۳۔ زکوٰۃ دینا۔
۴۔ حج کرنا۔
۵۔ رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب و کتاب ہوگا، اگر وہ ٹھیک نکلی تو آیندہ بھی کامیاب و بامراد ہوگا۔ اور اگر اس کی نمازیں خراب نکلیں تو وہ نامراد ہوگا اور خسارے میں رہے گا۔

غرضے کہ قرآن و حدیث نماز کی اہمیّت اور تاکید سے بھرے ہوئے ہیں۔ اب ذیل میں نماز کے مسائل اور احکام بیان کیے جاتے ہیں، ان کو خوب غور سے پڑھیے اور یاد رکھیے۔

اوقاتِ نماز کا بیان

سوال: نمازیں کون کون سے وقت پڑھی جاتی ہیں؟

جواب:

۱۔ فجر کی نماز صبح صادق یعنی صبح کو ذرا روشنی ہونے کے بعد سے سورج نکلنے سے پہلے تک پڑھی جاتی ہے۔
۲۔ ظہر کی نماز دن ڈھلنے سے سایہ دو مثل ہونے تک۔
۳۔ عصر کی نماز سایہ دو مثل ہونے کے بعد سے سورج کے ڈوبنے سے پہلے تک۔ لیکن جب سورج کا رنگ بدل جائے اور دھوپ زرد پڑ جائے تو عصر کا وقت مکروہ ہو جاتا ہے۔
۴۔ مغرب کی نماز سورج ڈوبنے کے بعد سے سورج ڈوبنے کی طرف سرخی کے غائب ہونے تک پڑھی جاتی ہے۔
۵۔ عشا کی نماز سورج ڈوبنے کی طرف سرخی غائب ہونے کے بعد سے صبح صادق ہونے سے پہلے تک پڑھی جاتی ہے، لیکن آدھی رات کے بعد عشا کا وقت مکروہ ہو جاتا ہے۔

سوال: دو مثل کا مطلب کیا ہے؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ زوال کے وقت کسی چیز کا سایہ جتنا ہو اس کے علاوہ اس کا سایہ جب دوگنا ہو جائے اس کو دو مثل کہتے ہیں۔

سوال: صبحِ صادق کسے کہتے ہیں؟

جواب: سورج نکلنے کی طرف سورج نکلنے سے پہلے چوڑان میں ایک سفیدی پیدا ہوتی ہے اس کو صبحِ صادق کہتے ہیں۔

مستحب وقتوں کا بیان

سوال: کن وقتوں میں نماز پڑھنا بہتر و مستحب ہے؟

جواب: بادل کے دن فجر وظہر ومغرب کی نماز ذرا دیر سے پڑھنا مستحب ہے، اور عصر کی نماز میں جلدی مستحب ہے۔ اور گرمی میں ظہر کی نماز دیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ اور سردی میں اوّل وقت پڑھنا مستحب ہے۔ عصر کی نماز معمولی تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ اور سردی ہو یا گرمی مغرب کی نماز میں جلدی مستحب ہے اور فجر کی نماز ذرا روشنی ہو جائے اس وقت پڑھنا مستحب ہے۔

مکروہ وقتوں کا بیان

سوال: وہ کون سے اوقات ہیں جن میں نماز پڑھنا منع ہے؟

جواب: وہ پانچ وقت ہیں: طلوعِ شمس، غروبِ شمس، استوائے شمس (نصف النّہار یعنی طلوعِ شمس اور غروبِ شمس کا درمیانی وقت) بعد نمازِ فجر، بعد نمازِ عصر۔ مگر نمازِ فجر اور نمازِ عصر کے بعد قضا نماز پڑھنا درست ہے اور جنازے کی نماز پڑھنا اور سجدۂ تلاوت درست ہے۔ البتہ نفل نماز ان دو وقتوں میں بھی درست نہیں۔ لہٰذا بعد نمازِ فجر صبح کی سنتیں نہ پڑھے۔ البتہ اگر جماعت ہو رہی ہو اور یہ اُمید ہو کہ سنتیں پڑھ کر امام کے سلام پھیرنے سے قبل جماعت میں شریک ہو جاؤں گا تو ایک طرف جماعت سے کچھ فاصلے پر سنتیں پڑھ لی جائیں۔

اگر صبح کی نماز پڑھنے میں سورج نکل آئے تو وہ نماز نہ ہوگی، اور اگر عصر کی نماز پڑھنے میں سورج غروب ہوجائے تو نماز ہوجائے گی۔[۱]

اذان وتکبیر

سوال: اذان کیا چیز ہے؟

جواب: جب نماز کا وقت آتا ہے تو مسلمانوں کو اطلاع کرنے کے لیے کچھ کلمات بلند آواز سے قبلہ رُخ ہوکر کہے جاتے ہیں۔ اسے اذان کہتے ہیں۔

سوال: وہ کلمات کیا ہیں؟

جواب: وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. اور "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کہتے وقت دائیں جانب اور "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کہتے وقت بائیں جانب صرف منہ پھیرتے ہیں۔

اور فجر کی اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ دو بار کہتے ہیں۔[۲]

سوال: تکبیر کیا چیز ہے؟

جواب: جب جماعت کھڑی ہوتی ہے اس وقت جو لوگ مسجد میں موجود ہوتے ہیں ان کو جماعت کی اطلاع دینے کے لیے جو کلمات کہے جاتے ہیں ان کا نام تکبیر ہے۔ اور وہ کلمات وہی ہیں جو اذان کے ہیں صرف فرق یہ ہے کہ تکبیر میں "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" کے بعد "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" دو بار کہا جاتا ہے۔

---

[۱] اس فرق کی وجہ فقہ کی بڑی کتابوں میں درج ہے وہاں دیکھ لیا جائے، یا کسی عالم سے زبانی معلوم کرلیا جائے۔

[۲] اذان اور تکبیر میں ہر کلمے کو الگ الگ اور اخیر میں ساکن پڑھے جیسے: اَللّٰهُ أَكْبَرْ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحْ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةْ.

اذان وتکبیر کے احکام

سوال: کیا وضو کے بغیر تکبیر واذان کہنا درست ہے؟

جواب: اذان کہنا درست ہے مگر عادت کر لینا برا ہے اور بلا وضو تکبیر کہنا مکروہ ہے اور جنابت کی حالت میں نہ اذان کہے نہ تکبیر کہے، مکروہِ تحریمی ہے اور اذان کا دوبارہ کہنا مستحب ہے مگر تکبیر کا اعادہ نہیں ہے۔ اذان ناسمجھ بچہ و مجنون و مست اور عورت دے تو معتبر نہیں، اعادہ کیا جائے۔

سوال: کیا اذان کا جواب دینا واجب ہے؟

جواب: بعض نے واجب فرمایا ہے مگر معتمد و ظاہر یہ ہے کہ مستحب ہے۔ اور جواب کا طریقہ یہ ہے کہ جو لفظ مؤذن کہے وہی سننے والا کہے، مگر ''حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' کے جواب میں ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ'' کہے، اور صبح کی اذان میں ''اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' کے جواب میں ''صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ وَبِالْحَقِّ نَطَقْتَ'' کہے۔ اگر اذان کا جواب ساتھ ساتھ نہ دیا ہو اور زیادہ دیر نہ ہوئی ہو اذان کا جواب دے دے ورنہ نہیں۔ مگر جمعہ کے خطبے کی اذان کا جواب نہ دیا جائے۔

سوال: اگر اذان میں کوئی شخص مؤخر لفظ کو پہلے کہہ دے تو اذان کا اعادہ کیا جائے؟

جواب: اذان واقامت کے الفاظ کا ترتیب وار کہنا سنت ہے۔ لہٰذا اگر بعد والے لفظ کو پہلے کہہ دیا جائے تو اس سے پہلے لفظ کو کہہ کر پھر اسی مؤخر لفظ کا اعادہ کافی ہے پوری اذان کا لوٹانا ضروری نہیں ہے۔

سوال: کیا اذان ہوتے وقت بات یا ذکر وتلاوت کر سکتے ہیں؟

جواب: اذان وتکبیر سننے والے کو اذان کے جواب میں مشغول ہونا چاہیے نہ بات کرے نہ ذکر وتلاوت کرے۔ اور اگر ذکر وتلاوت میں مشغول ہو تو رُک جائے اور جواب میں مشغول ہو جائے۔

سوال: اگر مکبّر تکبیر کہہ دے اور امام کو مصلے پر پہنچنے میں دیر ہو جائے تو کیا اس کا اعادہ ہے؟

جواب: اگر امام دنیوی کام کھانے پینے وغیرہ میں مشغول ہو، پھر مصلے پر آئے تو تکبیر کا اعادہ ہے

اور اگر یونہی تھوڑی سی دیر ہوگئی یا سنتیں پڑھ رہا ہو یا صبح کی سنتیں پڑھنے لگا پھر مصلے پر پہنچا تو تکبیر کا اعادہ نہیں ہے۔

سوال: کیا دو مسجدوں میں ایک شخص کا اذان کہنا درست ہے؟

جواب: دو مسجدوں میں ایک شخص کا اذان کہنا مکروہ ہے۔ اور جو شخص اذان کہے تکبیر اسی کا حق ہے۔ ہاں! وہ باہر چلا جائے یا اس کی اجازت سے دوسرا شخص کہے تو کہہ سکتا ہے، اور کئی مؤذن ایک مسجد میں ایک ساتھ اذان کہہ سکتے ہیں جائز ہے۔

سوال: اذان وتکبیر کس طرح کہے؟

جواب: اذان مسجد کے حصّے سے باہر اونچی جگہ کھڑے ہوکر بلند آواز سے دونوں کانوں میں انگلیاں دے کر قبلے کی طرف رُخ کر کے کہی جائے۔ مسجد کے اندر اذان مکروہِ تنزیہی ہے۔

البتہ جمعہ کی دوسری اذان منبر کے سامنے مسجد کے اندر مکروہ نہیں ہے۔ بیٹھ کر اذان کہنا مکروہ ہے پھر دوبارہ کہی جائے۔

اذان کے الفاظ ٹھہر ٹھہر کر کہنا چاہیے کہ سننے والا اس کا جواب دے سکے اور تکبیر جلد جلد کہی جائے۔ اور مکبر جس جگہ تکبیر کہنا شروع کرے اُسی جگہ ختم کرے۔

سوال: کیا قضا نمازوں کے لیے بھی اذان ہے؟

جواب: جی ہاں! اگر کچھ لوگوں کی کسی وجہ سے قضا ہو جائے اور وہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا چاہتے ہیں تو اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا کی جائے اور ایک اذان سب قضا نمازوں کے لیے کافی ہے۔ بشرطے کہ یہ سب نمازیں ایک وقت میں ادا کی جائیں اور ہر نماز کے لیے الگ الگ تکبیر کہی جائے۔ ہاں! یہ اولیٰ ہے کہ نمازِ قضا میں اذان بھی الگ الگ کہی جائے۔

جہاں جمعہ کی نماز کی شرائط پائی جائیں اور وہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہو تو اس جگہ ظہر کی نماز پڑھی جائے تو اذان وتکبیر کہنا مکروہ ہے اور جمعہ کی پہلی اذان کے بعد خرید وفروخت کرنا درست نہیں ہے۔

سوال: اگر اذان وقت آنے سے پہلے دے دی جائے تو کیا اس کا اعادہ کرنا چاہیے؟

جواب: جی ہاں! وہ اذان صحیح نہ ہوگی، وقت آنے پر دوبارہ پھر کہنا چاہیے۔ خواہ وہ اذان فجر کی ہو یا کسی اور وقت کی ہو۔

سوال: آپ نے اذان وتکبیر کے اس قدر مسائل بیان کیے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن قاعدے کا آدمی اور سمجھ دار ہونا چاہیے۔

جواب: ماشاء اللہ! آپ نے کیا خوب سوال فرمایا ہے، واقعی یہی بات ہے کہ ہر صاحبِ منصب اپنے اپنے منصب وعہدے کے مطابق احکام ومسائل سیکھے اور قانونِ دین حاصل کرے۔ خواہ بادشاہ وسلاطین ہوں، یا امرا وحکام ہوں، یا امام ہو، مؤذن ہو، باپ ہو، شوہر ہو، وغیرہ وغیرہ۔

لہٰذا مؤذن مسائلِ ضروریہ اور اوقاتِ نماز سے واقف ہو، مؤذن پرہیزگار، دیانت دار ہو، لوگوں کے حال سے خبردار ہو۔ جو لوگ جماعت میں نہ آتے ہوں ان کو متنبہ کرے اگر یہ خوف نہ ہو کہ مجھے ایذا دے گا۔ بلند آواز ہو۔ جب یہ باتیں مؤذن میں پائی جائیں گی تو ایسے مؤذن کے لیے آخرت میں بڑے درجے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں لوگ حساب وکتاب میں مشغول ہوں گے اور یہ مؤذنین نور کے منبر پر خوش وخرم بیٹھے ہوں گے۔

سوال: اذان کے بعد جو دُعا پڑھی جاتی ہے وہ کیا ہے؟

جواب: وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ، وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ، إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ.

اے اللہ! مالک اس کامل اعلان کے اور قائم ہونے والی نماز کے مالک! محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما، اور ان کو اس مقامِ محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے، بیشک آپ وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔

قرأت وغیرہ کا بیان

سوال: تعوذ، تسمیہ، ثنا، سورۂ فاتحہ، تشہد، درود، دُعا، دُعائے قنوت کیا کیا ہیں؟ اور کوئی چھوٹی سورت بھی بیان کردی جائے؟

جواب: تعوذ یہ ہے:

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ.

میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے۔

تسمیہ یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

ثنا یہ ہے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ.

اے اللہ! تو پاک ہے، اور تیری ہی تعریف ہے، اور تیرا نام برکت والا ہے، اور تیری بزرگی بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

سورۂ فاتحہ یہ ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ (آمین)

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، قیامت کے دن کا مالک ہے، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، چلا ہم کو سیدھے رستے پر، ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام فرمایا، نہ ان لوگوں کے رستے پر جن پر تیرا غضب نازل ہوا، اور نہ گمراہوں کے رستہ پر۔ ”قبول ہو“

اور سورت یہ ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌO اَللّٰهُ الصَّمَدُO لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ O وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌO﴾

آپ کہہ دیجیے کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، اس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور کوئی اس کے برابر نہیں۔

اگر کوئی اور سورت یاد نہ ہو تو سورۂ فاتحہ کے بعد یہی سورت کافی ہے۔

اور تشہد یہ ہے:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

تمام زبانی اور بدنی اور مالی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں، سلام ہو تم پر اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ گواہی دیتا ہوں میں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور گواہی دیتا ہوں میں کہ حضور ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

درود یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اے اللہ! رحمت فرما حضرت محمد ﷺ پر اور حضرت محمد ﷺ کی آل پر، جیسی رحمت نازل فرمائی آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر۔ بے شک آپ خوبیوں والے ہیں اور بزرگی والے ہیں۔ اے اللہ! برکت نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر اور حضرت محمد ﷺ کی آل پر، جیسی برکت نازل فرمائی آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر۔ بے شک آپ خوبیوں والے ہیں اور بزرگی والے ہیں۔

اور یہ دعا ہے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

اے ہمارے رب! دے ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔

اور دعائے قنوت یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِي عَلَيْكَ الْخَيْرَ، وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ. اَللّٰهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّي وَنَسْجُدُ وَإِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ، إِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ.

اے اللہ! ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور تجھ سے بخشش چاہتے ہیں اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تیرے اوپر بھروسہ رکھتے ہیں اور تیری اچھی تعریف کرتے ہیں اور تیرا شکر ادا کرتے ہیں، اور تیری ناشکری نہیں کرتے، اور علیحدہ کردیتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں اس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے۔ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے لیے ہی نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور ہم تیری طرف کوشش کرتے ہیں اور ہم حاضری دیتے ہیں اور تیری رحمت کے امیدوار ہیں، اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک تیرا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے۔

ستر کا بیان

سوال: نماز میں جسم کا کتنا حصہ ڈھانکنا فرض ہے؟

جواب: مرد کو ناف سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک اور عورت کو بشرطے کہ وہ لونڈی[۱] نہ ہو، دونوں ہتھیلیوں اور چہرے اور دونوں قدموں کے علاوہ تمام بدن ڈھانکنا فرض ہے۔

[۱] اسلامی حکومتوں کے زمانے میں جہاد کی صورت میں غیر مسلموں کی عورتیں قید ہو کر آتی تھیں انھیں شرعی اصطلاح میں باندیاں (لونڈیاں) کہا جاتا ہے۔

اور لونڈی کو ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک اور پیٹھ و پیٹ کا ڈھانکنا فرض ہے۔ اور ان میں سے جسم کے کسی حصے کا چوتھائی کھل جائے جیسے: ران، پنڈلی، سر، پیٹ، پیٹھ، گلا، بال تو نماز نہ ہوگی، بشرطے کہ اتنی دیر کھلا رہے جتنی دیر میں تین بار یا اس سے زیادہ سبحان اللہ کہہ سکے۔ اس سے کم دیر کھلا رہا کہ فوراً ڈھک دیا تو نماز ہوگئی۔

سوال: اگر کپڑا ناپاک ہو اور پاک کرنے کے لیے پانی نہ ہو تو کیا کرے؟

جواب: اگر چوتھائی یا چوتھائی سے زیادہ کپڑا پاک ہو تب تو اسی ناپاک کپڑے کو پہن کر نماز پڑھنا واجب ہے، اور اگر اس سے کم پاک ہو باقی سب ناپاک ہو تو چاہے اسی سے نماز پڑھے چاہے ننگے ہو کر مگر اسی سے پڑھنا بہتر ہے اور اگر بالکل کپڑا نہ ہو تو ننگا نماز پڑھے، مگر بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے۔ رکوع وسجدہ اشارے سے ادا کرے۔

قبلہ کا بیان

سوال: قبلہ کی طرف منہ کرنا کسے کہتے ہیں؟

جواب: مکّہ معظمہ میں ایک مسجد ہے جس میں خانۂ کعبہ ہے اس کو سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں کئی روز تک بہت زور کی بارش ہوئی کہ تمام مکانات اور پہاڑ غرق ہوگئے (جس کو طوفانِ نوح کہا جاتا ہے)، تو اللہ تعالیٰ نے اس حصے کو آسمان پر اُٹھالیا، اب تک چوتھے یا ساتویں آسمان پر اسی خانۂ کعبہ کے مقابل موجود ہے۔ پھر اس خانۂ کعبہ کو دوبارہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے بنایا۔ اس کی طرف منہ کرنے کو قبلہ کی طرف منہ کرنا کہتے ہیں۔

سوال: جس طرح مشرکین پتھر کے بتوں کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اسی طرح یہ بھی خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنا ہوا۔ پھر اس میں اور اس میں کیا فرق ہے؟

جواب: فرق یہ ہے کہ مسلمان اس کو پوجتے نہیں بلکہ مسلمانوں کی آسانی کے لیے ایک جہت مقرر کرنے کے لیے وہ جانب مقرر کردی گئی ہے۔ اگر خدا نا خواستہ یہ مکان موجود نہ

رہے، یا کسی کو اس کا رُخ معلوم نہ ہو اور کسی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ نماز میں خود ہی یا کسی دوسرے کے کہنے سے معلوم ہوا کہ قبلہ دوسری طرف ہے تو نماز ہی کی حالت میں ادھر گھوم جائے اور باقی نماز پڑھ کر سلام پھیر دے۔ نماز ہوگئی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی گھوڑی پر نفل نماز پڑھتا ہوا چلے تو شروع میں قبلہ رُخ ہونے کے بعد جس طرف گھوڑی چلتی رہے اور یہ نماز پڑھتا رہے نماز ہو جائے گی، اگر چہ گھوڑی کا رُخ کعبہ کی طرف سے پھرا ہوا، ہو بخلاف مشرکوں کے کہ وہ بتوں کو معبود خیال کر کے پوجتے ہیں تو یہ تو بتوں کو معبود بنانا ہوا۔ اس میں اور اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

نماز کی نیت کا بیان

سوال: نیت کرنا کسے کہتے ہیں؟

جواب: جس وقت کی نماز پڑھنی ہے اس وقت کا اور ان رکعات کا دل میں خیال کرنے کا نام نیت ہے اور زبان سے نام لینا مستحب ہے۔ مثلاً: ظہر کی نماز پڑھنا ہے تو یوں کہے: نیت کرتا ہوں چار رکعت نماز فرض، واسطے اللہ تعالیٰ کے، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف، وقتِ ظہر کا۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے۔

اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو امام کے پیچھے ہونے کی بھی نیت کرے یعنی یوں کہے کہ پیچھے اس امام کے۔ اور فرض میں وقت کا دل میں متعیّن کرنا ضروری ہے۔ یعنی یہ نیت دل میں ہو کہ فرض ظہر کا پڑھتا ہوں اگر چہ زبان سے عصر نکلا ہو۔ اور سنت اور نفل میں صرف نماز کی نیت کرنا کافی ہے۔

نماز پڑھنے کا طریقہ

سوال: نماز کیا ہے کس طرح پڑھی جاتی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے مؤمن بندے کو ایک خاص طریق سے پاک ہو کر پانچ وقتوں میں جس

طرح اپنی عبادت کرنے کا طریقہ بتایا ہے اس کو نماز کہتے ہیں۔

طریقہ اس کے پڑھنے کا یہ ہے کہ اوّل خاص طریق سے پاک ہو کر کھڑے ہو کر نیت کرتے ہیں پھر کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ مرد ناف کے نیچے اور عورتیں سینے پر، پھر سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھتے ہیں۔ پھر أَعُوْذُ بِاللّٰهِ اور بِسْمِ اللّٰهِ پھر اَلْحَمْدُ اور کوئی سورت پڑھتے ہیں، پھر جھک جاتے ہیں جس کو رکوع کہتے ہیں۔ رکوع میں تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ پڑھتے ہیں۔ پھر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہہ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر اللّٰه أكبر کہہ کر ماتھا اور ناک زمین پر ٹیک دیتے ہیں جس کو سجدہ کہتے ہیں اور سجدے میں تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى کہتے ہیں۔ پھر دوسرا سجدہ کرتے ہیں، پھر اللّٰه أكبر کہہ کر سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ ایک رکعت ہوگئی۔

اسی طرح جتنی رکعتیں پڑھنا ہوں پڑھتے ہیں، مگر بعد کی رکعتوں میں ثنا اور تعوذ نہیں پڑھتے۔ اور اگر فرض صرف دو رکعتیں پڑھنا ہوں تو دوسری رکعت پوری کر کے بیٹھ جاتے ہیں اس کو قعدہ کہتے ہیں۔ اس میں التحیات، درود شریف اور دُعا پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیتے ہیں۔ یعنی دائیں طرف منہ کر کے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کہتے ہیں اور اسی طرح بائیں طرف منہ کر کے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کہتے ہیں۔ اور اگر تین یا چار رکعت پڑھنی ہوں تو دوسری رکعت میں بیٹھ کر صرف تشہد پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور تین رکعت والی میں تیسری رکعت میں اور چار رکعت والی میں چوتھی رکعت میں بیٹھ کر تشہد اور درود شریف اور دُعا پڑھ کر دائیں اور بائیں سلام پھیر دیتے ہیں۔ اور فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد پڑھنا سنت ہے اور سورت نہیں پڑھتے۔

نماز میں اعضا کو کہاں کہاں رکھے

سوال: نماز میں اعضا کو کس وقت کہاں رکھنا چاہیے؟

جواب: تکبیرِ تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ کانوں کی دونوں لو کے مقابل اس طرح رکھو کہ

انگلیاں سیدھی ہوں، ہتھیلیاں قبلہ کی جانب، پھر تکبیر کہہ کہ دونوں ہاتھ ناف کے نیچے اس طرح باندھے جائیں کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر ہو اور انگوٹھے اور چھنگلی سے حلقے کے طور پر گٹے کو پکڑ لو اور باقی تین انگلیاں کلائی پر ہوں۔ اور نظر سجدے کی جگہ رہے، قرأت ختم کرنے کے بعد رکوع میں دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر انگلیوں کو خوب کھول کر جما کر رکھے، اور نظر قدم پر رکھے، اور سر اور پچھلا حصّہ بالکل برابر رہے، پھر قومہ میں سیدھا کھڑا ہو کر سجدہ میں جائے اس طرح کہ پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے، پھر دونوں ہاتھ سجدے کی جگہ پر دونوں کانوں کے مقابل رکھے، دونوں کہنیوں کو پسلیوں اور رانوں سے جدا رکھے، اور زمین پر نہ رکھے، نگاہ ناک پر رہے، ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی ہونی چاہییں، سجدے سے اُٹھتے وقت پہلے پیشانی پھر ناک اور پھر ہاتھ اُٹھا کر تکبیر کہتا ہوا اُٹھے اور سیدھا بیٹھ جائے، پھر تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کرے، پھر تکبیر کہتا ہوا اُٹھے، دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں "رَبِّ اغْفِرْلِيْ" کہے، پھر بقیہ نماز کو اسی طرح پوری کرے، پھر قعدہ میں گود پر نگاہ رکھے۔ اور سلام پھیرتے وقت منفرد (اکیلا نماز پڑھنے والا) سلام کے اندر صرف فرشتوں کی نیت کرے، اور امام کے مقابل مقتدی دونوں جانب سلام پھیرتے وقت امام کی نیت بھی کرے اور فرشتوں کی بھی۔ اور جو مقتدی امام کے مقابل نہ ہو تو جس طرف امام ہو اس جانب امام کی نیت کرے اور سلام پھیرتے وقت کندھوں پر نگاہ رکھے۔ اور قعدہ اور جلسہ میں انگلیاں قبلہ کی طرف اپنے حال پر چھوڑ دے۔ نہ ملائے نہ کھولے۔

اور قیام کی حالت میں دونوں قدموں کے درمیان تین انگلیوں کا فاصلہ رکھے۔ اور جلسہ اور قعدہ میں بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھ جائے اور داہنا پاؤں اس طرح کھڑا کرے کہ انگلیاں قبلہ کی طرف رہیں۔

اور عورت عام باتوں میں مثل مرد کے ہے مگر تکبیرِ تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اُٹھائے اور قیام کی حالت میں ہاتھ سینہ پر باندھے اور سجدے میں اپنی دونوں رانیں پیٹ سے ملا دے اور کہنیوں کو زمین پر رکھے۔ اور قعدہ میں بایاں پاؤں دائیں پاؤں کی طرف نکال دے اور سرین کے بل بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں بچھا دے۔

خشوع وخضوع

سوال: نماز میں خشوع وخضوع حاصل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: ہر ایک چیز کو نہایت ادب وسکون سے ادا کرے اور خود اپنی طرف سے نماز میں کوئی دوسرا خیال نہ لائے۔ جو معنی نہ جانتا ہو وہ حروف کو صاف صاف ادا کرے کہ اپنے کان میں آواز محسوس ہو اور معنی جاننے والا اس کے ساتھ ساتھ معنی کا خیال رکھ کر قرأت کرے اور اگر خیال بندھ جائے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہے ہیں تو یہ سب سے بہتر ہے۔

تعدادِ رکعات

سوال: فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشا میں کتنی کتنی رکعتیں پڑھی جاتی ہیں؟

جواب: فجر میں پہلے دو سنتِ مؤکدہ، پھر دو فرض پڑھے جاتے ہیں۔ ظہر میں پہلے چار سنتِ مؤکدہ، پھر چار فرض، پھر دو سنتِ مؤکدہ اور دو نفل پڑھے جاتے ہیں۔ نفلوں کے پڑھنے کا اختیار ہے پڑھنے سے ثواب ہوگا اور نہ پڑھنے سے کچھ عذاب نہ ہوگا۔ حتی الامکان نہ چھوڑے۔ عصر میں پہلے چار سنتِ غیر مؤکدہ اور پھر چار فرض پڑھے جاتے ہیں۔ مغرب میں تین فرض، پھر دو سنتِ مؤکدہ، پھر دو نفل ہیں۔ عشا میں پہلے چار سنت ہیں مگر ضروری نہیں غیر مؤکدہ ہیں، پھر چار فرض، پھر دو سنتِ مؤکدہ، پھر دو نفل، پھر تین وتر جو کہ واجب ہیں، پھر دو نفل پڑھتے ہیں۔

وتر کی نماز میں دوسری رکعت میں التحیات کے بعد تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوجاتے ہیں اور الحمد اور سورت پڑھنے کے بعد اللہ اکبر کہہ کر کانوں تک دونوں ہاتھ اُٹھا کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں اور دعائے قنوت پڑھتے ہیں اور پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلے جاتے ہیں، پھر باقی باتوں کو پورا کر کے دونوں طرف سلام پھیر دیتے ہیں۔

فرائضِ نماز کا بیان

سوال: نماز میں کتنی چیزیں فرض ہیں؟

جواب: آٹھ ہیں:

۱۔ نیت باندھتے وقت اللہ اکبر کہنا۔

۲۔ کھڑا ہونا۔

۳۔ قرأت کرنا۔ یعنی چھوٹی تین آیتیں یا ایک بڑی آیت کا پڑھنا۔

۴۔ رکوع کرنا۔

۵۔ سجدہ کرنا۔

۶۔ اخیر رکعت میں اتنی دیر بیٹھنا جتنی دیر التحیات پڑھنے میں لگتی ہے۔

۷۔ سجدے میں پیشانی رکھنا فرض ہے، اگر مجبوری ہو تو صرف ناک رکھنا کافی ہے۔

۸۔ اپنے کسی فعل سے نماز سے باہر نکلنا۔

واجباتِ نماز کا بیان

سوال: نماز میں کتنی چیزیں واجب ہیں؟

جواب: سولہ ہیں:

۱۔ پوری الحمد شریف پڑھنا۔

۲۔ سورت ملانا۔

۳۔ رکوع کے بعد کھڑا ہونا، جس کو قومہ کہتے ہیں۔

۴۔ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا، جس کو جلسہ کہتے ہیں۔

۵۔ ہر فرض کو ترتیب سے ادا کرنا، یعنی پہلے کھڑے ہو کر الحمد پڑھنا پھر سورت ملانا پھر رکوع کرنا پھر کھڑا ہونا پھر سجدہ کرنا۔

۶۔ دوسری رکعت پر بیٹھنا۔

۷۔ التحیات پڑھنا۔

۸۔ دُعائے قنوت پڑھنا۔

۹۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنا۔

۱۰۔ ہر چیز کو اطمینان سے ادا کرنا، یعنی ٹھہر ٹھہر کر رکوع وسجدہ کرنا۔ اور سجدے سے اُٹھ کر اطمینان سے بیٹھ کر سجدے میں جانا۔ اگر جان بوجھ کر پورا کھڑے ہوئے بغیر یا پورا بیٹھے بغیر سجدہ کیا تو نماز لوٹانا پڑے گی۔

۱۱۔ امام کا مغرب اور عشا کی پہلی دو رکعت میں اور فجر کی دونوں رکعتوں میں بلند آواز سے پڑھنا، اور ظہر عصر کی چاروں رکعتوں میں اور مغرب کی اخیر ایک رکعت میں اور عشا کی اخیر دو رکعتوں میں آہستہ پڑھنا واجب ہے۔

۱۲۔ فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرنا۔

۱۳۔ نمازِ وتر میں قنوت کے لیے تکبیر کہنا۔

۱۴۔ دونوں عیدوں کی نماز میں زائد تکبیریں کہنا۔

۱۵۔ سجدے میں زمین پر ناک رکھنا۔

۱۶۔ نمازِ عید میں دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر بھی واجب ہے۔

سننِ نماز کا بیان

سوال: نماز میں کتنی چیزیں سنت ہیں؟

جواب: بارہ ہیں:

۱۔ کانوں تک ہاتھ اُٹھانا۔

۲۔ مرد کا ناف کے نیچے اور عورت کا سینے پر ہاتھ باندھنا۔

۳۔ ثنا پڑھنا۔

۴۔ الحمد سے پہلے تسمیہ پڑھنا۔

۵۔ رکوع اور سجدے میں تسبیحات کہنا۔

۶۔ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہنا۔
۷۔ فرض کی اخیر رکعتوں میں الحمد پڑھنا۔
۸۔ درود شریف پڑھنا۔
۹۔ دُعا پڑھنا۔
۱۰۔ دوسرا اسلام کہنا۔
۱۱۔ سلام کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا۔
۱۲۔ تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ نماز میں دوسری تکبیریں کہنا۔

نماز کو فاسد کرنے والی چیزوں کا بیان

سوال: نماز کے اندر کن باتوں کے کرنے سے نماز نہیں ہوتی؟
جواب: وہ بارہ چیزیں ہیں:

۱۔ قصداً یا بھول کر نماز میں بولنا۔
۲۔ نماز میں آہ، اُف، ہائے کرنا۔
۳۔ زور سے رونا۔
۴۔ قرآن شریف میں دیکھ کر پڑھنا۔
۵۔ کسی کے سلام کا جواب دینا۔
۶۔ چھینکنے والے کے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنے پر یَرْحَمُكَ اللّٰہ کہنا۔
۷۔ نماز میں کچھ کھا لینا۔
۸۔ کسی خوشی کی خبر سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنا یا غم کی خبر سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا۔
۹۔ اللہ اکبر میں اللہ کے الف کو، یا اکبر کے الف کو، یا اکبر کے ب کو بڑھا دینا۔
۱۰۔ اتنا مڑ جانا کہ سینہ قبلہ کی طرف سے مڑ جاوے۔
۱۱۔ عورت یا مرد کا نماز میں جوڑا باندھنا۔
۱۲۔ بچے کا نماز میں چھاتی سے دودھ پینا۔

مکروہاتِ نماز کا بیان

سوال: نماز کے اندر کن کن باتوں کے کرنے سے نماز کا ثواب کم ہو جاتا ہے؟

جواب: کپڑوں یا بدن یا زیور سے کھیلنا، کنکریوں کا ہٹانا بشرطے کہ سجدہ کیا جا سکتا ہو، انگلیاں چٹخانا، کولہے پر ہاتھ رکھنا، دائیں بائیں گردن موڑ کر دیکھنا، بلا مجبوری دونوں پاؤں کھڑے رکھ کر بیٹھنا، سلام کے جواب میں ہاتھ اُٹھانا، جاندار تصویر کا سر کے اوپر یا دائیں بائیں ہونا، تصویر والے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا، کسی تسبیح کا یا آیت کا انگلیوں کے نشانوں پر گننا، دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے زیادہ لمبا کر دینا، کسی سورت کا مقرر کر لینا، کندھے پر رومال یا کوئی اور چیز ڈال کر دونوں کنارے لٹکائے رکھنا، صاف کپڑے ہوتے ہوئے میلے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا، بہت زور کی بھوک یا پیشاب یا پاخانے کی حاجت کے وقت نماز پڑھنا، سجدے کی جگہ کا ایک بالشت سے زیادہ اونچا ہونا، نماز میں کھٹمل مارنا، ہاں! اگر نماز میں سانپ بچھو آ جائے تو نماز کا توڑ دینا درست ہے۔ پھر سے پڑھ لے۔

قضا نمازوں کا بیان

سوال: نماز کو اگر اپنے وقت پر نہ پڑھ سکے تو پھر کب پڑھے؟

جواب: سورج نکلنے اور غروب ہونے اور ٹھیک دوپہر کے وقت جس کو زوال کہتے ہیں، نہ پڑھے۔ باقی جس وقت جی چاہے پڑھ سکتا ہے۔ البتہ اگر پوری عمر میں صرف پانچ نمازیں قضا ہوئیں تو اگر وقتی نماز کا وقت تنگ نہ ہو یا قضا نماز بھول نہ گیا ہو تو پہلے ترتیب سے پانچوں قضا نمازیں پڑھ لینا ضروری ہے، پھر وقتی نماز پڑھے، اگر چھ یا چھ سے زیادہ نمازیں قضا ہو گئی ہوں تو پھر جب چاہے پڑھ لے، مگر جہاں تک ہو سکے جلدی پڑھے، موت کی کیا خبر کب آ جائے۔ اور قضا صرف فرض اور وتر کی ہے سنت کی نہیں ہے۔ اور اگر صرف وتر کی نماز قضا ہو گئی ہے تو اگر صبح کے فرض کے لیے وقت تنگ

نہ ہو اور وتر بھی نہ بھولا ہو تو پہلے وتر پڑھ لے۔ اگر بلا وتر پڑھے صبح کی نماز پڑھ لی تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ اور اگر عشا کی نماز پڑھ کے سو گیا اور تہجّد کے وقت وضو کر کے تہجّد اور وتر پڑھ لیے پھر یاد آیا کہ عشا کی نماز بے وضو پڑھی تھی تو صرف عشا کی قضا پڑھے وتر اور تہجّد نہ پڑھے۔

اگر نمازیں قضا ہو گئیں ہوں اور ادا نہ کر سکا تو ان نمازوں کا فدیہ دینے کی وصیّت کرنا واجب ہے، ورنہ سخت گناہ گار ہوگا۔ اور فدیہ ہر نماز کا تقریباً دو سیر (دو کلو) گندم یا اس کی قیمت یا ہر نماز کے عوض دو وقت کا کھانا کھلانا ہے۔ لہٰذا مع وتر چھ نمازوں کا فدیہ بارہ سیر (بارہ کلو) گندم ہے خواہ اتنی گندم دے دے، یا اتنے کی قیمت دے دے، مگر ایک مسکین کو دو سیر گندم یا اس کی قیمت سے کم نہ دے اور نہ ایک دن میں ایک مسکین کو دو سیر سے زیادہ دے۔

سوال: اگر زیادہ نمازیں قضا ہوں اور ادا کرنا شروع کر دیا اور پانچ یا اس سے کم نمازیں رہ گئیں ہوں تو کیا اب بھی ترتیب سے ادا کرے؟

جواب: جب تک نمازیں سب ادا نہ ہو جائیں اس وقت تک ترتیب ضروری نہیں ہے۔

سوال: نماز قضائے عمری کیا ہے؟

جواب: قضائے عمری اسے کہتے ہیں کہ بہت سی نمازیں زمانۂ بلوغ سے نہیں پڑھیں پھر خیال ہوا، نفس کو ملامت ہوئی اور نماز پڑھنا شروع کی مگر پچھلی نمازیں جو کہ چھوٹ گئی تھیں ان کا اندیشہ لگا ہوا ہے کہ ان کا کیا ہوگا۔ تو ان کو ادا کرنے کا نام قضائے عمری ہے۔ اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ بہت غور و سوچ سے معلوم کرے کہ میں نے کب سے نمازیں نہیں پڑھیں، جتنے کو دل کہے کہ اتنے سال کی نہیں پڑھیں بس اتنی ہی لازم ہیں۔ اور ہر نماز کو وقتی نماز کے ساتھ پڑھ لیا کرے۔ اس طرح نیت کرے کہ میرے ذمہ جو اتنے سال کی نمازیں ہیں ان میں سے پہلے سال کی صبح کی پہلی نماز پڑھتا ہوں۔ اسی طرح دوسرے وقت نیت کرے، یا ہر دفعہ صرف سابقہ اوّل قضا (فجر یا ظہر وغیرہ) کہہ لے۔ اگر سال، مہینہ، دن یاد ہو تو اس کا نام لینا ضروری ہے۔ مثلاً: یوں

کہے کہ فلاں سال، فلاں مہینہ، فلاں تاریخ کی صبح کی نماز پڑھتا ہوں۔ اگر بلا دن، تاریخ اور سال متعیّن کیے ہوئے نماز پڑھ لی تھی اگر لوٹانا آسان ہو تو لوٹا لے ورنہ خیر وہی کافی ہیں۔ اگر قضا نماز جماعت سے ادا کی جائے تو جہری نماز کو جہر سے اور سری نماز کو آہستہ پڑھنا واجب ہے۔

سوال: اگر سب نمازیں قضا ادا نہیں کر سکا تھا کہ موت آ گئی تو کیا بقیہ نمازوں کا سوال اور سزا کا مستحق ہوگا؟

جواب: جب اس کی نیت سب نمازوں کے ادا کرنے کی تھی اور موت درمیان میں آ گئی جو کہ غیر اختیاری ہے تو پھر اس کی نیت کی وجہ سے سب کا ادا ہونا ہی شمار ہوگا اور عذاب کا مستحق نہ ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، لیکن شرعاً وصیّت کرنا اس کے ذمہ واجب ہے کہ قضا شدہ نمازوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔

سوال: کیا قضا نماز فجر وعصر کے فرض کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں؟ سنا ہے کہ فجر وعصر کے فرض کے بعد کوئی نماز درست نہیں؟

جواب: فجر وعصر کے فرض کے بعد نفل نماز پڑھنا درست نہیں، قضا نماز، سجدۂ تلاوت، نمازِ جنازہ یہ سب درست ہیں۔

نمازِ توبہ کا بیان

سوال: نمازِ توبہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: نمازِ توبہ اسے کہتے ہیں کہ مسلمان سے اچانک اتفاقیہ یا خدا نا خواستہ قصداً کوئی گناہ ہو جائے تو دو رکعت نفل توبہ کی نیت سے پڑھے۔ اس طرح نیت کرے کہ نیت کرتا ہوں دو رکعت نفل توبہ، واسطے اللہ تعالیٰ کے، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف، اللہ اکبر۔ پھر جس طرح نفل پڑھے جاتے ہیں اسی طرح نفل پڑھ کر ایک تسبیح استغفار کی پڑھے اور ہاتھ اُٹھا کر شرمندگی کے ساتھ معافی کی درخواست کرے۔ خوب گڑگڑائے۔ جب طبیعت میں سکون سا معلوم ہو پس سمجھے میری توبہ قبول ہوگئی۔

سوال: کیا اس طرح توبہ کرنے سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں چاہے حقوق اللہ نماز، روزہ وغیرہ ادا نہ کرنے کا گناہ ہو، یا حقوق العباد کسی کے مال زمین وغیرہ کے مار لینے، تلف کردینے، چُرانے، غصب کرنے کا گناہ ہو؟

جواب: توبہ کرنے سے وہ گناہ جو حقوق اللہ میں سے ہیں اور ان کے کرنے سے روکا گیا ہے وہ تو بالکل ہی معاف ہوجاتے ہیں سوائے توبہ کے اور کچھ کرنا ہی نہیں پڑتا۔ جیسے: جھوٹ بولنا، کسی کو بد نگاہ سے دیکھنا، لوگوں کے سامنے ران گھٹنا کھولنا، مرد کو لنگی پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، ڈاڑھی مونڈنا، عورت کا لہنگا پہننا، جہاں ساڑھی کا عام رواج نہ ہو وہاں ساڑھی باندھنا، عورت کا ٹخنے کھولنا، سر کے بال کھولنا، نامحرم کے سامنے کلائی بازو کھولنا، بے پردہ ہونا۔ اور جو حقوق اللہ ایسے ہیں جن کے کرنے کا حکم کیا ہے اور ان کو نہ کیا جیسے نماز روزہ وغیرہ ان کے ترک پر جو گناہ ہوا وہ تو توبہ کرنے سے معاف ہوجائے گا مگر ان کو قضا کرنا پڑے گا۔

اور جو حقوق العباد میں سے ہیں انھیں بھی توبہ کے ساتھ یا ان کو ادا کرنا چاہیے یا معاف کرانا چاہیے، جیسے: امانت میں خیانت کرنا، چوری کرنا، زمین وغیرہ غصب کرنا، قرض ہونا، غیبت کرنا۔

سوال: یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں وظیفہ پڑھنے سے فلاں تسبیح پڑھنے سے اس قدر گناہ معاف ہوجاتے ہیں یا سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں تو پھر اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: مہربانِ من! بندہ بڑے بڑے گناہوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے گناہوں میں بھی ہر وقت ملوث رہتا ہے اور نیز بندے کی عبادت بھی کوتاہی سے خالی نہیں تو جو شخص مستحبات ونوافل پڑھتا ہے، کوئی تسبیح پڑھتا ہے تو اس تسبیح ونفل اور وظیفہ سے جو گناہِ صغیرہ ہیں وہ تو بلا توبہ معاف ہوجاتے ہیں اور عبادت کی کوتاہی کو درگزر کرکے اس عبادت کو کامل بنا دیا جاتا ہے۔ مگر گناہِ کبیرہ بغیر توبہ و بِلا ادا کیے ہوئے اور بندے سے بدون معاف کرائے معاف نہیں ہوتے۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ توبہ کے بعد کوئی بہت ہی عبادت گزار اور تقویٰ اختیار کرنے والا

ہو جائے تو اللہ تعالیٰ خود اس کی طرف سے صاحبِ حق کو جنّت کی نعمتیں دے کر خوش کر دیں اور معاف کرا دیں۔

نفل نماز کا بیان

سوال: نفل نماز کس کس وقت کی ہیں؟

جواب: علاوہ ان نفلوں کے جو پنج گانہ نماز میں بعض وقتوں میں پڑھے جاتے ہیں اور جن کو بزرگ لوگ اکثر پڑھتے ہیں وہ یہ ہیں: تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوء، اشراق، چاشت، اوّابین، تہجّد، صلاۃ التسبیح۔

نفل نماز شروع کر کے توڑ دینے سے قضا کرنا واجب ہے اور قضا دو رکعت کی لازم ہوتی ہے۔

سوال: ان نمازوں کے اوقات بیان کیجیے اور طریقہ بیان فرمائیے۔

جواب: ''تحیۃ الوضوٗ'' اسے کہتے ہیں کہ وضو کے بعد دو رکعت نفل تحیۃ الوضو کی نیت سے پڑھی جائیں۔

''تحیۃ المسجد'' اسے کہتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد کی نیت سے دد رکعت پڑھی جائیں۔

''اشراق'' اسے کہتے ہیں کہ صبح کی نماز کے بعد اسی جگہ قرآن شریف یا کوئی ذکر وظیفہ پڑھتے ہیں اور جب سورج سوا نیزے کی مقدار اونچا ہو جائے یعنی دس پندرہ منٹ بعد از طلوع تب دو چار یا چھ رکعت اشراق کی نیت سے پڑھ لیں۔

''چاشت'' اس نماز کو کہتے ہیں کہ جب سورج کچھ زیادہ اونچا ہو جائے تب چاشت کی نیت سے کم از کم دو چار رکعت پڑھ لیں۔ اور اگر فرصت نہ ہو تو اشراق کے ساتھ ہی چاشت پڑھ لے تب بھی چاشت کی نماز ہو جائے گی۔ ان نمازوں کا بڑا ثواب ہے۔ ایک عمرہ اور حج کا ثواب ملتا ہے۔

''اوّابین'' اس نماز کو کہتے ہیں جو کہ مغرب کی سنتوں کے بعد چھ رکعت نفل کم از کم پڑھی جاتی ہیں۔

''تہجّد''اس نماز کو کہتے ہیں جو کہ آخر شب میں کم از کم چار رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت پڑھی جاتی ہیں۔ اور اگر آخر شب میں نہ اُٹھ سکے تو عشا کے وتر سے قبل یا بعد پڑھ لی جائیں تب بھی ثواب قریب تہجّد کا ہوگا۔ بہ نسبت دوسری نفلوں کے تہجّد کی نفلوں کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ اور چوں کہ بعض حضرات نے تہجّد کو سنتِ مؤکدہ کہا ہے اس لیے اگر آخر شب میں نہ پڑھ سکیں تو عشا کے وقت ہی کم از کم چار رکعت پڑھ لیا کریں۔

''صلاۃ التسبیح''، اس نماز کا حدیث شریف میں بہت بڑا ثواب آیا ہے، ہوسکے تو ہر روز پڑھ لے، ہر روز نہ ہوسکے تو ہفتہ میں ایک دفعہ پڑھ لے، اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو ہر مہینہ میں، یا ایک سال میں ایک بار، یہ بھی نہ ہوسکے تو کم از کم عمر بھر میں تو ایک دفعہ پڑھ ہی لے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ چار رکعت نفل صلاۃ التسبیح کی نیت سے تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور ثنا اور سورۂ فاتحہ اور سورت کے بعد پندرہ دفعہ یہ تسبیح پڑھے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ.

پھر رکوع میں جائے اور رکوع کی تسبیح کہہ کر پھر یہی تسبیح دس دفعہ پڑھے۔ پھر قومہ میں سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہہ کر یہی تسبیح دس دفعہ پڑھے، پھر سجدے میں سجدے کی تسبیح پڑھ کر یہی تسبیح دس دفعہ پڑھے، پھر سجدے سے اُٹھ کر جلسے میں یہی تسبیح دس دفعہ پڑھے، پھر دوسرے سجدے میں یہی تسبیح دس دفعہ پڑھے، پھر دوسرے سجدہ سے اُٹھ کر بیٹھ جائے اور یہی تسبیح دس دفعہ پڑھے، پھر کھڑا ہو جائے، یہ ایک رکعت ہوگئی۔ اسی طرح باقی تینوں رکعتیں پڑھے کہ قیام میں یہ تسبیح پندرہ دفعہ اور باقی جگہ دس دس دفعہ پڑھے۔ دوسری رکعت میں یہ تسبیح دس دفعہ پڑھ کر التحیات پڑھی جائے، پھر کھڑا ہو جائے اور چوتھی رکعت میں یہ تسبیح دس دفعہ پڑھ کر التحیات، درود شریف اور دُعا پڑھ کر سلام پھیر دیا جائے۔

سوال: کیا نفل نماز میں کوئی خاص سورت پڑھی جائے؟

جواب: جی نہیں! جس طرح دوسری نماز پڑھی جاتی ہے اسی طرح نفل بھی ہیں۔ کسی سورت کا مقرر کرنا مکروہ ہے۔ بعض مشایخ نے کسی مرید کو جو خاص خاص سورتیں نفل میں بتلا دی تھیں

وہ اس کے لیے خاص ضرورت سے اور خاص وقت تک کے لیے تجویز کردی تھیں۔ دوسروں نے مخصوص سمجھ لیا۔ جیسا کہ بعض بزرگوں نے اپنے بعض ایسے مریدوں کو جن کو ذکر وغیرہ کی فرصت نہ ہوئی تھی، یہ تجویز کردیا کہ ہر نماز کے بعد لا إلـٰه إلا اللّٰہ کہہ لیا کرو۔ اب بعض لوگوں نے اس کو عام کرلیا اور سلام کے بعد اس زور سے پڑھتے ہیں کہ لوگوں کی نماز میں خلل آجاتا ہے۔ اگر پڑھنا ہے تو ذرا آہستہ پڑھیں۔

سفر کی نماز کا بیان

سوال: سفر میں کتنی رکعتیں فرض ہیں؟

جواب: اگر اڑتالیس میل یعنی تقریباً سوا ستتر کلو میٹر کا سفر ہو تو راستے میں چار رکعت والی نماز فرض میں دو رکعت پڑھی جائیں گی۔ اور باقی نمازِ فرض (فجر، مغرب) اسی طرح پڑھی جائیں گی۔ اور سنتوں میں اختیار ہے، اگر وقت کی گنجایش دیکھے پڑھ لے ورنہ نہیں۔

اور جہاں جانا تھا وہاں پر پہنچ گیا تو اگر وہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہے تو چار رکعت والے فرض دو رکعت پڑھے جائیں گے۔ اور اگر سفر میں ظہر یا عصر کی یا عشا کی نماز قضا ہوگئی تو چوں کہ سفر میں ان وقتوں میں دو فرض پڑھے جاتے ہیں لہٰذا اب سفر میں یا گھر میں پہنچ کر دو ہی قضا پڑھے جائیں گے۔

اور اگر ٹھہرنے کی نیت نہ کی بلا نیت برسوں ٹھہرا رہا تو قصر ہی پڑھتا رہے۔ اور اگر پندرہ دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت کی تو پوری پوری نماز پڑھے۔

اور اڑتالیس میل کا اعتبار اس راستے کا ہے جس راستے سے کہ سفر کیا۔ خواہ وہ دوسرے راستہ سے قریب ہو۔ مثال کے طور پر جیسے جلال آباد سے مظفّر نگر بیس میل ہے قصر نہیں، مگر سہارنپور کے راستے ریل یا پیدل سے اڑتالیس میل سے زیادہ ہے۔ لہٰذا قصر ہوگا۔

سوال: کس وطن میں پوری نماز پڑھی جانی ضروری ہے؟

جواب: وطن تین قسم کے ہوتے ہیں: وطنِ اصلی، وطنِ اقامت، وطنِ سفر۔

وطنِ اصلی وہ ہے جہاں جدی طور پر بود و باش، رہنا سہنا، اہل و عیال

ہوں، یا کسی جگہ کو اس طرح مقرر کرلیا ہو اور آبائی وطن کو بالکل ترک کردیا ہو، جیسے: آں حضرت ﷺ نے اپنا وطنِ اصلی مکّہ معظّمہ ترک کر کے مدینہ طیّبہ کو وطن قرار فرمالیا۔ اسی طرح مثلاً کوئی شخص جلال آباد جو کہ اپنا آبائی وطن ہے، چھوڑ کر بھوپال چلا جائے اور وہاں سکونت اختیار کرلے اور جلال آباد بالکل ترک کردے کہ مکان جائیداد سب فروخت کردی یا بطورِ آمدنی رکھی مگر سکونت ترک کردی، تو اب بھوپال وطنِ اصلی ہوگیا۔

اور وطنِ اقامت وہ ہے جہاں پندرہ دن یا اس سے زیادہ مدت ٹھہرنے کی نیت کرے۔ مثلاً: ملازمت وغیرہ کے لیے۔ اور وہ مقام اپنے وطنِ اصلی سے اڑتالیس میل ہو۔

اور وطنِ سفر وہ ہے کہ جہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت ہو، یا کچھ نیت نہ ہو اور برسوں ٹھہرا رہے۔

جب یہ سمجھ میں آگیا تو سنو! پہلے وطنِ اصلی کو دوسرا وطنِ اصلی باطل کردیتا ہے۔ یعنی پہلے وطنِ اصلی میں واپس آجائے تو نمازِ قصر پڑھنا ہوگی جب تک پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ ہو۔

اور وطنِ اقامت وطنِ اصلی کو باطل نہیں کرتا۔ یعنی اگر کسی وطنِ اقامت سے وطنِ اصلی جائے خواہ تھوڑی دیر ہی کے لیے سہی تب بھی نماز کے وقت پوری نماز لازم ہوگی۔ غرض کہ وطنِ اصلی میں داخل ہوتے ہی وطنِ اقامت باطل ہوجاتا ہے۔

پہلا وطنِ اقامت دوسرے شہر کو وطنِ اقامت قرار دینے سے باطل ہوجاتا ہے اور اسی طرح سفر سے بھی باطل ہوجاتا ہے۔ یعنی اگر کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت کی اور وہاں سے دوسری جگہ کا سفر کیا خواہ وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہو یا نہ ہو تو وہ پہلا وطنِ اقامت باطل ہوگیا۔ پھر اگر وہاں واپس ہوگا تو جب تک مستقل نیت پندرہ دن ٹھہرنے کی نہ ہوگی قصر کرے گا۔ اگر دو جگہ ٹھہرنے کی نیت ہو کہ پندرہ دن فلاں جگہ اور پندرہ دن فلاں جگہ پر ٹھہروں گا تب بھی قصر نہ ہوگا۔

سوال: کیا اقامت کی نیت کے بعد وطنِ اقامت سے دوسری جگہ چلا گیا پھر رات کو اسی پہلی جگہ وطنِ اقامت میں آجائے تو پوری نماز پڑھے؟

جواب: اگر دوسری جگہ شرعی مسافت سے کم ہے تو پھر یہ وطنِ اقامت باطل نہیں ہوگا اور یہ نماز

پوری پڑھے گا۔ اور اگر شرعی مسافت پر ہے تو اب وطنِ اقامت باطل ہو گیا جب تک دوبارہ اس میں پندرہ یوم کے ٹھہرنے کی نیت نہ کرے گا قصر کرے گا۔

سوال: دو جگہ ٹھہرنے کی نیت کرے ان میں سے ایک شہر ہے اور دوسرا اس کے تابع فنائے مصر[1] تو کیا حکم ہے؟

جواب: دونوں جگہ مقیم کا حکم ہے دونوں جگہ پوری نماز پڑھے۔ جیسے مظفّر نگر اور سروٹ[2] کہ دس دن مظفّر نگر ٹھہرنے کا ارادہ کرے اور پانچ روز سروٹ کا تو دونوں جگہ پوری نماز پڑھی جائے گی۔

سوال: مقتدی مسافر امام مقیم کے پیچھے نماز پڑھے تو کیا قصر کرے یا امام کی اتباع میں پوری نماز پڑھے؟

جواب: مقتدی مسافر مقیم امام کے پیچھے پوری نماز پڑھے۔ چاہے ابتدا سے شریک ہوا ہو یا کچھ رکعت چھوٹ جانے کے بعد شریک ہوا ہو۔

سوال: کیا مسافر کے پیچھے مقیم مقتدی پوری نماز پڑھے؟

جواب: جی ہاں! پوری پڑھے۔ امام مسافر سلام پھیرنے کے بعد یا شروع میں مقتدیوں کو کہہ دے کہ میں مسافر ہوں آپ اپنی نماز پوری کرلیں۔ لہٰذا مقتدی کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھے بغیر اتنی دیر کھڑے ہو کر جتنی دیر میں سورۂ فاتحہ ختم ہوتی ہے، رکوع میں چلا جائے۔ اسی طرح دوسری رکعت میں کرے۔

اگر مقتدی مقیم مسبوق ہو تو اوّل گئی ہوئی رکعت دو ہوں یا ایک، قرأت کے ساتھ پڑھے، پھر باقی رکعت سکوت کے ساتھ ادا کرے۔ مثلاً: امام مسافر نے ظہر کی نماز پڑھائی دو رکعت ہو چکی قعدہ میں تھا کہ مقیم مقتدی بنا، اب اس مقتدی مقیم کو چاہیے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اوّل دو رکعتیں قرأت سے ادا کرے، پھر باقی آخر دو رکعت میں بقدرِ قیام خاموش رہ کر رکوع کرے اور اس طرح چار رکعت پوری کر کے سلام پھیر دے۔

---

[1] اس شہر کی نواحی بستی۔ [2] ہندوستان میں یہ دو جگہوں کے نام ہیں، مظفّر نگر شہر ہے، سروٹ اس کے متعلقات میں سے ہے اور ان کا ذکر بطور مثال کے ہے۔

سوال: اگر امام مسافر پوری نماز پڑھا دے تو کیا حکم ہے؟

جواب: مقیم مقتدیوں کو دوبارہ نماز پڑھنی چاہیے۔

اگر مسافر قصداً چار رکعت پڑھے اور دوسری رکعت میں بیٹھ جائے تو نماز تو ہو جائے گی مگر گناہ گار ہوگا۔ اعادہ کرلے۔ اور اگر بھول کر چار پڑھ لے اور دوسری رکعت میں بیٹھ جائے تو سجدۂ سہو کرلے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

جماعت کے احکام

سوال: امام کا ذکر بار بار آیا ہے کیا امام کا ہونا اور جماعت سے نماز فرض ادا کرنا ضروری ہے؟

جواب: جی ہاں! نماز شروع ہی سے جماعت کے ساتھ فرض ہوئی تھی۔ جو شخص بلا عذرِ شرعی جماعت ترک کردے اس کی نماز ناقص ہے۔ جماعت سے نماز پڑھنا قریب واجب کے ہے۔

سوال: وہ کون سے عذر ہیں جن سے جماعت کا ترک کرنا جائز ہے؟

جواب: ترکِ جماعت کے چودہ عذر ہیں:

۱۔ بقدرِ ستر کپڑا نہ ہونا۔

۲۔ سخت کیچڑ کا ہونا۔

۳۔ سخت بارش کا ہونا۔

۴۔ سخت سردی کہ بیمار ہو جانے یا بیماری بڑھ جانے کا گمان غالب ہو۔

۵۔ مال چوری ہونے کا خوف۔

۶۔ دشمن کا خوف۔

۷۔ قرض خواہ کے تکلیف پہنچانے کا خوف ہو۔

۸۔ سخت اندھیرا ہو۔

۹۔ رات کو سخت آندھی ہو۔

۱۰۔ تیمارداری۔

۱۱۔ سخت بھوک کا ہونا۔

۱۲۔ زور سے پیشاب یا پاخانہ معلوم ہونا۔

۱۳۔ سفر کا ارادہ اور قافلہ یا ریل کے نکل جانے سے پریشانی۔

۱۴۔ ایسی بیماری ہو کہ چل نہ سکے۔

سوال: کیا دوبارہ جماعت کرنا مسجد میں درست ہے؟

جواب: جس مسجد میں امام اور مؤذن مقرر نہ ہو اور نہ وہ مسجد محلّہ کی ہو تو دوسری مرتبہ جماعت کرنا درست ہے اور جو مسجد محلّہ کی ہو اور اس میں مؤذن اور امام مقرر ہوں اور محلّہ کے کچھ لوگ مقررہ طور سے نماز پڑھنے آتے ہوں تو اس میں دوبارہ جماعت مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔

سوال: امام کیسا ہونا چاہیے اور کس کی نماز کس کے پیچھے نہیں ہوتی؟

جواب: سب سے زیادہ مستحق امامت کا وہ شخص ہے جو نماز کے مسائل سے خوب واقف ہو اور قرآن شریف صحیح پڑھتا ہو اور اس قدر قرآن شریف حفظ کر چکا ہو کہ مسنون طریقے سے ہر نماز میں پڑھ سکے۔

پھر وہ شخص جو قرأت کے موافق پڑھتا ہے، پھر متّقی، پھر زیادہ عمر والا، پھر اچھے اخلاق والا، پھر خوب صورت، پھر شریف، پھر اچھی آواز والا، پھر وہ جو عمدہ لباس پہنتا ہو، پھر وہ جس کا سر سب سے بڑا ہو تناسب کے ساتھ، پھر وہ کہ جس میں زیادہ وصف ہوں وہ اس سے مقدم ہے، جس میں اس کی نسبت کم وصف ہوں۔

کسی کے گھر نماز پڑھنا ہو تو گھر والا زیادہ مستحق ہے بشرطے کہ بالکل جاہل نہ ہو، ورنہ وہ جس کو امام بنائے وہ امام ہونے کا مستحق ہے۔ جس مسجد میں امام مقرر ہو دوسرے کو حق نہیں کہ بدون اس کی اجازت کے امامت کرے، بعد اجازت مضایقہ نہیں۔

حاکم اسلام و سلطانِ اسلام کے ہوتے ہوئے دوسرے کو امامت کا حق نہیں۔ فاسق و بدعتی کو امام بنانا مکروہِ تحریمی ہے۔ ہاں! خدانا خواستہ ایسے شخص کے علاوہ دوسرا شخص وہاں نہ ہو تو پھر مجبوری ہے۔ مگر کراہت ختم نہیں ہوگی گو ذمہ سے فرض اتر جائے گا۔ مگر ثواب میں کمی ہوگی۔ یا فاسق و بدعتی قوت والے ہوں کہ ان کو الگ کرنے پر قدرت نہیں فتنہ

برپا ہوگا تب بھی فرض ساقط ہو جائے گا۔ مقتدیوں پر کچھ گناہ نہیں۔ البتہ جن لوگوں نے اپنے اختیار سے فاسق یا بدعتی امام کو مقرر کیا ان کی نماز مکروہ ہوگی۔ اور انھیں ایسے امام کے مقرر کرنے کا گناہ ہوگا۔ گاؤں کا رہنے والا، نابینا، ولد الزنا، بالغ حسین، بے ڈاڑھی مونچھ، بے عقل، ان کو امام بنانا مکروہِ تنزیہی ہے۔ البتہ نابینا، ولد الزنا، گاؤں کے رہنے والے صاحبِ علم وفضل ہوں اور ناپاکی کی احتیاط رکھنے والے ہوں اور لوگوں کو ان کا امام بنانا ناگوار نہ ہو تو پھر مکروہِ تنزیہی نہیں ہے۔

امام کو زیادہ بڑی بڑی سورتیں جو مقدارِ مسنون سے بھی زیادہ ہوں یا رکوع سجدے وغیرہ میں زیادہ دیر تک رہنا مکروہِ تحریمی ہے۔ امام کو چاہیے کہ مقتدیوں کی ضروریات و حاجت و بیماری وضعف و بڑھاپے وغیرہ کا خیال رکھ کر رکوع وسجدے کرے۔

مرد کا صرف ان عورتوں کا امام بننا کہ جہاں نہ دوسرا کوئی مرد محرم ہو اور نہ اس امام کی کوئی محرم عورت ہو، مکروہِ تحریمی اور گناہِ کبیرہ ہے۔

امام کے علاوہ صرف ایک شخص اور ہو، بالغ مرد یا نابالغ لڑکا تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہو کہ پنجہ اس مقتدی کا امام کی ایڑی کے برابر ہو۔ اگر درمیانِ نماز میں کوئی اور مقتدی آجائے تو پہلے والا مقتدی چند قدم پیچھے ہٹ جائے، مگر آج کل مسائل معلوم نہیں اس لیے مقتدی کو ہٹانا مناسب نہیں، بلکہ امام ہی آگے بڑھ جائے کہ مقتدی سجدہ بہ سہولت اور بطریقِ سنت کرسکیں۔ اگر مقتدی عورت ہو اور محرم ہو یا لڑکی نابالغہ ہو اور جماعت کریں تو اس ایک کو بھی پیچھے ہی کھڑا ہونا چاہیے۔

اگر مختلف قسم کے لوگ جماعت میں ہوں، مرد، بالغ، نابالغ، عورت، تو پہلے مردوں کی صفیں ہوں پھر نابالغ لڑکوں کی پھر بالغہ عورتوں کی پھر نابالغہ لڑکیوں کی، اور صف قائم ہونے کے وقت امام صفوں کو دائیں بائیں دیکھ کر سیدھا کرنے کا حکم دے۔ لوگوں کو مل کر کھڑا ہونا چاہیے۔

اگر ایک شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو فجر، مغرب یا عشا کی آہستہ سے اور اس میں کوئی دوسرا شخص آکر شریک ہوگیا تو اگر اس پہلے شخص نے امام بننے کی نیت کرلی تب تو جہاں پڑھ رہا تھا وہاں سے آگے آواز سے قرأت شروع کردینا واجب ہے، اور اگر امام بننے کی نیت نہ کی تو

آواز سے پڑھنا واجب نہیں اور اس مقتدی کی نماز ہو جائے گی۔

اور اگر کسی ایسی جگہ نماز تنہا یا با جماعت پڑھی جائے جہاں لوگ گزرتے ہوں تو وہ شخص یا امام اپنے سجدہ کی جگہ کے قریب دائیں یا بائیں ابرو کے سامنے ڈیڑھ فٹ (تقریباً ۴۶ سینٹی میٹر) یا اس سے لمبی ایک انگلی کے برابر موٹی کوئی چیز (سُترہ) نصب کر لے تو بہتر ہے، تاکہ اس کے سامنے سے گزرنے والا گزرے تو گناہ گار نہ ہو۔ ورنہ جس طرح وہ گزرنے والا گناہ گار ہوگا اسی طرح یہ نمازی بھی گناہ گار ہوگا کہ ایسی جگہ کیوں کھڑا ہوا، اور سترہ کیوں نہ قائم کیا۔ ہاں! کوئی لکڑی نہ ملے نہ کوئی اوٹ کی جگہ ہو تو مجبوری ہے۔ مگر گزرنے والے کو چاہیے کہ دیکھ کر گزرے۔[1]

مقتدیوں کو ہر رکن کا امام کے ساتھ ہی بلا تاخیر ادا کرنا سنت ہے۔ تکبیرِ تحریمہ، رکوع، سجدہ، قومہ وغیرہ۔ ہاں! اگر قعدۂ اوّل میں مقتدی کی التحیات باقی ہو تو پوری کر کے کھڑا ہو۔ اسی طرح آخری رکعت میں امام سلام پھیر دے اور مقتدیوں کی التحیات ختم نہ ہوئی ہو تو ختم کر کے سلام پھیریں۔

اگر التحیات پڑھ کر مقتدی کھڑا ہو اور امام رکوع میں چلا جائے تو قیام میں تین بار سبحان اللہ کی مقدار کھڑا ہو کر رکوع میں چلا جائے، اور اسی طرح سب ارکان امام کے پیچھے ادا کرتا رہے خواہ امام کو کہیں جا کر پائے، یہ بھی اقتدا ہی ہے۔ امام سے پہلے کام کرنا اقتدا کے خلاف ہے۔

اگر تنہا فرض پڑھ لیے پھر جماعت کھڑی ہوئی تو فجر، مغرب اور عصر کی جماعت میں شریک نہ ہو۔ ظہر اور عشا میں شریک ہو جائے تو بہتر ہے اور یہ نماز نفل ہوگی۔

اگر کچھ رکعت فرض کی پڑھ لی ہوں پھر جماعت کھڑی ہو تو اگر فجر کی نماز ہو اور دوسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو نماز قطع کر کے جماعت میں شریک ہو جائے۔ اور اگر دوسری رکعت کا سجدہ کر لیا ہو تو اپنی نماز پوری کر لے۔ اور اگر مغرب کی نماز ہے تو جب تک دوسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو نماز قطع کر کے جماعت میں شریک ہو جائے۔ ورنہ اپنی نماز پوری کر لے اور جماعت

---

[1] اگر کھلی جگہ ہو تو نمازی کے کھڑے ہونے کی جگہ سے بقدر دو صف چھوڑ کر گزر جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ اسی طرح بڑی مسجد دہ در دہ (۶ء۴ میٹر لمبی اور ۶ء۴ میٹر چوڑی) میں بھی۔

میں شریک نہ ہو۔

اگر فرض ظہر، عصر، عشا کے ہوں اور پہلی رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو نماز قطع کر دے اور جماعت میں شریک ہو جائے۔ اور اگر سجدہ کرلیا ہو تو دو رکعت پوری کر کے تشہد و درود شریف و دُعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔ اور اگر دو رکعتیں پڑھ کر تیسری بھی شروع کر دی ہو اور تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو بھی سلام پھیر دے اور اگر سجدہ کرلیا ہو تو چاروں رکعت پوری کر لے۔

اور فجر و عصر و مغرب کی نمازیں پوری کر کے دوبارہ جماعت میں شریک نہ ہو، ظہر و عشا میں شریک ہو جائے۔ اور جن صورتوں میں نماز قطع کرنا ہو تو کھڑے کھڑے ایک طرف سلام پھیر دے۔

اگر نفل نماز یا ظہر کی سنتیں یا قبل جمعہ کی سنتیں شروع کر دی ہوں اور پھر فرضِ ظہر یا خطبہ شروع ہو جائے تو نفل دو رکعت اور سنت پوری کر لے۔ اگر جماعت ہو رہی ہو تو سنت شروع نہ کرے، البتہ فجر کی سنتیں مسجد سے الگ یا ایسی جگہ نہ ہو تو صف سے الگ فرض ہونے کے وقت پڑھنا جائز ہیں بشرطے کہ ایک رکعت یا جماعت مل جانے کی اُمید ہو، یا جماعت کا قعدہ مل جائے اگرچہ رکعت نہ ملے تب بھی جماعت کا ثواب ملے گا۔ جس رکعت کا رکوع مل جائے تو سمجھا جائے گا کہ وہ رکعت مل گئی۔

جماعت کے صحیح ہونے کی شرطیں

سوال: جماعت کے صحیح ہونے کی کیا کیا شرطیں ہیں؟

جواب: چودہ شرطیں ہیں:

۱۔ مسلمان ہونا۔

۲۔ عاقل ہونا۔

۳۔ مقتدی کا امام کی اقتدا کی نیت کرنا۔

۴۔ امام و مقتدی دونوں کے مکان کا متحد ہونا، حقیقتاً یا حکماً۔ حقیقتاً جیسے: دونوں ایک مسجد یا ایک گھر میں کھڑے ہوں اور حکماً جیسے: مقتدیوں کا مسجد کی چھت پر کھڑا ہونا یا گھر کی

چھت مسجد سے ملی ہو درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو، اس پر مقتدی بن کر نماز پڑھنا۔
اور بڑی مسجد میں مقتدی کا اس طرح کھڑا ہونا کہ امام و مقتدی کے درمیان دو صفوں کی جگہ خالی رہ جائے تو یہ مکان متّحد نہ سمجھا جائے گا اور نماز نہ ہوگی۔
اسی طرح پیادے کی اقتدا سوار کے پیچھے اور سوار کی اقتدا سوار کے پیچھے صحیح نہیں۔ ہاں! اگر ایک سواری پر سوار ہوں تو درست ہے۔

۵۔ مقتدی و امام کی نماز کا متّحد ہونا۔ مثلاً: دونوں آج ہی کی ظہر کی نماز پڑھتے ہوں یا دونوں کل ہی کی ظہر کی قضا پڑھتے ہوں۔

۶۔ امام کی نماز کا صحیح ہونا۔

۷۔ مقتدی کا امام سے آگے نہ ہونا، چاہے پنجے آگے ہوں یا نہ ہوں۔

۸۔ مقتدی کو امام کی نقل و حرکت مثلاً رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ، قعدہ کا علم ہونا خواہ اپنے امام و مقتدی کو دیکھ کر یا امام و مقتدی (یعنی مکبر) کی آواز کو سن کر۔

۹۔ مقتدی کو تمام ارکان میں سوائے قرأت کے امام کے ساتھ شریک رہنا خواہ امام کے بالکل ساتھ ادا کرے یا امام کے بعد یا غلطی سے امام سے پہلے ادا کرے۔ بشرطے کہ اسی رکن کے آخر تک امام اس کا شریک ہو جائے۔

۱۰۔ مقتدی کی حالت امام سے کم یا برابر ہو۔ مثلاً: کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر پڑھنے والے یا بیٹھ کر پڑھنے والے امام کے پیچھے درست ہے، وضو کر کے پڑھنے والے کی نماز تیمّم کر کے پڑھنے والے یا موزوں و پٹی پھائے پر مسح کرنے والے امام کے پیچھے درست ہے۔

۱۱۔ نفل پڑھنے والے کی اقتدا فرض و واجب پڑھنے والے کے پیچھے درست ہے۔

۱۲۔ معذور کی اقتدا معذور کے پیچھے درست ہے بشرطے کہ دونوں کا عذر ایک ہو۔ دونوں نے ایک نذر مانی ہو تو ایک کی اقتدا دوسرے کے پیچھے درست ہے۔ عورت و نابالغ کی اقتدا بالغ مرد کے پیچھے درست ہے۔ عورت کی جماعت مکروہِ تحریمی ہے۔ نابالغ عورت اور نابالغ لڑکے کی اقتدا نابالغ لڑکے کے پیچھے درست ہے۔

مرد کی اقتدا عورت کے پیچھے درست نہیں اگر چہ مرد نابالغ ہو۔ خنثیٰ کی اقتدا خنثیٰ کے پیچھے درست نہیں۔ صاحبِ عقل کی اقتدا مجنون، مست، بے ہوش کے پیچھے درست نہیں۔ طاہر غیر معذور کی اقتدا معذور کے پیچھے درست نہیں۔ ایک عذر والے کی اقتدا دو عذر والے کے پیچھے درست نہیں۔ جتنی قرأت سے نماز درست ہو جاتی ہے اس کی نماز اس کے پیچھے جس کو اتنا بھی قرآن شریف یاد نہیں، درست نہیں۔ اَن پڑھ کی اقتدا اَن پڑھ کے پیچھے درست ہے بشرطے کہ مقتدیوں میں کوئی قاری نہ ہو۔ اَن پڑھ کی نماز گونگے کے پیچھے درست نہیں۔ بقدرِ فرض جسم ڈھانپنے والے کی نماز ننگے کے پیچھے درست نہیں۔ رکوع وسجدہ کرنے والے کی اقتدا ان سے عاجز ہونے والے کے پیچھے درست نہیں۔ فرض پڑھنے والے کی اقتدا نفل پڑھنے والے کے پیچھے درست نہیں۔ نذر کی نماز پڑھنے والے کی اور کفارہ کی نماز پڑھنے والے کی اقتدا نفل پڑھنے والے کے پیچھے درست نہیں۔ جس سے حروف صاف ادا نہ ہوسکیں اس کے پیچھے صحیح پڑھنے والے کی اقتدا درست نہیں، لیکن اگر ایک آدھ حرف میں غلطی ہو جائے کہ صحیح نہ پڑھا گیا تو درست ہے۔

۱۳۔ امام کا منفرد نہ ہونا۔ مثلاً: مقتدی مسبوق ہے اس کے پیچھے اقتدا درست نہیں۔ عورت قابلِ شہوت بالغ مرد کے برابر آکر کھڑی ہو تو مرد کی نماز درست نہیں ہوگی، بشرطے کہ امام نے اس عورت کی نماز کی نیت کی ہو اور نماز مرد مقتدی اور عورت کی ایک ہی ہو۔

۱۴۔ امام کو کسی کا مقتدی نہ ہونا، پس مدرک اور لاحق کے پیچھے نماز درست نہیں۔

سوال: امام کا مقیم اور مسافر ہونا معلوم نہ ہو سکے تو کیا کرے؟

جواب: امام شہر یا گاؤں میں نماز پڑھا رہا ہو اور کسی مقیم مقتدی کو اس کے مقیم ہونے کا خیال ہو اور اس نے نماز مسافر کی طرح پڑھائی ہو، یعنی چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا اور مقتدی کو امام کے متعلق سہو کا شبہ ہوا تو مقتدی چار رکعت پوری کرے اور پھر امام کی حالت کی تحقیق کرے، اگر تحقیق سے مسافر ہونا معلوم ہو جائے تو نماز صحیح ہوگئی۔ اور اگر سہو کا ہونا معلوم ہوا یا کچھ تحقیق نہ کی تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ اور اگر امام جنگل میں نماز پڑھا رہا ہو اور اس کے مقیم ہونے کا خیال ہو اور اس نے دو

رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا اور مقیم مقتدی کو امام کے سہو کا شبہ ہوا تو اس صورت میں بھی نماز پوری پڑھ لے اور پھر تحقیق کرنا واجب تو نہیں مگر اچھا ہے اور اگر نہ معلوم کرے تو نماز صحیح ہو گئی۔

اور اگر امام چار رکعت والی نماز شہر یا گاؤں یا جنگل میں پڑھائے اور کسی مقتدی کو اس کے مسافر ہونے کا خیال ہو لیکن امام نے چار رکعت پڑھائیں تب بھی مقتدی کو تحقیق کرنا واجب نہیں نماز ہو جائے گی اور فجر و مغرب میں تو امام مقتدی سب برابر ہیں، تحقیق کی ضرورت نہیں۔

مریض کی نماز کا بیان

سوال: اگر بیماری وغیرہ کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو کس طرح نماز پڑھے؟

جواب: بیٹھ کر پڑھے۔ اگر بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر اس طرح پڑھے کہ چت لیٹ جائے پاؤں قبلہ کی طرف کر لے اور رکوع کے لیے ذرا گردن جھکائے اور سجدے کے لیے ذرا زیادہ گردن جھکا دے۔ غرضے کہ جب تک گردن سے رکوع سجدہ کرنے کا اشارہ کر سکتا ہے نماز پڑھنا فرض ہے۔ خواہ چت لیٹ کر جیسا کہ بتایا گیا ہے، اور خواہ کروٹ سے اس طرح کہ قبلہ کی طرف کروٹ لے کر منہ قبلہ کی طرف کر لے اور رکوع سجدے کے لیے گردن سے اشارہ کرے۔ اگر بیمار آدمی کا بستر نجس ہو اور بدلنے میں تکلیف ہو تو اسی پر پڑھ لینا درست ہے۔ اگر ایک دن رات سے زیادہ ایسی حالت رہی کہ سر سے اشارہ کرنے کی طاقت نہیں رہی یا ایک دن رات سے زیادہ بے ہوشی رہی تو نماز معاف ہے اچھے ہونے پر اس کی قضا نہیں، اور ایک دن رات سے زیادہ یہ حالت نہیں رہی تو نماز معاف نہیں بلکہ قضا کرے۔

اور اگر استنجا کپڑے یا ڈھیلے سے یا پانی سے نہ کر سکے اور نہ بیوی ہو کہ وہ کرا سکے تو کسی اور کو استنجا کرانا درست نہیں۔ بلا استنجا کیے ہوئے اپنی نماز پڑھ لے۔ جب تک نزع اور سانس اکھڑنے کی حالت نہ ہو نماز معاف نہیں۔ اگر کھڑا ہو سکتا ہو مگر رکوع وسجدہ نہیں کر سکتا تو بیٹھ کر نماز پڑھنا بہتر ہے۔ اگر چہ کھڑے ہو کر پڑھنا اور رکوع وسجدہ کے لیے اشارہ کرنا بھی درست ہے۔

اور اگر کچھ نماز کھڑے ہو کر پڑھی اور پھر کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی تو بیٹھ کر پڑھے اور بیٹھ کر نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر پڑھ لے۔ البتہ سر کے اشارے سے رکوع سجدہ کیا ہو اور پھر رکوع سجدہ کرنے کی قوت نماز میں آ جائے تو اب نماز پھر سے پڑھے۔

سجدۂ سہو کا بیان

سوال: اگر نماز میں کچھ غلطی ہو جائے تو کیا کیا جائے؟

جواب: وہ چیزیں جو نماز میں فرض ہیں ان میں سے کوئی قصداً یا سہواً بالکل چھوٹ گئی تب تو نماز دوبارہ سے پڑھے اور اگر وہ چیزیں جو نماز میں واجب ہیں ان کو قصداً چھوڑ دیا تب بھی نماز دوبارہ سے پڑھنا ہوگی۔ اور اگر فرض و واجب کی ادائیگی میں تقدیم یا تاخیر ہو جائے، یا فرض و واجب کی باتوں کو چند بار کر لے، یا واجب باتیں بھولے سے چھوٹ جائیں، یا ایک واجب دوسرے فرض یا واجب کے بعد ادا کیا تو سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا۔ یعنی آخری رکعت میں التحیات کے بعد سجدۂ سہو کر لیا جائے، یعنی ایک طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرنے کے بعد التحیات، درود شریف اور دُعا پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیا جائے، نماز ہو جائے گی۔ اگر بھولے سے بلا سلام پھیرے سجدۂ سہو کر لیا تب بھی نماز ہو جائے گی۔ اگر سجدۂ سہو کے بعد کوئی غلطی قابل سجدۂ سہو کے ہو جائے تو پھر سجدۂ سہو نہیں ہے۔

سوال: سلام پھیرنے کے بعد اگر قبلے سے سینہ پھر جائے بعد کو سجدہ سہو کرنا یاد آ جائے تو کیا سجدہ سہو کرنا درست ہے؟

جواب: اگر کوئی ایسی بات جو نماز میں کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، بعد سلام پھیرنے کے کر لی جائے تو پھر سجدہ کرنا درست نہیں۔ سینہ قبلہ سے پھر جانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ لہٰذا اب نئے سرے سے نماز پڑھے۔

سوال: اگر نماز میں شبہ ہو جائے کہ تیسری رکعت ہے یا چوتھی یا دوسری تو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: جس طرف گمان غالب ہو وہی سمجھے اور اسی کے موافق نماز پوری کر لے۔ اور اگر

دونوں طرف خیال ہو کہ شاید دوسری ہے یا تیسری تو کم سمجھے مگر ہر رکعت میں بیٹھ کر التحیات پڑھے اور پھر کھڑا ہو جائے اور آخری رکعت میں بیٹھ کر التحیات پڑھ کر سجدۂ سہو کرے، پھر التحیات، درود شریف اور دُعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔

سوال: اگر امام پر سجدۂ سہو واجب ہو اور کوئی شخص آ کر نماز میں شریک ہوا تو کیا مقتدی مسبوق کی نماز ہو جائے گی۔

جواب: اگر امام نے سجدہ سہو کر لیا تو مقتدی کی نماز ہو جائے گی خواہ وہ مقتدی امام کے سجدۂ سہو کرنے سے قبل شریک ہو یا امام کے سجدۂ سہو کرنے کے بعد شریک ہو۔

نماز پڑھنے والے کی صفات

مدرک، مسبوق، منفرد اور لاحق کے احکام:

سوال: مدرک، مسبوق، لاحق اور منفرد کس کو کہا جاتا ہے؟

جواب: مدرک وہ ہے جو امام کے ساتھ شروع سے آخر تک شریک رہے۔ اور مسبوق وہ ہے کہ کچھ رکعتیں جانے کے بعد شریک ہو۔ لاحق وہ ہے جو ابتدا سے شریک تھا درمیان میں حدث پیش آیا وضو کو چلا گیا اور کوئی رکعت چلی گئی۔ منفرد وہ ہے جو تنہا فرض نماز پڑھے۔

سوال: مسبوق اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟

جواب: جو رکعت امام کے ساتھ نہ ملے اس کو امام کے نماز ختم کر دینے کے بعد اس طرح ادا کرے کہ جو رکعت امام کے ساتھ بھری گئی (یعنی سورۂ فاتحہ کے ساتھ اور سورت ملانے والی) ان کو بھری اور جو خالی گئی (یعنی جس میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت نہیں ملائی جاتی) ان کو خالی پڑھے۔ اگر کوئی رکعت نہیں ملی آخر میں شریک ہوا تو اب جس طرح شروع سے نماز پڑھی جاتی ہے کھڑے ہو کر اس طرح کل رکعات پڑھ لے، اور اگر کوئی رکعت ملی ہے تو قعدہ کے اعتبار سے اس آیندہ رکعت کو دوسری رکعت سمجھے اور قرأت کے اعتبار سے پہلی سمجھے۔ مثلاً: ایک رکعت ملی تو اس کو قعدہ کے اعتبار سے ایک رکعت ہو جانا سمجھے اور دوسری رکعت کے لیے التحیات کے واسطے قرأت کرکے

بیٹھ جائے پھر کھڑا ہو کر قرأت کرے اور اس رکعت میں نہ بیٹھے یہ تیسری ہے قعدہ کے اعتبار سے اور دوسری ہے قرأت کے اعتبار سے، پھر کھڑا ہو کر سورۂ فاتحہ پڑھے کیوں کہ یہ تیسری رکعت ہے قرأت کے اعتبار سے، اور چوتھی ہے قعدہ کے اعتبار سے، لہٰذا اب بیٹھ کر تشہد درود شریف اور دُعا پڑھ کر سلام پھیر دے نماز ختم ہوگئی۔

خلاصہ یہ کہ جو رکعت امام کے ساتھ بھری جائے وہ بھری پڑھے اور جو رکعت خالی جائے وہ خالی پڑھے۔

سوال: لاحق اپنی نماز کس طرح پڑھے؟

جواب: اوّل تو بہتر یہ ہے کہ نماز پھر سے شروع کرے چاہے امام فارغ ہو چکا ہو یا نہ ہو چکا ہو اور اپنے کو مسبوق سمجھے اور مسبوق کی طرح نماز پڑھے۔ ورنہ یہ بھی درست ہے کہ جب بے وضو ہو جائے تو وضو کرنے چلا جائے اور آتے جاتے کسی سے کوئی بات نہ کرے۔ وضو کر کے جہاں سے گیا تھا وہاں آجائے یا جہاں موقع ہو وہاں کھڑا ہو جائے اور امام کے ساتھ نماز ادا کرے۔ جب امام سلام پھیر دے تو یہ بھی سلام پھیر دے بشرطے کہ کوئی رکعت امام کے ساتھ نہ گئی ہو، اور اگر کوئی رکعت چلی گئی تھی تو گئی ہوئی رکعت کھڑے ہو کر ادا کرے مگر اس میں کچھ نہ پڑھے، بس اتنی دیر اندازے سے کھڑا رہے جتنی دیر میں قرأت ہو سکتی ہے، پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے، بس اس طرح اپنی گئی ہوئی رکعت ادا کرے اور جو رکعتیں حدث سے پہلے امام کے ساتھ پڑھ لی تھیں وہ ہو چکیں ان کو نہ پڑھے۔ یہ ہے طریقہ لاحق کی نماز کا۔

عورتوں کی نماز

سوال: عورتیں نماز کس طرح ادا کریں؟

جواب: عورتوں کے لیے بھی نماز پڑھنے کا طریقہ وہی ہے جو پیچھے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن چند چیزوں میں مرد و عورت کی نماز میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے:

۱۔ تکبیرِ تحریمہ کے وقت مردوں کو چادر وغیرہ سے ہاتھ نکال کر کانوں تک اُٹھانے

چاہییں اور عورتوں کو چادر کے اندر ہی کندھوں تک ہاتھ اُٹھانے چاہییں۔

۲۔ مردوں کو قیام کے دوران ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے چاہییں اور عورتوں کو سینے پر، وہ بھی اس طرح کہ داہنی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر بچھ جائے۔ مردوں کی طرح دائیں ہاتھ کی انگلیوں کا حلقہ بنانا اور بائیں کلائیں کو پکڑنا عورتوں کے لیے سنت نہیں۔

۳۔ مردوں کو رکوع میں انگلیاں کھول کر گھٹنوں کو پکڑنا چاہیے اور عورتیں صرف گھٹنوں پر ہاتھ رکھ لیں اور انگلیاں ملی ہوئی ہوں۔

۴۔ مرد حالتِ رکوع میں کہنیاں پہلو سے علیحدہ رکھے، لیکن عورتوں کو کہنیاں پہلو سے ملا کر رکھنی چاہییں۔

۵۔ مردوں کو سجدے میں پیٹ رانوں سے اور بازو بغل سے جدا رکھنے کا حکم ہے، لیکن عورتوں کو ملائے رکھنا سنت ہے۔ عورتوں کی کہنیاں بھی سجدے کے دوران مردوں کی طرح زمین سے اُٹھی ہوئی نہ ہوں بلکہ زمین پر بچھی ہوئی ہوں۔

۶۔ قعدہ میں عورتوں کو دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر کولہوں کے بل بیٹھنا چاہیے، مردوں کی طرح یہ نہ کریں کہ دائیں پاؤں کو کھڑا رکھیں اور بائیں پاؤں پر بیٹھیں۔

جنازے کی نماز کا بیان

سوال: نمازِ جنازہ فرض ہے یا سنت؟

جواب: مسلمان میّت کی نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے اس نماز میں رکوع، سجدہ نہیں ہوتا۔ چار تکبیریں ہوتی ہیں جو چار رکعات کے قائم مقام ہیں۔

سوال: جنازے کی نماز کس طرح پڑھی جاتی ہے؟

جواب: اس کا طریقہ یہ ہے کہ چار تکبیروں کی نیت کرے اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے۔ یعنی اس طرح نیت کرے کہ نیت کرتا ہوں چار تکبیروں کی اس جنازے کی نماز کے لیے، ثنا واسطے اللہ تعالیٰ کے، درود واسطے نبی کریم ﷺ کے، دعا واسطے اس میت کے، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف، پیچھے اس امام کے، اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور ہاتھ

باندھ کر ثنا پڑھے، ثنا یہ ہے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ.	اے اللہ! تو پاک ہے، اور تیری ہی تعریف ہے اور تیرا نام برکت والا ہے اور تیری بزرگی بلند ہے اور تیری تعریف عظمت والی ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر دوسری تکبیر بغیر ہاتھ اُٹھائے ہوئے کہے اور درود شریف پڑھے۔ درود شریف یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.	اے اللہ! رحمت فرما حضرت محمد ﷺ پر اور حضرت محمد ﷺ کی آل پر جیسی رحمت نازل فرمائی تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر، بیشک تو خوبیوں والا اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! برکت نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر اور حضرت محمد ﷺ کی آل پر جیسی برکت نازل فرمائی تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر، بے شک تو خوبیوں والا اور بزرگی والا ہے۔

پھر تیسری تکبیر بغیر ہاتھ اُٹھائے ہوئے کہے اور دُعا پڑھے۔

دعا بالغ کی ایک ہے خواہ مرد ہو یا عورت۔ اور نابالغ لڑکے کی دُعا اور ہے اور نابالغ لڑکی کی دُعا اور ہے۔ دُعا بالغ کی یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَآئِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا، اَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَأَحْيِهٖ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْإِيْمَانِ.	اے اللہ! مغفرت فرما ہمارے زندوں کے لیے اور مُردوں کے لیے اور حاضر کے لیے اور غائب کے لیے اور چھوٹوں کے لیے اور بڑوں کے لیے اور مردوں کے لیے اور عورتوں کے لیے، اے اللہ! جس کو زندہ رکھے تو ہم میں سے اس کو اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو موت دے تو ہم میں سے اس کا ایمان پر خاتمہ کر۔

اور نابالغ لڑکے کی دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا، وَّاجْعَلْهُ لَنَآ أَجْرًا وَّذُخْرًا، وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا.

اے اللہ! بنا اس (لڑکے) کو ہمارے لیے پیش رو، اور بنا اس کو ہمارے لیے اجر اور ذخیرہ، اور بنا اس کو ہمارے لیے سفارش کرنے والا اور سفارش قبول کیا گیا۔

اور نابالغ لڑکی کی یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطًا، وَّاجْعَلْهَا لَنَآ أَجْرًا وَّذُخْرًا، وَّاجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَّمُشَفَّعَةً.

اے اللہ! بنا اس (لڑکی) کو ہمارے لیے پیش رو، اور بنا اس کو ہمارے لیے اجر اور ذخیرہ، اور بنا اس کو ہمارے لیے سفارش کرنے والی اور سفارش قبول کی گئی۔

اس کے بعد چوتھی دفعہ اللہ اکبر بغیر ہاتھ اُٹھائے ہوئے کہہ کر دونوں طرف سلام پھیر دے۔

سوال: کیا نمازِ جنازہ سب بستی والوں پر فرض ہے؟

جواب: نمازِ جنازہ سب بستی والوں پر فرضِ عین نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہے کہ اگر بستی والوں میں سے کچھ آدمی ہی پڑھ لیں تو سب گناہ سے بچ گئے، اور اگر کسی نے بھی نہ پڑھی تو سب گناہ گار ہوں گے۔

سوال: اگر کسی کو نمازِ جنازہ کی دُعائیں یاد نہ ہوں تو کیا کرے؟

جواب: کھڑے ہو کر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے **سبحانك اللّٰھم** جو نماز میں پڑھتے ہیں وہ پڑھ لے، اگر وہ بھی یاد نہ ہو تو تین بار سبحان اللہ کہہ لے، پھر اللہ اکبر کہہ کر درود شریف نماز والا پڑھ لے، اگر وہ بھی یاد نہ ہو تو تین بار سبحان اللہ کہہ لے، پھر اللہ اکبر کہے اور دُعا یاد نہ ہو تو تین بار سبحان اللہ کہہ لے۔

جنازے کی نماز میں صرف دو چیزیں فرض ہیں: قیام، دوسرے چار تکبیریں۔

سوال: اگر میّت کو بلا نماز پڑھے دفن کر دیں تو کیا حکم ہے؟

جواب: تین دن کے اندر اندر اس کی قبر پر جا کر نماز پڑھ لینا چاہیے۔ اگر کسی نے بھی نماز نہ پڑھی

تو تمام بستی والے گناہ گار ہوں گے۔ لہٰذا جو طریقہ نمازِ جنازہ کا لکھا گیا ہے اس طرح تین چار آدمی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھ لیں اور دُعا وغیرہ یاد نہ ہو تو جو دوسرا طریقہ بتا دیا گیا ہے اس طرح پڑھ لیں، یا قریب کسی جاننے والے کو بلا کر پڑھوا دیں اور نماز یاد کرنا شروع کر دیں۔

سوال: کیا جنازے کی نماز تیمّم کر کے پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: اگر یہ گمان غالب ہو کہ وضو کروں گا تو نماز ختم ہو جائے گی تو تیمّم کر کے پڑھ سکتے ہیں۔

سوال: اگر کوئی بچہ ایسا پیدا ہو کہ نہ آواز نکلی نہ سانس دیکھا تو کیا حکم ہے؟

جواب: ایسے بچے کی نمازِ جنازہ نہیں ہے، البتہ اس کا نام رکھ دیا جائے اور پاک صاف کر کے پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیں۔

سوال: کیا جنازہ پڑھنے کے بعد دُعا کی جائے؟

جواب: نمازِ جنازہ خود ایک دُعا ہے، یہ دُعا کے بعد دُعا کیسی ہے۔ جو دُعا نماز میں پڑھی گئی ہے وہی دعا دُعائے مغفرت تھی۔ پھر دوبارہ نہ مانگیں۔ دوبارہ مانگنا مکروہِ تحریمی ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ، صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمۂ کرام میں سے کسی سے ثابت نہیں۔

غسل دینے کا طریقہ

سوال: غسل دینے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: غسل دینے کا طریقہ یہ ہے کہ پانی کو بیری کے پتے ڈال کر گرم کیا جائے[۱] اور میت کو پاک تختے پر لٹا دیں، پھر میّت کے کپڑے اُتار کر ایک پاک کپڑا مرد کے ناف سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک ڈال دیں، اور عورت کے سینے سے لے کر ٹخنے تک ڈال دیں، پھر نہلانے والا یا والی اپنے ہاتھ میں کپڑے کا ایک تھیلا سا باندھ لے اور دوسرا شخص پانی ڈالتا جائے، اور غسل دینے والا موضعِ استنجا کو پاک کرے اور دیکھ لے کہ نجاست تو نہیں لگی ہوئی ہے، اگر ہو تو پہلے ڈھیلے یا ٹشو پیپر سے استنجا کرائے پھر پانی سے،

[۱] بیری کے پتے نہ ملیں تو یہی سادہ نیم گرم پانی کافی ہے۔

اس کے بعد وضو کرائے اور بجائے کلی کے روئی کے پھوئے سے زبان اور منہ کو صاف کردے، سر کو خطمی یا صابون سے دھووے، پھر بائیں جانب کروٹ دلا کر سر سے پاؤں تک تین بار پانی ڈالیں اور ہاتھ سے میل وغیرہ صاف کرتے رہیں۔ پھر دائیں جانب کروٹ دلا کر اسی طرح سر سے پاؤں تک تین بار پانی ڈالیں۔ پھر میّت کو بٹھا کر آہستہ سے پیٹ سونتیں اور تھیلا ہاتھ میں باندھ کر استنجے کی جگہ کو دیکھیں۔ کچھ نجاست نکلے تو ڈھیلے سے صاف کریں پھر پانی سے صاف کردیں، دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں۔ پھر کافور گلاب ملا ہوا سر، پیشانی، ناک اور دونوں ہتھیلی، دونوں کہنی، پنجے و گھٹنوں پر لگا دیا جائے اور ڈاڑھی پر لگایا جائے اور غسل کے تختے کو اوّل لوبان کی یا کسی خوش بو یا اگربتی کی دُھونی دے دی جائے تو بہتر ہے۔

کفنانے کا طریقہ

سوال: کفنانے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: کفن میں مرد کے لیے تین کپڑے اور عورت کے لیے پانچ کپڑے ہیں۔

مرد کے لیے تین کپڑے یہ ہیں:

۱۔ ازار (سر سے پاؤں تک)۔

۲۔ لفافہ، اسے چادر بھی کہتے ہیں (ازار سے ۴ گرہ یا ۲۳ سینٹی میٹر زیادہ)۔

۳۔ کُرتا (گردن سے پاؤں تک)۔

عورت کے پانچ کپڑے یہ ہیں: ①، ②، ③ تو مرد کی طرح۔

۴۔ سینہ بند (بغل سے رانوں تک، یا کم از کم ناف تک اور چوڑائی میں اتنا ہو کہ بندھ جائے۔

۵۔ سر بند (تین ہاتھ یعنی ۱۳۷ سینٹی میٹر لمبا)۔

طریقہ یہ ہے کہ جس چارپائی پر میّت کو لے جانا ہے اس پر اوّل لفافہ بچھا دیا جائے، اس کے اوپر چادر بچھا دی جائے، اس کے اوپر کُرتا، اس طرح کہ کُرتے کا ایک حصّہ چادر پر بچھایا جائے دوسرا حصّہ سمیٹ کر سرہانے رکھ دیا جائے، پھر مُردے کو اس کُرتے

پر لٹا دیا جائے، پھر چادر کا بایاں پلہ لوٹ کر اس پر دایاں پلہ لوٹ دیا جائے اسی طرح پھر لفافہ کو کر دیا جائے اور ایک کتر سے سرہانے و پاؤں کی جانب کو باندھ دیا جائے، سینہ بند سے عورت کی چھاتی لپیٹ دی جائے، سر کے بال دو حصّہ کر کے سر بند میں لپیٹ کر دائیں بائیں جانب سینہ کے رکھے جائیں۔

دفن کا طریقہ

سوال: دفن کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: قبر میں قبلہ رُخ دائیں کروٹ سے رکھیں، سر اور پاؤں کی جانب کے بند کھول دیں، پھر نرکل یا کچی اینٹ سے بغلی کا منہ بند کر دیں۔ اگر صرف لحد ہو تو نرکل سے پاٹ دیا جائے اور کوہان نما مٹی ڈال کر قبر مکمّل کر دی جائے اور اوپر کچھ پانی چھڑک دیا جائے، پھر حاضرین کھڑے ہو کر بغیر ہاتھ اُٹھائے ہوئے فاتحہ پڑھیں اس طرح کہ دس گیارہ بار یا تین بار سورۂ اخلاص اور تین بار سورۂ فلق، تین بار سورۂ ناس، تین بار سورۂ کوثر، تین بار سورۂ کافرون، تین بار الحمد شریف، تین بار درود شریف۔

پھر اس کا ثواب سب سے پہلے حضور پرنور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو، پھر انبیا علیہم السلام کو، پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو، پھر اس میّت کو بخش دیں۔ اور بہتر ہے کہ ایک شخص سرہانے کھڑا ہو کر سورۂ بقرہ کے شروع ﴿الم﴾ سے ﴿مُفلِحُونَ﴾ تک اور دوسرا شخص سورۂ بقرہ کے آخر ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ﴾ سے ﴿فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ﴾ تک پڑھ دے، پھر چلے آئیں۔

دفن کے بعد کی دُعا کا طریقہ

سوال: آپ نے فرمایا ہے کہ قبرستان میں فاتحہ کے وقت ہاتھ نہ اُٹھائے جائیں یہ نئی بات کیسی؟ ہم ہمیشہ اپنے بڑوں کو دیکھتے چلے آئے ہیں کہ ہاتھ اُٹھا کر فاتحہ پڑھتے آئے ہیں۔

جواب: جی ہاں! جس بات کا علم نہیں ہوتا اور ایک زمانے سے وہ عمل ہوتا چلا آ رہا ہو اور پھر اس کے خلاف لوگوں کو کہتے بولتے سنے، یا عمل کرتے ہوئے دیکھے تو دل میں شبہ پیدا ہوتا ہے تو

گرانی ہوتی ہے اور ترک کرنے کو دل گوارا نہیں کرتا۔ سو عزیز من! یہ تو من مانی بات اور طبعی حال ہوا۔ شرعی اور عقلی کام تو نہ ہوا۔

میں نظیر پیش کرتا ہوں غور سے سنیے:

جس وقت ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ اہل مکہ کعبۃ اللہ شریف کا طواف مرد وعورت سب مل کر کرتے ہیں اور مرد ننگے ہوتے ہیں اور عورتیں ذرا سا کپڑا مثل لنگوٹی باندھے ہوتی ہیں، اور جانور قربانی کر کے اس کے خون سے بیت اللہ شریف کی دیوار پر چھاپہ مار دیتے ہیں۔

تو آپ نے فرمایا کہ یہ انسانیت سے گزری ہوئی حیا سوز حرکتیں کیسی؟ اوّل تو خود ننگا ہونا ہی کتنا کچھ بدترین فعل ہے، اور عورتوں کے سامنے یہ حالت تو چوپایوں کے مانند ہے۔ اور بیت اللہ شریف جو کہ نہایت متبرک اور پاک مقام ہے، اس کو اپنے ہاتھ سے خون کے چھاپے مار مار کرنا پاک کرتے ہو۔ تو اس پر مشرکینِ عرب کہنے لگے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر اس میں کوئی عیب و برائی کی بات ہوتی تو ہمارے پہلے بزرگ بڑے بوڑھے ایسا کیوں کرتے؟ ہمیشہ سے اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے۔ آپ آج نئی بات بزرگوں، باپ داد کے خلاف کہتے ہیں، یہ نئی بات کیسی؟

تو ذرا غور کیجیے کہ ان اہلِ عرب کو عادتِ سابقہ باوجود خلافِ عقل ہونے کے محض اپنے باپ داد کی رواج دی ہوئی کا کتنا خیال ہوا۔ بلکہ عمدہ ہونا معلوم ہوا کہ ایک پیغمبر کے بتانے پر بھی وہی اپنی رسمی بات پر جمے رہے اور اس کی برائی کی بجائے بھلائی، گناہ کے بجائے ثواب و نیکی نظر آنے لگی۔ اسی طرح آج ہمارا حال ہے کہ ہم بہت سے کام نیکی بر باد گناہ لازم کے کر رہے ہیں۔ مگر چوں کہ باپ دادا کے رسمی رواجی کام ہیں، طبیعتیں عادی ہوگئی ہیں اور ان کاموں کو نیکی کا کام بھی سمجھ بیٹھے ہیں اس لیے حضراتِ علما نائبینِ رسول ﷺ کے بتانے سمجھانے پر بھی یہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ نئی بات کیسی؟ ہمیشہ سے اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے۔ کیا آپ ہی نئے مولوی پیدا ہوئے، پہلے مولوی نہ تھے؟ اس کا جواب عزیز من وہی ہے جو حضور پُر نور ﷺ نے اہلِ عرب کو دیا تھا۔

اگر یہ بات ہمیشہ سے چلی آرہی ہے اور دین کی، ثواب کی ہے تو محض اس کہنے سے کیا ہوتا ہے کہ ہمیشہ سے باپ دادا سے چلی آرہی ہے اس کے لیے تو نبیوں کا ارشاد اوران پر جو کتابیں نازل ہوئی تھیں ان کا حوالہ دے کر ثابت کرو کہ یہ ننگا ہو کر طواف کرنا، خون کا چھاپہ مارنا، نیکی کی بات ہے۔ ثواب ہے۔ دین میں داخل ہے۔ اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں کہ اس کہنے سے کام نہیں چلتا کہ باپ دادا سے یہ باتیں چلی آرہی ہیں۔ یادرکھیے کہ ہر دینی کام کے لیے دین کی کتاب سے ثابت کرنا ہوتا ہے۔ تو یہ طریقہ دینی کتابوں سے کہیں ثابت نہیں۔

اسی طرح فاتحہ پڑھنا بھی ہے کہ قبرستان میں ہاتھ اُٹھا کر پڑھنا فرض ہے نہ واجب ہے، بلکہ ایک مباح امر ہے، جنازے کے شُرکا اگر سمجھ دار نیک ہوں تو اس وقت ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر عوام یا غیر سمجھ دار لوگوں کا مجمع ہو تو پھر بہتر ہے کہ بغیر ہاتھ اُٹھائے دُعا مانگ لے۔ ایسے موقع پر حکمت اور حسنِ تدبیر سے کام لے۔

نمازِ جمعہ کا بیان

سوال: جمعہ کی نماز کس طرح پڑھی جاتی ہے اور کس بستی اور کس پر فرض ہے؟

جواب: جمعہ کی نماز کا وقت تو وہی ہے جو ظہر کی نماز کا ہے، البتہ فرق یہ ہے کہ جمعہ میں دو رکعت فرض ہیں اور اس سے پہلے چار رکعت سنتِ مؤکدہ ہیں پھر اس کے بعد چھ رکعت سنتِ مؤکدہ ہیں اور دو رکعت نفل ہیں۔

نیز جمعہ کے فرض سے پہلے خطبہ پڑھنا ضروری ہے، اگر بغیر خطبہ کے نماز پڑھ لی گئی تو نماز نہ ہوگی۔

مرد، آزاد، بالغ، عاقل، بینا، مقیم، تندرست پر جمعہ فرض ہے۔ شہر اور قصبہ اور اس جگہ جس سے شہر کی کچھ ضروریات متعلق ہوں، مثلاً: دفن ہونا، فوجی چھاؤنی ہونا جس کو فنائے شہر کہتے ہیں، ان تینوں جگہوں میں نمازِ جمعہ پڑھنے سے ادا ہو جاتی ہے۔ پس اگر ایسی جگہ جس کو لوگ گاؤں سمجھتے ہیں وہاں نمازِ جمعہ ادا نہیں ہوتی۔ اگر وہاں گاؤں میں نمازِ جمعہ پڑھی جائے گی تو ظہر کی نماز ان کے ذمہ باقی رہ جائے گی۔

رہی یہ بات کہ جمعہ کی بھی پڑھ لیں اور پھر ظہر کی بھی پڑھ لیں جس کو بعض احتیاط الظہر کے نام سے پڑھ لیتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر جمعہ کی نماز ہوگئی تو پھر احتیاط الظہر کی کیا ضرورت؟ اور اگر نہیں ہوئی تو جمعہ پڑھنے سے کیا نفع ہوا؟ اگر کہا جائے کہ نفل میں شمار ہو کر ثواب مل جائے گا، سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس نماز کے نفل ہو جانے کا خیال ہے تو نفل نماز میں امام کے سوا دو آدمیوں سے زیادہ کی جماعت مکروہ ہے۔ نیز نفل نماز کے لیے اتنا اہتمام اور جب خطبہ بھی پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ جمعہ ہی کا قصد ہے اور جمعہ گاؤں میں درست نہیں، پھر جو کام کرنا درست نہیں اس کو کرنا کس ثواب میں داخل ہوسکتا ہے؟ جب جدہ اور بمبئی میں حتیٰ کہ مدینہ منورہ مسجدِ نبوی ﷺ میں پہنچ کر حج کرنے سے حج نہیں ہوتا، حالاں کہ نہ کرنے سے کرنا تو اچھا ہے تو پھر گاؤں میں جمعہ نہ پڑھنے سے پڑھنا اچھا کیوں ہوگا؟

بات یہ ہے کہ جس چیز کا رواج عام ہو جایا کرتا ہے اس کی برائی ذہن میں آتی ہی نہیں۔ کوئی کیسا ہی سمجھائے بس یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو پہلے سے ہوتا آ رہا ہے۔ کیا پہلے عُلما نہ تھے؟ حالاں کہ پہلے عُلما بھی آج کے عُلما کی طرح کہتے تھے مگر جس طرح اب نہیں مانتے اسی طرح پہلے بھی نہ مانا نہ چھوڑا۔ اسی لیے اب تک وہی بات ہوتی چلی آ رہی ہے۔ گو ان پہلی پرانی رسموں میں بہت کمی ہوگئی ہے۔

غرضے کہ گاؤں میں جمعہ درست نہیں، جنگل میں درست نہیں۔ صرف شہر اور فنائے شہر اور جس کو عرف میں قصبہ کہہ سکیں ان تینوں جگہوں میں جمعہ جائز و درست ہے۔ اگر چہ ان تین جگہوں میں امام کے علاوہ تین ہی مرد بالغ ہوں خطبہ کے وقت سے پہلی رکعت کے سجدے تک۔ لہٰذا اگر سجدہ کرنے کے بعد سب مقتدی چلے جائیں صرف امام ہی رہ جائے اور وہ نماز پوری کرلے تب بھی جمعہ کی نماز ہو جائے گی۔

پس اگر جمعہ کی شرائط نہ پائے جانے کے باوجود نمازِ جمعہ پڑھی جائے گی تو وہ مکروہِ تحریمی ہوگی۔

نمازِ جمعہ کی شرائط

سوال: نمازِ جمعہ کے لیے کیا کیا شرائط ہیں؟

جواب: جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لیے کچھ شرائط ہیں۔ جہاں کہیں وہ تمام شرائط پائی جائیں گی، وہاں جمعہ کی نماز درست ہوگی۔ اگر کوئی ایک شرط بھی ان میں سے نہ پائی جائے تو جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز پڑھی جائے گی۔ یہ شرائط تعداد میں پانچ ہیں:

۱۔ شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا۔ چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز درست نہیں ہے۔ قصبہ اور بڑا گاؤں وہ ہے جس میں روزمرہ کی ضروریات کی اشیا آسانی سے مل جاتی ہوں۔ حکومت کا کوئی نمایندہ مثلِ تھانہ وغیرہ ہو، آبادی تین ہزار کے قریب ہو۔ (اس سلسلے میں مزید معلومات کے لیے علمائے احناف سے رابطہ فرمائیں)

۲۔ ظہر کا وقت ہونا۔

۳۔ نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا۔

۴۔ امام کے علاوہ جماعت کے لیے کم از کم تین آدمیوں کا ہونا۔

۵۔ اِذنِ عام ہونا۔ یعنی جس جگہ جمعہ کی نماز پڑھائی جائے اس جگہ ہر شخص کو آنے کی عام اجازت ہو۔

جمعہ کی نماز ظہر کی نماز کے قائم مقام ہے۔ وقت بھی وہی ہے جو ظہر کی نماز کا ہے، لیکن فرض کی رکعتیں چار کی بجائے دو ہیں۔ جو شخص جمعہ کی نماز پڑھ لے گا اسے ظہر کی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

نمازِ جمعہ کی کل رکعتیں چودہ ہیں۔ جو اس ترتیب سے پڑھی جائیں گی: اوّلاً جمعہ کی پہلی اذان کے بعد لیکن خطبہ کی اذان ہونے سے پہلے چار رکعت سنت پڑھی جائیں گی، پھر جماعت کے ساتھ دو رکعت فرض، پھر چار رکعت سنت، پھر دو رکعت سنت، پھر دو نفل۔ دو رکعت فرض کے بعد چار رکعت سنت سب کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہیں۔ بعد کی دو رکعت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ جن کے ہم سب پیروکار ہیں، ان کے نزدیک فرضِ جمعہ کے بعد صرف چار رکعت سنتِ مؤکدہ ہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک چھ رکعت سنتِ مؤکدہ ہیں۔[۱]

نمازِ جمعہ سے پہلے خطبہ کا عربی زبان میں پڑھنا ضروری ہے۔ جو خطبہ چاہیں پڑھ سکتے ہیں، مگر اس میں اللہ کا ذکر ہونا ضروری ہے، ہم نے سہولت کے لیے کتاب کے آخر میں ایک قبولِ عام خطبہ لکھ دیا ہے۔

جمعہ کے آداب

سوال: جمعہ کے کچھ آداب بیان کیجیے؟

جواب:

۱۔ جمعہ کے دن نمازِ فجر کے بعد غسل کرنا سنت ہے اور بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

۲۔ جمعہ کے دن غسل کے بعد عمدہ سے عمدہ کپڑے جو میسّر ہوں پہن لیں، ممکن ہو تو خوشبو بھی لگائیں اور ناخن وغیرہ بھی کتروائیں۔ بغل اور ناف کے بال دور کریں۔

۳۔ جامع مسجد میں بہت سویرے جائیں۔ جو شخص جتنی سویرے جامع مسجد میں داخل ہوگا اسی قدر اس کو ثواب زیادہ ملے گا۔

خطبہ پڑھنے کا مسنون طریقہ

سوال: خطبہ پڑھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

جواب: نماز سے پہلے امام منبر پر بیٹھے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر مؤذن اذان کہے، جب اذان ہو چکے تو امام نمازیوں کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جائے اور بلند آواز سے پہلا خطبہ پڑھے، پھر ذرا سی دیر کے لیے بیٹھے اور پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ پڑھے۔ جب خطبہ ختم ہو جائے تو امام منبر سے اتر کر محراب کے سامنے آئے اور مؤذن تکبیر کہے اور پھر سب کھڑے ہو کر جماعت سے نماز پڑھیں۔

---

[۱] کبیری: ص: ۳۷۲

جب امام خطبہ پڑھے تو سب لوگوں کو بالکل خاموش ہو کر خطبہ سننا چاہیے۔ خطبہ کے وقت بات کرنا، کسی کو ڈانٹنا یا اشارہ کرنا، نماز پڑھنا، درود شریف، تسبیح یا اور کچھ پڑھنا سب ناجائز ہے۔

عربی کے سوا دوسری زبان میں خطبہ

سوال: خطبہ اردو نثر یا نظم میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: سوائے عربی کے اردو نثر یا نظم میں خطبہ پڑھنا جائز نہیں، مکروہِ تحریمی ہے، سنت کے بالکل خلاف ہے گو نفسِ فرض ادا ہو جائے۔ اس پر ہم کچھ دلیلیں لکھتے ہیں۔ مہربانی فرما کر خالی الذہن ہو کر سنیے۔ ہٹ اور ضد خلافِ سنت کام کرنے میں نہ کیجیے۔ خلوص کو پیشِ نظر رکھیے۔

پہلی دلیل: حق تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا نُوْدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾[1]

اس مقام پر حق تعالیٰ نے جمعہ کے دن بعدِ اذان ذکر کی طرف سعی کرنے کا حکم فرمایا اور ذکرِ جمعہ میں خطبہ بھی ہے اور صلاۃِ جمعہ بھی ہے۔ لہٰذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک مقام پر تو ایک لفظ سے کچھ مراد ہو اور دوسرے مقام پر اُسی لفظ سے کچھ اور مراد ہو کہ یہ اسلوبِ کلام اور فنِ بدیع وبلاغت کے خلاف ہے۔ لہٰذا جب "ذکر" اس جگہ "صلاۃ" کی طرف بھی منسوب ہے اور خطبہ کی طرف بھی تو جو مراد "ذکر" سے "صلاۃ" میں ہوگا وہی مراد خطبہ میں لیا جائے گا۔ پس اگر "ذکر" سے مراد وعظ ونصیحت ہے جو کہ اردو زبان میں ہوتا ہے اور خطبہ اس معنی کے اعتبار سے اردو میں جائز ہے تو پھر نماز بھی اردو میں جائز ہونی چاہیے اور اس کا کوئی قائل ہی نہیں اور نہ کوئی اس کو جائز کہتا ہے۔ لہٰذا خطبہ بھی اردو میں ہونے کا قائل بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اور اردو میں جائز نہ رکھنا چاہیے۔ پس معلوم ہوا کہ "ذکر" سے مراد وعظ ونصیحت نہیں۔ لہٰذا خطبۂ جمعہ کا اردو میں پڑھنا جائز نہیں مکروہِ تحریمی ہے، گو نفسِ فرض ادا ہو جاتا ہے۔

[1] الجمعة: ۹

دوسری دلیل: ایک تذکیر ہے دوسرا تذکر ہے تیسرا ذکریٰ ہے اور چوتھا ذکر ہے۔ ہر ایک کے معنی میں فرق ہے۔ تذکیر کے معنی نصیحت کرنا، اور تذکر کے معنی نصیحت قبول کرنا، ذکریٰ کے معنی نصیحت، اور ذکر کے معنی لغت میں حقیقتاً یاد کے ہیں۔ اور جو اسمائے الٰہی اور تلاوتِ کلامِ پاک وکلمہ شریف کا ورد کیا جاتا ہے اس کو بھی ذکر کہتے ہیں، اور یہ سب عربی میں ہیں۔ اور کلامِ پاک میں خطبہ کے لیے ذکر کا لفظ بولا گیا ہے نہ کہ تذکیر و تذکر و ذکریٰ کا، لہٰذا لفظِ ذکر سے ثابت ہوا کہ خطبہ عربی میں درست ہوگا نہ کہ دوسری زبان اردو وغیرہ میں۔

تیسری دلیل: حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ خطبہ عربی میں پڑھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے زمانے میں بعدِ فتوحات دوسرے ملکوں میں پہنچے، مگر خطبہ ہمیشہ عربی میں ہی دیا۔ حالاں کہ جس قدر اہتمام تبلیغ کا ان حضرات کو تھا اس کا عشرِ عشیر اب کسی کو نہیں۔

نیز زمانہ خلفائے راشدین میں دور دور تک غیر ممالک عربی فارس وغیرہ فتوحات کرتے ہوئے پہنچے مگر خطبہ ہمیشہ عربی میں پڑھا حالاں کہ مخاطب عربی داں ہی نہ ہوتے تھے۔ اگر خطبہ وعظ و نصیحت کا نام ہے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے خطبہ حاضرین کی زبان میں کیوں نہ دیا۔ حالاں کہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دوسری زبان کے جاننے والے بھی موجود تھے۔

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے جو کہ ہمیشگی کے ساتھ رہا، عربی ہی میں خطبہ پڑھنا ثابت ہوا۔ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فعل سے کہ جنھوں نے باوجود دوسری زبان جاننے کے دوسرے ملکوں میں بھی خطبہ ہمیشہ عربی میں پڑھا، ثابت ہوا کہ خطبہ عربی ہی میں مسنون ہے عربی ہی میں پڑھنا چاہیے دوسری زبان میں درست نہیں۔

چوتھی دلیل: امام شافعی رحمہ اللہ جو کہ اجل فقہا میں سے ہیں، ان کا تو یہ مذہب ہے کہ غیرِ عربی میں خطبہ پڑھنے سے جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ چناں چہ سیّد مرتضیٰ زبیدی کی شرح جلد سوم ص: ۲۲۶ میں منقول ہے کہ

هل يشترط كون الخطبة كلها بالعربية، وجهان: الصحيح اشتراطها،

یعنی صحیح بات یہ ہے کہ تمام خطبہ کا عربی زبان میں ہونا جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے۔ ہاں!

فإن لم يكن فيهم من يحسن العربية خطب بغيرها، ويجب عليهم التعلم والا عصوا ولا جمعة لهم.

عربی زبان میں عمدہ طریقہ سے خطبہ پڑھنے والا کوئی نہ ہو تو مجبوراً دوسری زبان میں درست ہے۔ اور لوگوں پر عربی زبان کا سیکھنا واجب ہے اگر عربی نہ سیکھی اور اردو وغیرہ میں خطبہ پڑھتے رہے تو سب گناہ گار ہوں گے اور جمعہ کی نماز ان کی صحیح نہ ہوگی۔

تو اگر خطبہ عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں درست ہوتا تو امام شافعی رحمۃ اللہ صاحب یوں نہ فرماتے کہ عربی کے علاوہ دوسری زبان میں خطبہ پڑھا گیا تو نماز نہ ہوگی۔

معلوم ہوا کہ ان کے یہاں عربی میں ہی ہونا شرط ہے۔ اگر خطبہ وعظ ہوتا تو اس قدر سخت حکم کہ غیر عربی میں خطبہ ہونے سے نماز جمعہ کی صحیح ہی نہ ہوگی، کیوں کر ہوتا۔ لہٰذا جمعہ میں خطبہ عربی کے علاوہ اردو وغیرہ دیگر زبان میں نہ پڑھنا چاہیے۔

پانچویں دلیل: ہر مذہب وملّت میں اپنی زبان کی حفاظت اور قانونی زبان کی ترویج ورواج دینا اہم مقاصد میں سے ہے، کیوں کہ اس مذہب وملّت کی خصوصیّت وامتیاز وشان وشوکت وجلالت اسی زبان میں ہوتی ہے۔ چناں چہ حکومتِ انگریز میں زبانِ انگریزی اور حکومتِ جرمنی میں زبانِ جرمنی، حکومتِ ترکی میں زبانِ ترکی اور حکومتِ عربی میں زبانِ عربی اور حکومتِ مرہٹہ میں زبانِ مرہٹی، حکومتِ ہند میں زبانِ ہندی کے رواج دینے اور دفاتر وغیرہ میں اس اپنی اپنی زبان کو قائم کرنے کو لازم قرار دیا جاتا ہے۔ حالاں کہ رعایا اور مملکت میں ہر قسم کی زبان کے افراد ہوتے ہیں۔ تو پھر جب کہ قانونِ الٰہی کی زبان عربی ہو اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان بھی عربی ہو اور اہلِ جنّت کی زبان بھی عربی ہو تو اس زبانِ عربی کو رواج دینا، ترقی دینا کیوں کر ضروری ولازم قرار نہ دیا جائے گا۔ اگر عموماً نہیں تو کم از کم اپنی عبادت کے موقع پر فعلِ دُعا وتسبیح تکبیرات وقرأت اور خطبہ میں اس کا التزام کیوں نہ رکھا جائے۔ پس زبانِ عربی میں ہی خطبہ دینا ضروری ہوا، عربی کے علاوہ دوسری زبان میں خطبہ دینا درست نہیں۔ مکروہِ تحریمی ہے۔

چھٹی دلیل: اگر خطبہ وعظ ہوتا تو وعظ میں طہارت شرط نہیں اور خطبہ میں طہارت شرط ہے،

بلا طہارت خطبہ جائز نہیں۔ اور نہ ہی مثل اذکار کے ہے کہ جن میں طہارت شرط نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جمعہ کا خطبہ جزِ صلاۃ ہے۔ لہٰذا مثل صلاۃ کے طہارت کا ہونا خطبہ میں شرط ٹھہرا اور جب خطبہ ایک گونہ جزِ صلاۃ ہے تو اس کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ علمائے محققین کا قول ہے کہ

الخطبة تقوم مقام ركعتين، ولهذا لا تجوز إلا بعد دخول الوقت.

یعنی خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے اسی لیے زوال سے پہلے خطبہ درست نہیں اور زوال آنے کے بعد خطبہ درست ہوگا۔ جیسا کہ علامہ سرخسی رحمہ اللہ کی کتاب ''مبسوط'' میں ہے۔

سوال: اگر خطبہ نماز کا جزو ہے تو پھر استقبالِ قبلہ اس میں کیوں شرط نہیں، لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پڑھنا کیسا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ ایک وعظ ہے؟

جواب: چوں کہ خطبہ عین نماز نہیں ہے بلکہ مثل شرطِ صلاۃ ہے۔ لہٰذا جس طرح وضو طہارت جو کہ شرطِ نماز ہے اور اس میں قبلہ رو ہونا شرط نہیں اسی طرح خطبہ جو کہ نمازِ جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے اس میں بھی استقبالِ قبلہ شرط نہ ہوا۔

سوال: یہ تو خوب سمجھ میں آ گیا مگر یہ تو فرمائیے کہ خطبہ میں کچھ باتیں احکام و مسائل کی اور فضائل کی بھی ہوتی ہیں تو عربی نہ جاننے والے مخاطب کیسے سمجھیں گے؟

جواب: میں کہہ چکا ہوں کہ خطبہ صرف وعظ ہی نہیں بلکہ ذکر ہے اور ذکر تو عربی میں ہی ہوتا ہے اردو میں نہیں ہوتا۔ البتہ اس میں مسائل وغیرہ کا جو ذکر ہوتا ہے وہ وقتی ہوتا ہے، اگر کسی کو خطبہ کا ترجمہ معلوم کرنے کا شوق ہو تو اس کو چاہیے کہ کچھ وقت نکال کر عربی سیکھ لے۔ اس طرح یہ مقصد بھی حاصل ہو جائے گا اور خطبہ کا عربی میں ہونا بھی باقی رہ جائے گا۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ نماز سے قبل یا نماز کے بعد ہی خطبہ کا ترجمہ سنا دیا جایا کرے۔ جس کو اس جمعہ میں پڑھا گیا ہے۔ جیسا کہ متبعِ سنت ایسا ہی کرتے ہیں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ جو چیز مقصود نہیں اس کو مقصود بنالیا جائے اور جو مقصود ہے اس کو غیر مقصود قرار دے کر ترکِ سنت کیا جائے، اور ارتکاب مکروہِ تحریمی کا ہو، خوب سمجھ لو۔

سوال: ہم نے کہیں کہیں بڑے بڑے علما کو یہ دیکھا کہ جمعہ کے دوسرے خطبہ میں عباد اللہ سے پہلے کچھ باتیں وقتی ضرورت کی کہتے ہیں۔ چار چھ منٹ اردو میں بیان فرمادیتے ہیں، پھر عباد اللہ سے اخیر تک خطبہ پڑھ کر ختم کردیتے ہیں، کیا یہ سنت کے خلاف ہوگا؟

جواب: اوّل تو وہ موقع ختم خطبہ کا ہے پھر چار چھ منٹ کچھ کہنا اس کو عرف میں وعظ کوئی نہیں کہتا۔ مسلسل اردو پڑھتے رہنا یہ خلافِ سنت ہے گو کہ آخر میں عربی کے کچھ کلمات پڑھ کر خطبہ دیا جائے۔ بہرصورت خطبہ کا عربی میں ہی پڑھنا ضروری ہے دوسری زبان میں پڑھنا ٹھیک نہیں۔ خلافِ سنت اور مکروہِ تحریمی ہے۔

نمازِ تراویح کا بیان

سوال: نمازِ تراویح کا کیا حکم ہے؟

جواب: رمضان شریف کا چاند دیکھ کر عشا کے فرض وسنت کے بعد تراویح کی نماز شروع ہوتی ہے۔ تراویح کی بیس رکعت ہیں خواہ دو رکعت کی نیت باندھی جائے یا چار چار رکعت کی، افضل دو دو کی نیت باندھنا ہے اور چار رکعت کے بعد تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام کر لینا مستحسن ہے۔ خواہ خاموش بیٹھا رہے خواہ کچھ پڑھتا رہے۔ تراویح میں ایک مرتبہ تمام قرآن شریف ختم کرنا سنت ہے۔ اگر حافظ صاحب کچھ لے کر قرآن سنائیں تو ہرگز نہ سنیے بلکہ ألم تر کیف سے کوئی ناظرہ خواں تراویح پڑھادے تو بہتر ہے۔ کچھ لے کر قرآن شریف سننے سنانے سے۔ کہ یہ قرآن شریف کو بیچنا ہے اور حرام ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾

سوال: جس شخص نے عشا کے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں کیا اسے رمضان شریف میں وتر جماعت سے پڑھنا درست ہے اور کیا جو شخص فرض پڑھائے وہی وتر بھی پڑھائے؟

جواب: عشا کی نماز بلا جماعت پڑھے ہوئے بھی وتر جماعت سے پڑھنا درست ہے بلکہ زیادہ ثواب ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جس شخص نے فرض پڑھائے ہوں وہی وتر بھی پڑھائے۔

سوال: اگر تراویح کی کچھ رکعت باقی رہ گئی ہوں تو کیا وتر جماعت سے پڑھ لینا درست ہے؟

جواب: اگر تراویح کی نماز باقی رہ جائے اور وتر کی جماعت شروع ہوجائے تو وتر جماعت سے

پڑھ لے اور تراویح بعد میں پڑھے۔

سوال: تراویح میں کس جگہ آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہیے؟

جواب: تراویح میں کسی ایک جگہ خواہ شروع میں خواہ درمیان میں خواہ آخر میں ایک مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آواز سے پڑھ لینا ضروری ہے اور یہ بسم اللہ آواز سے پڑھنا اس بسم اللہ کے علاوہ ہے جو سورۂ نمل میں بسم اللہ لکھی ہوئی ہے جس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے پاس خط لکھتے وقت خط کے شروع میں بسم اللہ لکھا تھا۔

سوال: تراویح کی کچھ رکعت فاسد ہو جائیں تو کیا اتنا قرآن شریف جو ان رکعات میں پڑھ لیا ہے پھر ان رکعات کے لوٹانے میں پڑھا جائے؟

جواب: جو رکعات تراویح کی نہیں ہوئیں ان کو لوٹانے کے وقت ان رکعات میں پڑھا ہوا قرآن شریف بھی پھر دوبارہ پڑھا جائے۔

سوال: کیا نابالغ کے پیچھے تراویح ہو جاتی ہے؟

جواب: نابالغ کے پیچھے تراویح درست نہیں۔

سجدۂ تلاوت کا بیان

سوال: سجدۂ تلاوت کس طرح کیا جاتا ہے اور کل کتنے سجدے ہیں؟

جواب: قرآن شریف میں کل چودہ سجدے ہیں:

۱۔ سورۂ اعراف میں۔

۲۔ سورۂ رعد میں۔

۳۔ سورۂ نحل میں۔

۴۔ سورۂ اسریٰ میں۔

۵۔ سورۂ کھٰیٰعص میں۔

۶۔ سورۂ حج میں پہلا سجدہ۔

۷۔ سورۂ فرقان میں۔

۸۔ سورۂ نمل میں۔
۹۔ سورۂ الم سجدہ میں۔
۱۰۔ سورۂ ص میں۔
۱۱۔ سورۂ حم سجدہ میں۔
۱۲۔ سورۂ النجم میں۔
۱۳۔ سورۂ انشقاق میں۔
۱۴۔ سورۂ علق میں۔

طریقہ یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کی نیت کر کے بلا ہاتھ اُٹھائے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلا جاوے اور سجدے کی تسبیح کہے اور پھر اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو جائے۔ بس سجدۂ تلاوت ہوگیا۔ کھڑے ہو کر سجدے تلاوت کرنا افضل ہے، اور سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں۔

سوال: سجدۂ تلاوت ایک جگہ کئی بار پڑھا یا کئی جگہ پڑھا تو کیا حکم ہے؟

جواب: سجدۂ تلاوت ایک جگہ کئی بار پڑھنے سے ایک ہی سجدہ لازم ہوتا ہے اور کئی جگہ پڑھنے سے اتنے ہی سجدے لازم ہوں گے۔

سوال: اگر آیتِ سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ نہ کیا پھر نماز شروع کر دی اور اسی آیتِ سجدہ کی قرأت نماز میں کی تو کیا حکم ہے؟

جواب: اس صورت میں نماز میں سجدۂ تلاوت کر لینے سے خارجِ نماز کا سجدہ بھی ادا ہو جائے گا۔ اب مستقل سجدہ کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

سوال: اگر سجدے کی آیت نماز میں پڑھی اور سجدہ نہ کیا گیا تو بعد میں سجدہ کیا جائے یا نہیں؟

جواب: جب نماز میں آیتِ سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ نہ کیا تو نماز کے بعد سجدہ نہیں ہے صرف توبہ ہے۔ البتہ آیتِ سجدہ کے متّصل رکوع میں چلا جائے اور نیت سجدہ کی کر لے تو سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے گا۔ اور سجدہ میں جا کر بلا نیت ہی سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے۔

سوال: اگر کوئی شخص پہلی رکعت میں آیتِ سجدہ پڑھے اور سجدہ کر لے پھر اسی آیتِ سجدہ کو اسی رکعت یا دوسری رکعت میں پڑھے تو کیا دوسرا سجدہ ہوگا؟

جواب: نہیں، وہی پہلا سجدہ کافی ہے۔

سوال: اگر کوئی شخص چار رکعت کی نیت باندھے اور پہلی دو رکعت میں سے کسی ایک رکعت میں آیتِ سجدہ پڑھے اور سجدہ کر لے پھر اسی آیتِ سجدہ کو آخری دو رکعتوں میں سے کسی ایک رکعت میں پڑھے تو کیا دوسرا سجدہ ہوگا؟

جواب: جی ہاں! دوسرا سجدہ کرنا ہوگا، وہی سجدہ کافی نہیں ہے۔

سوال: کوئی شخص تاگا پھیلانے کے لیے چکر لگاتا ہوا یا تیرنے والا یا ایک شاخ سے دوسری شاخ پر جانے والا آیتِ سجدہ کو مکرر پڑھے تو کیا ایک ہی سجدہ کافی ہوگا؟

جواب: نہیں، بلکہ اس کے لیے ہر جگہ مختلف سمجھی جائے گی اور جتنی بار ایک آیتِ سجدہ کی تلاوت کرے گا اتنے ہی سجدے کرنا ہوں گے۔

نماز توڑ دینے کا بیان

سوال: کیا کسی صورت میں نماز توڑ دینا درست ہے؟

جواب: جی ہاں! درست ہے، اور وہ یہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے نماز توڑ دینا درست ہے:

۱۔ ریل چل دی اور بیوی بچے سامان ریل میں ہوں۔

۲۔ سانپ کا آجانا۔

۳۔ کسی کو جوتی اُٹھاتے دیکھ لینا۔

۴۔ ہانڈی کا اُبلنا، جلنا، جس کی قیمت تقریباً پچیس (۲۵) روپے[۱] کے قریب ہو، یا اتنی ہی قیمت کی کسی چیز کا نقصان ہونا، جیسے بلی کا مرغی پر حملہ کرنا۔

۵۔ کسی اندھے آدمی کا کنویں کی طرف چلا جانا کہ گر جائے گا۔

۶۔ کسی کے کپڑوں میں آگ لگ کر جلنے لگے۔

۷۔ ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، کسی مصیبت میں پکاریں اور دوسرا وہاں امداد کو نہ ہو۔ (اگر سنت اور نفل نماز میں پکاریں خواہ کسی تکلیف کی وجہ سے یا یوں ہی، اور ان کو نماز پڑھنے کا علم نہیں تو نیت توڑ دینا واجب ہے)

[۱] تقریباً ۴/۱ تولہ یا ۳ گرام چاندی کی قیمت کے برابر۔

نمازِ عیدین کا بیان

سوال: نمازِ عیدین کیا سب پر واجب ہے اور کس طرح پڑھی جاتی ہے؟
جواب: عیدالفطر اور بقرعید کی نماز ہر مسلمان، بالغ، عاقل، قصبہ اور شہر والوں پر واجب ہے، گاؤں والوں پر واجب نہیں۔

عید کی نماز کا طریقہ

عید کی نماز کا طریقہ یہ ہے کہ اس طرح نیت کرے کہ نیت کرتا ہوں دو رکعت نماز عید الفطر یا عیدالاضحیٰ چھ واجب تکبیروں کے ساتھ، واسطے اللہ تعالیٰ کے، پیچھے اس امام کے، اللہ اکبر۔ اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور ثنا پڑھے، پھر امام کے ساتھ ہاتھ اُٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے، پھر ہاتھ اُٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے، پھر ہاتھ اُٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے۔ اب امام اعوذ باللہ، بسم اللہ پڑھ کر آواز سے الحمدللہ پڑھے اور سورت ملائے، پھر رکوع، قومہ دونوں سجدے کر کے کھڑا ہو جائے اور بسم اللہ پڑھ کر آواز سے الحمدللہ اور سورت پڑھ کر کانوں تک ہاتھ اُٹھائے اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے، پھر ہاتھ اُٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے، پھر ہاتھ اُٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے، پھر بلا ہاتھ اُٹھائے اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور باقی رکعت کو پورا کر دے۔ نماز سے فارغ ہو کر دُعا مانگیں، پھر خطبہ پڑھا جائے، یہ خطبہ عیدالفطر، بقرعید کا شرط نہیں ہے سنت ہے، مگر اس کا سننا حاضرین پر واجب ہے۔ خطبہ کے بعد دُعا مانگنے کا رواج خلافِ اصول ہے ترک کرنا چاہیے۔ طریقِ سنت یہی ہے کہ بعدِ نماز دُعا مانگی جائے، عیدین کی نماز بلا جماعت پڑھنا درست نہیں ہے۔

اور نماز عیدالفطر دوسرے دن اور بقرعید کی نماز بارہویں تاریخ تک پڑھنا درست ہے، مگر بلا عذر تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

سوال: کیا تیمّم سے عیدین کی نماز پڑھنا درست ہے؟
جواب: اگر جماعت ختم ہونے کا خوف ہو اور خواہ شروع ہی میں یا درمیان میں وضو ٹوٹ جائے

تو تیمم کر کے پڑھ سکتا ہے۔

سوال: اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے تو کیا کرے؟

جواب: اگر رکوع میں یاد آجائے تو رکوع میں کہہ لے ورنہ نہ کہے اور کثیر مجمع ہونے کی وجہ سے سجدۂ سہو نہ کرے۔

سوال: اگر مقتدی کی تکبیریں چھوٹ جائیں تو کیا کرے، اور اگر رکعت چھوٹ جائے تو کس طرح ادا کرے؟

جواب: اگر امام قیام میں ہو تو تکبیریں کہہ کر شریک ہو جائے۔ اور اگر رکوع میں ہو تو تکبیرِ تحریمہ کے بعد تین دفعہ سبحان اللہ کہنے کے برابر قیام کر کے رکوع میں چلا جائے اور بجائے رکوع کی تسبیح کے بغیر ہاتھ اُٹھائے تین تکبیریں کہہ لے۔

اور اگر ایک رکعت چلی گئی ہے تو کھڑے ہو کر پہلے قرأت کرے، پھر تین تکبیریں کہہ کر چوتھی تکبیر بغیر ہاتھ اُٹھائے کہہ کر رکوع میں چلا جائے۔ اور اگر دونوں رکعت نہ ملی ہوں تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو جائے اور جس طرح شروع سے عیدین کی نماز سبحانك اللّٰھم پڑھ کر پڑھی جاتی ہے اسی طرح دونوں رکعتوں کو پڑھ لیا جائے۔

سوال: بقرعید میں تکبیریں کب سے شروع ہوتی ہیں؟

جواب: بقرعید کی تکبیریں جن کو تکبیراتِ تشریق کہتے ہیں نویں تاریخ کی صبح کی نماز سے واجب ہوتی ہیں اور تیرہ تاریخ کی عصر کی نماز کے بعد ختم ہو جاتی ہیں۔ ہر فرض نماز کے بعد مقیم جماعت سے نماز پڑھنے والے پر ایک مرتبہ آواز سے کہنا واجب ہے۔

اس طرح کہے: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

نمازِ کسوف کا بیان

سوال: نمازِ کسوف کیا ہے؟

جواب: کسوف سورج گرہن کو کہتے ہیں۔ جب سورج میں گرہن ہو تو اس وقت امام دو رکعت نفل پڑھاوے، اس میں قرأت آہستہ سے کرے اور قرأت طویل ہو، اور بعدِ سلام بہت

دیر تک دُعا کی جاوے یہاں تک کہ سورج روشن ہو جائے۔

سوال: اگر جماعت سے نمازِ کسوف نہ پڑھیں تو تنہا بھی نہ پڑھیں؟

جواب: اگر امام نماز پڑھانے والا نہ ملے تو اپنی اپنی تنہا ہی پڑھ لیں۔

نمازِ خسوف کا بیان

سوال: نمازِ خسوف کیا ہے؟

جواب: خسوف چاند گرہن کو کہتے ہیں۔ جب چاند میں گرہن ہو تو اس وقت تنہا تنہا بلا جماعت دو رکعت گھر یا مسجد میں طویل قرأت کے ساتھ جہر سے یا آہستہ پڑھیں، اور بعدِ سلام طویل دُعا کریں یہاں تک کہ چاند روشن ہونا شروع ہو جاوے۔ یہ خسوف کی نماز ہے۔

نمازِ استسقا کا بیان

سوال: نمازِ استسقا کیا ہے؟

جواب: جس وقت بارش رُک جائے، موسمِ برسات میں کافی زمانہ نکل جائے بارش بالکل نہ ہو، اس وقت امام مسلمانوں کے ساتھ جنگل، عیدگاہ وغیرہ میں جائے وہاں دو رکعت نماز جہر سے پڑھاوے اور بعد اس کے خطبہ پڑھے اور چادر جو کہ امام اوڑھے ہوئے ہو اس کو پلٹ دے، اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا اوپر کر دے۔ اور اگر چادر اوڑھے ہوئے نہ ہو تو اچکن قبا کا دایاں بائیں جانب اور بایاں دائیں جانب کر دے۔ اور اس نماز میں کفار و مشرکین شریک نہ ہوں۔ تین دن تک متواتر ایسا ہی کریں۔ بعد تین دن کے نہیں۔ عیدگاہ یا جنگل جانے سے پہلے خیرات کریں تو بہتر ہے۔

نمازِ خوف کا بیان

سوال: نمازِ خوف کون سی نماز ہے؟

جواب: جب جہاد کے لیے نکلتے ہیں اس وقت میدان میں اگر کفار مہلت ہی نہ دیں اور برابر لڑنا پڑے تب تو نماز ملتوی کر دی جاوے، جیسا کہ حضورِ اکرم ﷺ نے غزوۂ خندق

میں چار نمازیں نہ پڑھیں۔ اور اگر ایسی لڑائی نہ ہو تو نماز کا وقت آنے پر میدان میں دوسری طرف جا کر پڑھیں۔

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ لشکر کے دو حصّے کر دیے جائیں، ایک دشمن کے مقابلے میں بھیج دیا جائے اور دوسرے لشکر کو امام پہلے فجر کی ایک رکعت پڑھا دے، اور مغرب میں دو رکعت۔ اور اگر مقیم ہوں اور نماز تین یا چار رکعت والی ہو تو اوّل دو رکعت پڑھا دے، پھر یہ جماعت دشمن کے مقابلے میں چلی جائے اور کھڑی رہے۔ پھر پہلی جماعت امام کے پیچھے آجائے اور امام اس جماعت کو بقیہ نماز پڑھا کر سلام پھیر دے۔ پھر یہ جماعت دشمن کے مقابلے میں چلی جائے اور پہلی جماعت پھر یہاں آکر اپنی رہی ہوئی نماز پوری کرے، یعنی اتنی دیر خاموش کھڑے رہیں جتنی دیر میں سورۂ فاتحہ ختم ہوتی ہے، پھر یہ جماعت اپنی نماز پوری کر کے دشمن کے مقابلے میں چلی جاوے اور دوسری جماعت یہاں آکر مثلِ مسبوق قرأت کے ساتھ اپنی نماز پوری کرلے۔ یہ نمازِ خوف کہلاتی ہے۔

سوال: کیا نمازِ خوف تنہا پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! جب جماعت سے پڑھنے میں دشواری ہو کہ دشمن سے سخت خوف لاحق ہو تو اس وقت تنہا تنہا پیدل یا سواری پر پڑھ لیں، قبلہ رُخ ہو سکیں یا نہ ہو سکیں ہر طرح درست ہے، اگر نماز میں لڑنا، تلوار چلانا شروع کر دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

بیت اللہ شریف میں نماز پڑھنے کا بیان

کعبہ کے اندر تنہا نماز پڑھنا بھی جائز ہے اور جماعت سے بھی، اور وہاں یہ بھی شرط نہیں کہ امام اور مقتدیوں کا منہ ایک ہی طرف ہو۔ اس لیے کہ وہاں ہر طرف ہی قبلہ ہے۔ ہاں! البتہ یہ شرط ضرور ہے کہ مقتدی امام سے آگے نہ ہو، اگر مقتدی کا منہ امام کے سامنے ہو تب بھی درست ہے اس لیے کہ اس صورت میں وہ مقتدی امام سے آگے نہ ہوگا۔ آگے جب ہوتا ہے کہ جب دونوں کا منہ ایک ہی طرف ہوتا اور پھر مقتدی آگے بڑھا ہوا ہوتا، ہاں! مگر نماز اس صورت میں مکروہ ہوگی، اس لیے کہ کسی آدمی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی چیز درمیان میں کر لی جائے تو یہ کراہت نہ رہے گی۔

شہید کا بیان

سوال: شہید کسے کہتے ہیں اور شہید کو غسل دینا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

جواب: جس مسلمان عاقل بالغ کو کفار میدانِ جنگ میں قتل کر دیں، یا میدانِ جنگ میں مرا ہوا پایا جائے اور اس پر زخم بھی ہو، یا کسی مسلمان نے دھار دار آلے سے مسلمان کو ظلماً جان بوجھ کر قتل کر دیا اور اس کے بدلے میں ابتداءً شرعاً دیت بھی واجب نہ ہو، یا کفار نے بدون میدانِ جنگ کے مسلمان کو مار ڈالا اگرچہ مسلمان سے کوئی ایسی بات بھی وقوع میں آئے جو کہ باعثِ قتل ہو، یا مسلمان باغیوں نے مسلمان کو مار ڈالا، یا ڈاکوؤں نے مسلمان کو مار ڈالا، وہ شہید کہلایا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا خون نہ دھویا جائے گا نہ غسل دیا جائے گا اور نہ کپڑے اتارے جائیں گے، البتہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی جائے گی۔ ہاں! اگر اس کے جسم پر کپڑے زیادہ ہوں مثلاً اچکن وغیرہ یا ہتھیار، زرہ، خود ہوں وہ اتار لیے جائیں گے۔

سوال: اگر بحالتِ جنابت قتل کیا جائے تب بھی غسل نہیں؟

جواب: جنابت کی حالت میں قتل کیے جانے پر غسل دیا جائے گا، اسی طرح عورت کو حیض و نفاس کی حالت میں قتل ہو جانے پر غسل دیا جائے گا۔

سوال: اگر کوئی شہر میں مرا ہوا پایا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: گر کوئی شہر میں محلّہ کے اندر مرا ہوا پایا جائے اور قاتل معلوم نہ ہو کہ کون ہے اور نہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ کام چور اور ڈاکوؤں کا ہے تو ایسے قتل سے اہلِ محلّہ پر قسامت (اہلِ محلّہ پر اجتماعی جرمانہ) لازم آتی ہے اور اس مقتول کو غسل بھی دیا جائے گا اور نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

شہید کی قسمیں

سوال: شہید کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: شہید کی دو قسمیں ہیں: ایک حقیقی، دوسرے حکمی۔ شہید حقیقی وہ ہے جو میدانِ جہاد میں

قتل کر دیا جائے، یا جسے کوئی کافر قتل کر دے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ اس کے خون آلود کپڑے اتارے جائیں گے، ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھ کر دفن کر دیا جائے گا۔ البتہ جو زائد کپڑے پہنے ہوئے ہوگا وہ اتار لیے جائیں گے۔
اور شہید حکمی وہ ہے جو میدانِ جہاد میں قتل نہ کیا جائے اور نہ کسی کافر نے اس کو قتل کیا۔ ایسے شہید کی اقسام چالیس کے قریب ہیں۔ جیسے: آگ میں جل کر مر جائے، یا پانی میں ڈوب کر مر جائے، یا کوئی خاتون وضعِ حمل کے وقت مر جائے، یا مسلمان کسی کو ظلماً قتل کر دے، یا طاعون میں مر جائے، یا اوپر سے گر کر مر جائے، وغیرہ وغیرہ۔
ان کا حکم یہ ہے کہ ان کو غسل بھی دیا جائے گا اور کفن بھی دیا جائے گا۔ (اس سلسلے میں عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفی رحمہ اللہ کی کتاب ''احکامِ میّت'' ملاحظہ فرمائیں جو عام کتب خانوں سے مل جاتی ہے)

چاند دیکھنے کا بیان

سوال: رمضان شریف اور عیدین کے چاند ہونے کا کب اعتبار کرنا چاہیے؟
جواب: اگر بادل نہ ہوں آسمان صاف ہو تو اگر اتنے آدمی چاند دیکھنا بیان کریں کہ اتنے لوگوں کا جھوٹا ہونا دل قبول نہ کرے تب رمضان شریف اور عیدین کے چاند ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔
اور اگر بادل ہوں تو رمضان شریف کے چاند کے لیے ایک مسلمان مرد یا عورت پرہیزگار کی گواہی کہ ''میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے'' معتبر ہے۔ چاند کا ثبوت ہو جائے گا۔
اور اگر عید، بقرعید کا چاند ہے تو بادل ہونے کی حالت میں دو پرہیزگار مرد یا ایک دین دار مرد اور دو دین دار عورتیں گواہی دیں کہ ہم نے عید کا چاند دیکھا ہے تب عید کا چاند ثابت ہوگا۔ اور اگر صرف عورتیں ہی گواہی دیں تو خواہ چار بھی ہوں تب بھی قبول نہیں۔
سوال: اگر چاند دیکھنے کی خبر مشہور ہو تو کیا وہ معتبر ہے؟
جواب: صرف مشہور ہونے کا کوئی اعتبار نہیں جب تک کہ خود دیکھنے والے آکر گواہی نہ دیں

یا ایسے دو شخص پرہیز گار کہ جنھوں نے چاند دیکھنے والوں سے خود سنا ہو کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تب چاند کا ہونا ثابت ہوگا۔ اگر تار سے چاند کی خبر آئے تب بھی معتبر نہیں۔

سوال: کسی ایک شخص نے چاند دیکھا اور اعتبار نہ کیا گیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: دوسرے لوگ تو روزہ نہ رکھیں، لیکن یہ شخص روزہ رکھے۔ پھر تیس روزے اس شخص کے ہو جائیں اور چاند نظر نہ آئے تو اکتیسواں روزہ رکھے اور بستی والوں کے ساتھ عید کرے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے عید کا چاند دیکھا اور اعتبار نہ کیا گیا تو اس عید کا چاند دیکھنے والے کو بھی عید کرنا درست نہیں۔ صبح کو روزہ رکھنا لازم ہے۔ اپنے چاند دیکھنے کا اعتبار نہ کرے۔

روزوں کا بیان

اسلام کا دوسرا رکن روزہ ہے۔ حدیث شریف میں روزے کا بڑا ثواب آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزے دار کا بڑا رتبہ ہے۔

قرآنِ پاک میں ارشاد ہے: ”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے (اور ان روزوں کا مقصد ہے) تاکہ تم متقی بن جاؤ“۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے محض اللہ تعالیٰ کے واسطے ثواب سمجھ کر رکھے تو اس کے سب اگلے پچھلے گناہِ صغیرہ معاف کر دیے جائیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز روزے داروں کے واسطے دسترخوان چُنا جائے گا اور وہ لوگ اس پر کھانا کھائیں گے اور سب لوگ ابھی اپنے حساب ہی میں لگے ہوں گے۔ اس پر وہ لوگ کہیں گے کہ یہ لوگ کیسے ہیں کہ کھا پی رہے ہیں اور ہم ابھی حساب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کو جواب ملے گا کہ یہ لوگ روزہ رکھا کرتے تھے اور تم روزے نہ رکھتے تھے اور یہ لوگ نمازِ تراویح پڑھتے تھے اور تم سوتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روزے دار کے منہ کی بد بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پیاری ہے۔

اب ہم روزے کے متعلق کچھ مسائل و احکام بیان کرتے ہیں۔

مسائلِ روزہ

سوال: روزہ کسے کہتے ہیں اور کس وقت کس پر فرض ہے؟

جواب: صبحِ صادق سے سورج ڈوبنے تک نیت کر کے کھانے پینے اور جماع سے رُکے رہنے کا نام روزہ ہے۔ ہر مسلمان عاقل بالغ پر رمضان کے مہینہ میں فرض ہے۔

سوال: نیت کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: دل میں روزہ رکھنے کا خیال کرنے کا نام نیت ہے اور زبان سے بھی کہے تو اچھا ہے۔ اس طرح کہ کل میرا روزہ ہے۔ اور رمضان شریف میں خواہ کسی نیت سے روزہ رکھا جائے رمضان شریف ہی کا روزہ مانا جائے گا۔ خواہ قضا کا روزہ ہو یا نذر کا یا نفل ہو۔

سوال: نیت کا وقت کب سے کب تک ہے؟

جواب: رمضان شریف کے روزے اور نذرِ معین اور نفل کے روزے کے لیے تو دوپہر (یعنی ظہر کے وقت)[1] سے ایک گھنٹہ قبل تک نیت کر سکتا ہے (اصل میں صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب کے عین نصف سے پہلے تک ہے) بشرطے کہ صبحِ صادق سے اس وقت تک کچھ کھایا پیا نہ ہو۔ اور رات کو نیت کر لینا بھی کافی ہے۔ اور قضائے رمضان اور نذرِ غیر معین کا روزہ دن میں نیت کرنے سے درست نہ ہوگا، بلکہ صبح صادق سے قبل نیت کر لینا ضروری ہے۔

سوال: نذرِ معین کسے کہتے ہیں؟

جواب: کسی نے یوں کہا کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو میں چوتھی محرم کو روزہ رکھوں گا، اسے نذرِ معین کہتے ہیں۔ کہ دن اور تاریخ مقرر کر دی۔ اگر دن یا تاریخ معین نہ کرے صرف یوں ہی کہہ دے کہ فلاں کام ہوگیا تو روزہ رکھوں گا۔ اسے نذرِ غیر معین کہتے ہیں۔

سوال: نذر جس کو منت ماننا کہتے ہیں اس کی تفصیل کیا ہے اور منت ماننا کس طرح درست ہے؟ اور کس چیز کی؟

جواب: ناجائز کاموں کی منت ماننا تو حرام ہے۔ مثلاً: یوں کہے کہ اگر چوری میں مال ہاتھ لگ

[1] طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب کا درمیانی وقت ہے۔

کیا تو چار رکعت پڑھوں گا، یا چار روزے رکھوں گا۔

ہاں! جائز کاموں کی منت ماننا درست ہے۔ مثلاً: یوں کہے کہ اگر میرا بھائی آ گیا، یا میں امتحان میں پاس ہو گیا، یا میرا بچہ اچھا ہو گیا تو دو روپیہ خیرات کروں گا۔ آٹھ رکعت نماز پڑھوں گا، دو روزے رکھوں گا۔ مگر منت ایسی چیز کے ساتھ مانے کہ جس کے کرنے میں شریعت سے ثواب کا وعدہ ثابت ہو۔ اور جس کام کے کرنے میں شرع سے ثواب کا وعدہ نہیں۔ اس کے کرنے کی منت ماننا درست نہیں ہے۔ مثلاً: کام ہو جانے پر میلاد شریف کرانے، یا مزار پر چادر چڑھانے کی، یا مسجد کا طاق بھرنے کی منت ماننا درست نہیں۔

منت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ماننا درست ہے۔ کسی پیر، سیّد، شہید، جن وغیرہ کی منت ماننا حرام ہے، شرک ہے۔ مثلاً: یوں نہ کہے کہ اے پیر صاحب سیّد صاحب! میرا بیٹا ہوا تو تمہارے مزار پر مٹھائی تقسیم کروں گا، یا چادر چڑھاؤں گا، یا کونڈا کروں گا، مولیٰ مشکل کشا کا روزہ رکھوں گا۔ یہ سب شرک اور ناجائز ہیں بلکہ ایسی منت کی چیز کھانا بھی حرام ہے۔

عورتوں کو قبر پر جانے کی سخت ممانعت آئی ہے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، اور منت کی ہوئی شے کو کسی خاص شخص کو دینے کی نیت ہو، یا کسی خاص جگہ صَرف کرنے کی نیت ہو تو اس طرح کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ صرف اس منت کا پورا کرنا واجب ہے۔

مثلاً: یوں کہے کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو مکّہ کے فقرا کو اتنا خیرات کروں گا، فلاں شخص کو اتنا دوں گا، جامع مسجد میں نفل پڑھوں گا۔ اس سے مکّہ کے فقرا، یا اس شخص کو دینا، یا جامع مسجد میں ہی نماز پڑھنا لازم نہ ہو گا۔ بلکہ کسی غریب کو دے دے، کسی بھی جگہ نماز نفل پڑھ لے۔ اور درود شریف اور کلمہ شریف کی یا قرآن شریف پڑھنے کی منت کی تو واجب ہو جائے گی۔ اور اگر سبحان اللہ اور لاحول پڑھنے کی منت مانی تو واجب نہ ہو گی۔

سوال: کیا بے ہوش اور پاگل پر بھی روزے فرض ہیں اور قضا لازم ہے؟

جواب: اگر تمام رمضان بے ہوش رہے تو پورے رمضان کی قضا رکھے۔ اور اگر کچھ دن رمضان میں دیوانہ پاگل رہے، پھر اچھا ہو جائے تو اچھا ہونے کے بعد روزے شروع

کردے اور جتنے دن کے روزے جنون کی حالت میں نہ رکھ سکا تھا ان کی قضا رکھے۔
اور اگر تمام رمضان دیوانہ و پاگل رہے تو پھر روزوں کی قضا نہیں۔ اور رمضان میں
جس دن اور جس رات بے ہوش رہا تو اس ایک دن کی قضا نہیں، کیوں کہ وہ دن
مسلمان کے ظاہری حال کے اعتبار سے روزے میں شمار ہوگا۔ باقی بے ہوشی کے دنوں
کی قضا واجب ہے۔ البتہ جس دن یا جس رات صبح کو روزہ رکھنے کی نیت نہ تھی یا صبح کو
کوئی دوا حلق میں ڈالی گئی تو اس دن کا روزہ بھی قضا رکھا جائے گا۔

سوال: رمضان شریف میں روزہ نہ رکھنا کب جائز ہے؟

جواب: جب طبیب، ڈاکٹر مسلمان دین دار کہہ دے کہ روزہ نقصان دے گا، یا اپنے تجربے سے
معلوم ہو اور سچے دل سے سمجھ میں آوے کہ روزہ رکھنا نقصان دے گا، یا بیماری بڑھنے
کا ڈر ہو، یا بیماری تو نہ بڑھے گی مگر دیر میں اچھا ہونے کا ڈر ہو، یا حاملہ یا دودھ پلانے
والی عورت کو اپنے یا بچے کے نقصان کا ڈر ہو، یا سفر اڑتالیس میل یعنی سوا ستتر کلومیٹر کا
ہو، یا حیض و نفاس آئے، تو ان صورتوں میں روزہ نہ رکھنا درست ہے پھر قضا رکھے۔
حیض و نفاس میں تو روزہ جائز نہیں ہے البتہ جنابت کی حالت میں درست ہے مگر
جلد نہالے۔

سوال: روزہ رکھ کر توڑ دینا کب درست ہے؟

جواب: اچانک ایسی بیماری یا بھوک یا پیاس کا لگ جانا کہ اگر کچھ نہ کھائے پیے تو جان کے
ہلاک ہو جانے کا خوف ہو تو روزہ توڑ دینا درست ہے اور پھر قضا رکھے۔ کفارہ نہیں
ہے۔ کفارے کا بیان آگے آتا ہے۔

نفل روزوں کا بیان

سوال: رمضان المبارک کے علاوہ کیا اور بھی روزے ہیں؟

جواب: جی ہاں! فرض روزے تو نہیں ہیں البتہ جب ویسے جی چاہے رکھے مگر عید کے دن اور
بقر عید کی دسویں، گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں تاریخ میں یہ پانچ روزے سال بھر میں

حرام ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی پورے سال بھر کے روزے رکھنے کی منت مانے تب بھی یہ پانچ روزے نہ رکھے۔ پھر رکھ لے۔ اگر کسی نے ان پانچ دنوں میں نفل روزہ رکھ لیا تب بھی توڑ دے اور ان کی قضا بھی نہیں ہے۔

اسی طرح رات کو نفل روزہ رکھنے کی نیت کی اور صبح صادق سے قبل ارادہ بدل لیا تو قضا نہیں ہے۔ البتہ رکھ کر توڑ دیا تو قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔ عورت نفل روزہ بلا اجازت شوہر کے نہ رکھے، جب کہ شوہر گھر پر ہو۔

سوال: کیا شریعت سے خاص خاص دنوں میں نفل روزے رکھنا ثابت ہیں؟

جواب: جی ہاں! ثابت ہیں۔ سنیے! ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں، یا ہر پیر، جمعرات، محرم کی دسویں اور نویں یا گیارھویں تاریخوں کو روزے رکھنا ثابت ہیں۔ صرف دسویں محرم کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ ایسے ہی شعبان کی پندرھویں، عید الفطر کے بعد شوال کے چھ روزے اور بقرعید کی نویں تاریخ کو بھی رکھنا ثابت ہیں۔ اور اگر ذوالحجہ کی یکم سے نویں تاریخ تک برابر روزے رکھے تو اور بھی بہتر ہے۔

روزہ توڑنے والی چیزوں کا بیان

سوال: روزہ توڑنے والی چیزیں کیا کیا ہیں؟

جواب: رمضان شریف میں نیت کر کے دن میں قصداً کسی ایسی چیز کو کھا پی لیا جس کو کھایا یا پیا جاسکتا ہے یا جماع کر لیا یا کسی دوا کو بلا ضرورت پی لیا تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا و کفارہ[1] دونوں واجب ہوتے ہیں۔ اگر رمضان شریف کے مہینے میں ایسا نہ کیا یا رمضان شریف کے مہینے میں ہی ایسا کیا مگر رات کو نیت نہ کی تب صرف قضا ہے کفارہ نہیں۔

سوال: کفارہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: رمضان شریف کا روزہ توڑ ڈالنے پر دو مہینہ کے برابر لگاتار روزے رکھنے کا نام کفارہ ہے۔

[1] یعنی ایک قضا روزہ رکھنے کے بعد کفارے کے دو ماہ کے روزے رکھے۔

سوال: اگر کسی شخص میں کفارے کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو کیا کرے؟

جواب: اگر روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ بالغ مسکینوں کو پیٹ بھر کر دو وقت کھانا کھلاوے، یا ساٹھ مسکینوں میں سے ہر ایک کو یا ایک مسکین کو ساٹھ دن تک صدقۂ فطر کے برابر کچا اناج یا اس کی قیمت دے دے۔ البتہ ایک ہی مسکین کو ایک دن میں ایک ساتھ دینا درست نہیں ہے۔ نہ ایک مسکین کو ایک ہی دن میں ساٹھ دفعہ کر کے دینا درست ہے، اور نہ ایک مسکین کو صدقۂ فطر کی مقدار سے کم دینا درست ہے۔

ہاں! یہ جائز ہے کہ ایک مسکین کو اگر ساٹھ دن تک لگا تار نہ کھلا سکے تو کبھی کبھی کھلا کر ساٹھ دن پورے کر دے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ دوسرا شخص اس کی اجازت سے کفارہ ادا کر دے۔ اناج وغیرہ دے کر، روزے رکھ کر نہیں۔ اور بے اجازت کفارہ دینا درست نہیں۔

نیز ایک ہی رمضان کے کئی روزے توڑ ڈالنے پر ایک ہی کفارہ ہے۔ البتہ اگر یہ روزے ایک رمضان المبارک کے نہ ہوں تو الگ الگ کفارہ دینا پڑے گا۔ اور کفارہ کے روزے لگا تار دو ماہ رکھنے چاہییں۔ اگر بیچ میں ناغہ ہو گئے تو پھر سے رکھنے پڑیں گے۔ نفاس (بچے کے پیدا ہونے) کی وجہ سے جو روزے چھوٹ گئے ہیں لگا تار مسلسل نہیں رکھے جا سکے تو بھی کفارہ صحیح نہ ہوگا۔ سب روزے پھر دوبارہ رکھے۔ البتہ حیض کی وجہ سے جو روزے ناغہ ہوئے ہوں تب پھر سے رکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ بقیہ روزے بعد حیض رکھنا شروع کر دے۔

سوال: ایسی کون سی بات ہے جس کے ہو جانے سے یہ خیال کر کے کہ روزہ تو ٹوٹ گیا، قصداً کچھ کھا پی لیا تو قضا و کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں؟

جواب: سرمہ لگانا، فصد لینا، سر میں تیل ڈالنا، پھول سونگھنا، یا خود بخود دھواں یا غبار حلق میں چلا گیا تو روزہ نہیں ٹوٹا۔

لہٰذا اگر کسی نے یہ خیال کیا کہ ان باتوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے پھر قصداً کچھ کھا پی لیا اس سے قضا و کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔ البتہ قصداً دھواں یا غبار منہ میں لیا یا لوبان

سلگایا اور قصداً سونگھ لیا تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضا آتی ہے کفارہ نہیں ہے۔

سوال: پان وغیرہ منہ میں دبا کر سو جائے اور صبح ہونے پر آنکھ کھلی روزہ رہا یا نہیں؟

جواب: روزہ نہیں ہوگا قضا رکھے۔ اور اگر پان کھا کر خوب غرغرہ کر کے منہ صاف کر لیا مگر تھوک میں سرخی رہی تو روزہ درست ہوگا۔

سوال: کوئی ایسی بات بتائیے کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ کب روزہ نہیں ہوتا اور کب ٹوٹ جاتا ہے اور کب صرف قضا لازم آتی ہے اور کب قضا و کفارہ دونوں لازم آتے ہیں؟

جواب: اگر بھولے سے کچھ کھا پی لیا اور کچھ استعمال کر لیا تو روزہ نہیں ٹوٹتا، اسی طرح اگر بلا اندر داخل کیے کوئی چیز استعمال کی تب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا جیسے: سرمہ لگانا، تیل لگانا، پھول سونگھنا، خود بہ خود قے کا ہونا ان باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

ہاں! بہت زیادہ منہ بھر کر قے قصداً کرے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر تھوڑی سی خود ہی کرے تب بھی نہ ٹوٹے گا، ہاں! اگر خود ہی لوٹا لی تو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر قے خود بخود لوٹ جائے تب بھی نہ ٹوٹے گا۔ اور اسی طرح اگر منہ سے خون تھوک سے کم نکلا اور ایسے تھوک کو نگل گیا تو روزہ نہ ٹوٹے گا۔ اور اگر خون تھوک کے برابر، یا تھوک پر غالب آ جائے اور ایسے تھوک کو نگل لیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اور اگر ناک کان یا آگے پیچھے کی راہ سے کوئی چیز رقیق کھانے پینے یا دوا یا کسی قسم کی اور چیز جیسے دھواں دھونی کا استعمال کیا یا غلطی سے کوئی چیز حلق میں چلی گئی جیسے وضو میں کلی کرتے ہوئے پانی چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، بشرطے کہ روزہ یاد ہو اور صرف قضا لازم آتی ہے کفارہ نہیں۔ مگر کان میں پانی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا تیل اور دوا ڈالنے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر منہ کے ذریعے سے قصداً ایسی چیز کھا لی یا دوا پی کہ جس کو کھایا پیا جاتا ہے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔ اسی طرح جس چیز سے روزہ ٹوٹنے کا شبہ بھی نہیں اس کو کرنے سے یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا پھر قصداً کچھ کھا پی لیا تو قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔ نیز قصداً جماع کر لیا تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

سوال: سحری کھانے کے بعد معلوم ہوا کہ صبح ہونے کے بعد سحری کھائی تھی تو روزہ ہو گیا یا نہیں؟

جواب: اگر رات سمجھ کر سحری کھائی پھر معلوم ہوا کہ صبح ہونے کے بعد سحری کھائی تھی تو روزہ نہیں ہوا۔ قضا رکھے کفارہ نہیں ہے۔ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ صبح ہو گئی تھی یا نہیں بلکہ شبہ رہے تو روزہ ہو جائے گا لیکن احتیاط یہ ہے کہ قضا رکھے۔

اسی طرح جب تک سورج ڈوبنے میں شبہ رہے تو روزہ افطار نہ کرے۔ اصل چیز اپنے دل کی شہادت ہے اس لیے اگر اذان بھی ہو جائے مگر خود کو سورج کے ڈوبنے میں شبہ رہے تو بھی روزہ افطار کرنا درست نہیں۔ جب سورج ڈوبنے کا پورا یقین ہو تب روزہ کھولے۔

اگر روزہ کھولنے کے بعد سورج نکل آیا تو پھر روزہ قضا رکھے کفارہ نہیں ہے۔

سوال: اگر دانتوں میں کچھ اٹکا ہوا ور منہ میں چلا جائے تو کیا روزہ ٹوٹ جائے گا؟

جواب: اگر منہ سے باہر نکال کر نگل گیا تب روزہ ٹوٹ جائے گا، خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو۔ اور اگر منہ سے باہر نہ نکالا بلکہ دانت سے نکال کر اندر ہی اندر نگل گیا تو اگر چنے سے چھوٹا ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اگر چنے کے برابر یا چنے سے بڑا ہے تو ٹوٹ جائے گا۔

سوال: اگر کسی میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو یا ہو تو سہی مگر رکھ نہ سکا اور مر گیا تو کیا کیا جائے؟

جواب: اگر کسی میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین یا چند مسکینوں کو صدقۂ فطر کی مقدار اناج یا اس کی قیمت دے دے یا دو وقتہ کھانا کھلائے۔

اور پھر روزہ رکھنے کی طاقت آ گئی تو ان روزوں کی قضا واجب ہے۔ اگر روزے نہ رکھ سکا اور مر گیا تو اگر وصیّت کر گیا ہے تو اس کے تہائی مال میں سے روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے۔ اگر تہائی مال کافی نہ ہو اور ورثا بالغین بعد تقسیم ترکہ اپنے حصّے میں سے دے دیں تب بھی درست ہے۔ اور نابالغ کے حصّے میں سے دینا درست نہیں۔

اور اگر وصیّت کر کے نہیں مرا تو بلا رضا مندی ورثا بالغین فدیہ دینا درست نہیں ہے۔

یہی حکم اس شخص کی زکاۃ کا ہے جس نے اپنی زندگی میں ادا نہ کی اور مر گیا۔ اور اگر وصیّت کر دی ہے تب تو اس کے تہائی مال میں سے ادا کر دی جائے، یا بالغ وارثوں نے اپنی خوشی سے اپنے مال سے ادا کر دی تو ادا ہو جائے گی۔ اور بلا وصیّت وارثوں کے دینے سے زکاۃ ادا نہ ہو گی البتہ ثواب صدقے کا پہنچے گا۔

اعتکاف کا بیان

سوال: اعتکاف کسے کہتے ہیں؟

جواب: رمضان شریف میں بیسویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے عورت کوئی خاص جگہ اپنے گھر میں مقرر کر کے اور مرد ایسی مسجد میں کہ اس میں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو، عید کا چاند نظر آنے تک روزے کے ساتھ وہاں موجود رہے، اسے اعتکاف کہتے ہیں۔

سوال: کیا اس جگہ سے ہٹنا نہ چاہیے؟

جواب: ہاں! اسی جگہ رہنا چاہیے، البتہ پیشاب پاخانہ اور غسل کی ضرورت ہو تو غسل، پیشاب پاخانہ اور وضو کے لیے نکلنا درست ہے، اور اگر کھانا لانے والا کوئی نہ ہو تو کھانے کے لیے نکلنا بھی درست ہے۔ اور مرد کو جمعہ کی نماز کے لیے بھی نکلنا درست ہے مگر جمعہ کے فرض یا پوری نماز سے فارغ ہو کر فوراً چلا آوے، اگر وہاں بیٹھا رہا یا راستے میں کھڑا ہو گیا تو اعتکاف جاتا رہے گا۔ حتیٰ کہ اگر اپنی مسجد سے بھول کر بھی باہر نکل گیا تب بھی اعتکاف جاتا رہتا ہے۔

اعتکاف میں بیوی سے ہم بستر ہونا، لپٹنا، چمٹنا بھی درست نہیں ہے، اور عورت حیض ونفاس میں اعتکاف چھوڑ دے، اور پاک ہونے کے بعد خاص اس دن کی قضا ضروری ہے، اگر یہ قضا رمضان شریف میں ہی کی گئی تو رمضان ہی کا روزہ کافی ہے، اور اگر بعدِ رمضان قضا کی تو اس دن روزہ رکھنا بھی ضروری ہوگا۔

سوال: کیا اعتکاف کرنا ہر شخص کے ذمہ ہے؟

جواب: نہیں، بستی والوں میں سے کسی ایک شخص نے بھی اعتکاف کر لیا تو سب کے ذمہ سے یہ سنت علی الکفایہ ادا ہو جائے گی۔ اور اگر کسی نے بھی نہ کیا تو سب اہلِ بستی گناہ گار ہوں گے۔ آج کل بڑے بڑے شہروں کے محلے بستی کے قائم مقام ہیں اس لیے ہر شہر کے ہر محلے میں اعتکاف کے لیے بیٹھنا چاہیے۔

زکاۃ کا بیان

اسلام کا تیسرا رُکن زکاۃ ہے، جس کے پاس مال ہو اور اس کی زکاۃ نہ نکالتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا ہی گناہ گار ہے۔ قیامت کے دن اس پر بڑا سخت عذاب ہوگا۔

قرآنِ پاک میں جہاں نماز کا ذکر ہے وہاں ساتھ ہی زکاۃ ادا کرنے کا بھی حکم ہے، اور زیادہ آیتیں ایسی ہی ہیں جن میں نماز کے ساتھ زکاۃ کا بھی حکم ہے۔ زکاۃ ادا کرنے والوں کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

''جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس میں سات بالیں ہوں اور ہر بال میں سو دانے ہوں''۔

اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''جس کے پاس سونا چاندی ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ نہ دیتا ہو تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی پھر ان کو دوزخ کی آگ میں گرم کر کے اس کی دونوں کروٹیں اور پیشانی داغی جائے گی اور جب ٹھنڈی ہو جائیں گی پھر گرم کر لی جائیں گی''۔

اسی طرح بے شمار احادیث میں زکاۃ نہ دینے والوں کے لیے بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائی ہیں۔

اب ذیل میں زکاۃ کے احکام و مسائل بیان کیے جاتے ہیں۔

سوال: زکاۃ کسے کہتے ہیں؟

جواب: اپنی اصل حاجت سے زائد ایک خاص مقدارِ شرعی مال میں سے سال کے بعد حصّۂ مقررہ نکالنے کا نام زکاۃ ہے۔ بشرطے کہ وہ مقدارِ شرعی ایک سال تک برابر یا شروع اور اخیر میں باقی رہے۔ اگرچہ وسطِ سال میں مال مقدارِ شرع سے کم ہوگیا ہو۔ اگر سب مال جاتا رہا ہو تو البتہ زکاۃ معاف ہے۔

سوال: وہ کتنی مقدار ہے جس پر زکاۃ واجب ہوتی ہے اور کتنی واجب ہوتی ہے؟

جواب: ساڑھے باون تولہ[1] چاندی یا ساڑھے سات تولہ[2] سونا، یا ان دونوں میں سے کسی ایک

[1] ۶۱۲٫۳۶ گرام۔ [2] ۸۷٫۴۸ گرام۔

کی قیمت کے برابر نقد روپیہ میں زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ اس کو نصاب کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہو تو بھی زکاۃ واجب ہے اور چالیسواں حصّہ واجب ہے۔

سوال: کیا سونے چاندی پر ہی زکاۃ واجب ہے اگر ان میں سے کوئی چیز نہ ہو لیکن اور کوئی چیز اس قسم کی ہو اس قسم پر واجب نہیں ہے؟

جواب: سونے چاندی اور اس کے زیور اور سکے و برتن، سچّا گوٹھا، ٹھپہ، سب پر زکاۃ واجب ہے۔ چاہے استعمال کیا جاوے یا بندر کھے رہیں۔ البتہ اس مقدارِ نصاب سے کم ہو جو بیان کی گئی ہے تو زکاۃ واجب نہ ہوگی۔

سوال: سال ختم ہونے سے پہلے سونے چاندی کی قسم سے کوئی اور چیز آجائے تو کیا اس کو اس پہلے مال کے ساتھ ملا کر اس سب کی زکاۃ سال کے ختم پر دی جائے گی، یا اس درمیان میں آئے ہوئے سونے چاندی کی زکاۃ کا حساب الگ کریں گے؟

جواب: اس پہلے مال کے ساتھ ملا کر زکاۃ دی جائے گی۔ مثلاً: کسی کے پاس سو روپیہ یا سونا چاندی تھی، سال پورا ہونے سے پہلے پچاس روپیہ یا کچھ سونا چاندی اور مل گیا تو ان پچاس روپیہ یا چاندی سونے کا حساب الگ نہ کریں گے، بلکہ اسی روپیہ یا چاندی سونے کے ساتھ ملا کر اس چاندی سونے اور اس روپیہ کا جب سال تمام ہوگا تو پورے ڈیڑھ سو روپیہ اور پورے چاندی سونے کی زکاۃ واجب ہوگی۔

سوال: اگر کسی کے پاس اتنا مال ہے کہ جس پر زکاۃ واجب ہوتی ہے مگر وہ قرض دار بھی ہے تو پھر زکاۃ کس طرح دینا واجب ہے؟

جواب: قرضے کو اس مال سے نکال کر دیکھیں، اگر وہ مقدار زکاۃ کے نصاب کے برابر ہو تو زکاۃ اس بچے ہوئے مال میں واجب ہے ورنہ نہیں۔

سوال: اگر سونے کی مقدار پوری نہ ہو اور نہ چاندی کی بلکہ ہر ایک نصاب سے کم ہے تب زکاۃ کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: ایسی صورت میں دونوں کی قیمت ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کے برابر ہو جائے تو زکاۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔ اور اگر دونوں چیزیں اتنی تھوڑی

تھوڑی ہیں کہ دونوں کی قیمت نہ اتنی چاندی کے برابر ہے نہ اتنے سونے کے برابر تو زکاۃ واجب نہیں۔ اور اگر سونے اور چاندی دونوں کی مقدار پوری پوری ہے تو قیمت لگانے کی ضرورت نہیں بلکہ سونے کی زکاۃ اس کے نصاب کا الگ حساب کر کے دے اور چاندی کی زکاۃ اس کے نصاب کا حساب کر کے الگ دے۔ اور اگر اس صورت میں بھی قیمت لگا کر دینا چاہے تو اس شرط سے جائز ہے کہ جس طرح قیمت لگانے میں غریبوں کا بھلا ہو اس طرح قیمت لگا دے۔

سوال: کیا سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات لوہا، رانگا وغیرہ یا مکان و قیمتی جوڑے وغیرہ میں زکاۃ واجب ہے؟

جواب: سونے چاندی کے علاوہ جتنا مال و اسباب و دیگر قسم کے دھات، لگن، دیگ وغیرہ اور مکانات حتّٰی کہ سچّے موتی کا ہار جواہرات وغیرہ کی چیز پر زکاۃ واجب نہیں۔ البتہ اگر سوداگری کے لیے وہ سامان ہو اور اس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کے برابر ہے تو سال گزرنے پر اس سامانِ تجارت پر زکاۃ واجب ہوگی۔ اور سوداگری کا مال وہی کہلایا جائے گا جو سوداگری ہی کی نیت سے خریدا گیا ہو، لہٰذا اگر کسی اور نیت سے خریدا پھر اس کو بیچنے کا ارادہ کر لیا تو وہ مالِ تجارت نہ کہا جائے گا۔ اس لیے اس پر زکاۃ بھی واجب نہ ہوگی۔

سوال: مہر جو کہ شوہر پر قرض ہوتا ہے وہ بیوی کو وصول ہوا اس پر زکاۃ کب سے دی جائے گی؟

جواب: مہر کے وصول ہونے کے بعد اگر سال بھر تک بمقدارِ نصاب باقی رہے تو اس پر زکاۃ واجب ہے، سال تمام ہونے سے پہلے اور پچھلے سالوں کی زکاۃ واجب نہیں ہے۔

سوال: اگر مال دار آدمی کہ جس پر زکاۃ واجب ہے وہ سال گزرنے سے پہلے زکاۃ دے دے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے بلکہ ایسا آدمی جو کہ صاحبِ نصاب ہے، کئی سال کی زکاۃ پیشگی دے دے تو بھی جائز ہے۔ لیکن اگر کسی سال مال بڑھ گیا تو بڑھے ہوئے کی زکاۃ بھی دینا پڑے گی۔ اسی طرح اگر صاحبِ نصاب کو کسی جگہ سے مال ملنے کی اُمید ہے اور اس نے موجودہ

مال اور اس ملنے والے مال دونوں کی زکاۃ پیشگی ادا کردی تو یہ بھی جائز ہے۔

ہاں! البتہ جس شخص پر زکاۃ واجب نہیں بلکہ کسی جگہ سے مال ملنے کی اُمید ہے اور وہ مال ملنے سے پہلے زکاۃ دے دے تو یہ زکاۃ ادا نہ ہوگی بلکہ جب مال مل جائے اور سال گزر جائے تو پھر زکاۃ دینا واجب ہے۔

سوال: اگر سال ختم ہونے سے پہلے تمام مال چوری ہو جائے یا خیرات کر دیوے یا کچھ مال خیرات یا چوری ہو جائے تو کیا زکاۃ واجب رہے گی؟

جواب: اگر تمام مال چوری ہو جائے یا خیرات کر دیا جاوے تو زکاۃ معاف ہے۔ اور اگر کچھ چوری ہو گیا یا کچھ خیرات کر دیا تو اس کے موافق زکاۃ ساقط ہو جائے گی، باقی مال میں زکاۃ واجب رہے گی۔ اور اگر نہ خیرات کیا نہ چوری کیا بلکہ بعدِ سال تمام کسی کو ہبہ کر دیا یا کسی طرح اپنے اختیار سے ہلاک کر ڈالا تو کل مال کی زکاۃ دینا پڑے گی، ساقط نہ ہوگی۔

زکاۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال: زکاۃ کیسے شخص کو دینی چاہیے اور دیتے وقت کیا نیت کرنا بھی ضروری ہے؟

جواب: زکاۃ مسلمان غریب کو جس کے پاس صدقۂ فطر کے نصاب کے برابر مال نہ ہو، دینی چاہیے، اور زکاۃ دیتے وقت زکاۃ کی نیت کر لینا ضروری ہے۔ اگر دیتے وقت زکاۃ کی نیت نہ کی تو جب تک اس شخص کے پاس زکاۃ کی رقم موجود ہے تب بھی زکاۃ کی نیت کر لینا درست ہے، بلکہ زکاۃ کی نیت سے رقم نکال کر الگ رکھ دی اور پھر مستحق مل جانے پر بلا نیت مستحق کو وہ رقم زکاۃ کی دے دی تب بھی زکاۃ ادا ہوگئی۔ اس شخص پر یہ ظاہر کرنا ضروری نہیں ہے کہ یہ رقم زکاۃ کی ہے بلکہ کسی کو انعام کے نام سے دے دی یا قرض کے لیے کوئی غریب آیا تو قرض کے نام سے دے دی مگر دل میں نیت زکاۃ کی کر لی تب بھی زکاۃ ادا ہوگئی۔

سوال: کسی پر ہمارا قرض ہو اور ہم زکاۃ کی نیت سے اس کو چھوڑ دیں تو زکاۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: اس طرح زکاۃ ادا نہ ہوگی۔ ہاں! اگر جتنے روپے اس پر قرض ہیں اتنے روپے اگر زکاۃ کی نیت سے دے دیے جائیں اور پھر وہ روپے اپنے قرضے میں اس سے لے لیے جائیں تو زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

سوال: کوئی شخص زکاۃ خود ادا نہ کرے بلکہ دوسرے آدمی کو زکاۃ کی رقم دے کہ وہ ادا کر دے تو ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: آپ نے زکاۃ کی رقم کسی کو دی کہ یہ کسی مستحق کو دے دینا تو اگر اس نے بعینہٖ وہی روپے کسی غریب کو دے دیے یا دوسرے اپنے پاس سے دے دیے اور آپ کے روپے اس کے پاس موجود ہیں خرچ نہیں کیے، بلکہ یہ خیال کیا کہ وہ میں لے لوں گا تو زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ چاہے وہ اپنے کسی رشتہ دار ماں باپ وغیرہ ہی کو دے دے۔ البتہ خود نہیں لے سکتا۔ ہاں! اگر یوں کہہ دیا کہ جو چاہے کرو تب خود بھی لے سکتا ہے۔

اور اگر آپ کے دیے ہوئے روپے خرچ کر ڈالے اور پھر اپنے پاس سے کسی غریب کو دے دیے تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی۔

اسی طرح اگر آپ کے روپے اس کے پاس موجود ہیں اور دوسرے روپے اپنے پاس سے دے دیے اور دیتے وقت یہ نیت نہ تھی کہ اس کے روپے میں لے لوں گا۔ تب بھی زکاۃ ادا نہ ہوگی۔ اب وہ روپے پھر زکاۃ میں دیے جائیں۔

سوال: اگر کوئی شخص بلا اجازت کسی کی طرف سے زکاۃ ادا کر دے تو زکاۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: اگر اس شخص نے پہلے اجازت دے دی کہ تم ہماری طرف سے زکاۃ ادا کر دینا اور اس نے اس کی طرف سے زکاۃ دے دی تب تو وہ ادا ہوگئی اور جتنا زکاۃ میں دیا ہے اب اس سے لے لیوے۔ اور اگر تمہاری بلا اجازت زکاۃ تمہاری طرف سے دے دی تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی حتیٰ کہ تم منظور بھی کر لو تب بھی درست نہیں اور نہ اس کو تم سے رقم وصول کرنے کا حق ہے۔

سوال: نوٹوں پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں اور نوٹوں سے زکاۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب: نوٹوں پر بھی زکاۃ واجب ہے۔ ہمارے اس دور میں نوٹ گو قانوناً حوالہ یا وثیقہ ہے مگر عملاً اور عرفِ عام میں سکّہ اور ثمن کے حکم میں ہے۔ اس لیے کہ چاندی کے روپے کی کئی سال سے صورت بھی دیکھنے میں نہیں آئی، سارا کاروبار اور سارے معاملات ان ہی نوٹوں سے انجام پاتے ہیں۔ لہٰذا نوٹوں سے زکاۃ ادا ہو جاتی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

پیداوار کی زکاۃ کا بیان

سوال: کیا ہر قسم کی زمین کی پیداوار میں زکاۃ واجب ہے اور کیا اس کا نام بھی زکاۃ ہے یا کچھ اور؟

جواب: ہر قسم کی زمین پر واجب نہیں ہے بلکہ اس زمین پر واجب ہے جو عُشری ہو۔ اور زمین کی پیداوار پر جو واجب ہوتا ہے اس کو عُشر اور اس زمین کو عُشری کہتے ہیں۔

سوال: زمین عشری کی ذرا تفصیل بیان کیجیے کہ کون سی زمین کو زمین عشری کہتے ہیں؟

جواب: کوئی ملک یا شہر کافروں کے قبضہ میں ہو اور وہ لوگ وہاں رہتے ہوں پھر مسلمان وہاں

پر حملہ کر دیں اور لڑ کر وہ ملک یا شہر فتح کر لیں اور وہاں اسلام پھیلا دیں اور اس شہر کی یا ملک کی تمام زمین مسلمان حکمران نے مسلمانوں میں تقسیم کر دی تو ایسی زمین کو زمین عشری کہتے ہیں۔ یا بغیر لڑائی کے اس شہر کے سب لوگ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے تب بھی اس شہر کی سب زمین عشری کہلائے گی۔

ملکِ پاکستان و ہندوستان اور عرب کی سب زمین عشری ہے۔ اگر کسی کے باپ دادا سے ہی زمین عشری چلی آتی ہے یا کسی ایسے ہی مسلمان سے خریدی ہو جس کے پاس اسی طرح چلی آتی ہو تو ایسی زمین کی پیداوار سے زکاۃ یعنی عشر دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کھیت میں صرف بارش کے پانی سے پیداوار ہو جائے یا ندی دریا کے کنارے ترائی میں بغیر پانی دیے پیداوار ہو جائے تو اس پیداوار میں سے دسواں حصہ نکالنا چاہیے۔ مثلاً: ایسی زمین سے سو من پیداوار ہو جائے تو دس من اور دس سیر میں ایک سیر حصہ خیرات کر دے۔ اور اگر اس زمین کو کسی اور طرح پانی دیا ہے، مثلاً: کنویں کے پانی سے یا رہٹ چلا کر یا پمپوں کے پانی سے آب پاشی کر کے سینچا ہے تو اس میں جو کچھ پیدا ہو اس کا بیسواں حصہ خیرات کرنا واجب ہے۔ مثلاً: سو من میں سے پانچ من، دس سیر میں سے آدھ سیر۔[1]

سوال: کتنی پیداوار میں دسواں یا بیسواں حصہ خیرات کرنا واجب ہے؟

جواب: اس کی کوئی قید نہیں، جس قدر بھی پیداوار ہو۔ کم یا زیادہ میں فرق نہیں۔

سوال: کیا ہر قسم کی پیداوار میں صدقہ واجب ہے؟

جواب: جی ہاں! خواہ دانہ کی قسم سے ہو، جیسے: گیہوں، جو، چنا، مٹر، مکّا وغیرہ۔ خواہ ترکاری کی قسم سے ہو، جیسے: پالک، میتھی، لوکی وغیرہ ترکاریاں۔ خواہ میوہ جات کی قسم سے ہو، جیسے: انگور، انار، سیب وغیرہ۔

البتہ اگر گھر میں کوئی درخت یا ترکاری وغیرہ کی قسم سے بویا جائے تو اس کے پھل یا پیداوار میں صدقہ واجب نہیں ہے۔

[1] اس کا مصرف بھی وہی ہے جو زکاۃ کا ہے۔ جنس کی بجائے عام بازار کے ریٹ پر دام بھی خیرات کر سکتا ہے۔

سوال: اگر کافر زمین عشری کو کسی مسلمان سے خریدے، یا مسلمان کسی کافر سے خریدے، یا کسی اور طرح ہبہ وغیرہ کے ذریعے سے وہ زمین کافر سے مسلمان کو مل جائے کیا تب بھی عشر واجب ہے؟

جواب: عشری زمین کو کافر مسلمان سے خریدے پھر مسلمان کافر سے خریدے یا کسی اور طرح سے اس کو مل جائے تو اس میں عشر واجب نہیں ہوتا۔

سوال: یہ عشر مالکِ زمین پر ہے یا پیداوار کے مالک پر؟

جواب: اس میں اختلاف ہے۔ صحیح تو یہ ہے کہ پیداوار کے مالک کے ذمہ ہے۔ لہٰذا کھیت اگر ٹھیکے پر ہو خواہ نقد یا غلّہ پر تب تو کاشت کار پر واجب ہے، اور اگر کھیت بٹائی پر ہے تو زمین دار اور کسان دونوں کے ذمہ اپنے اپنے حصّے کا واجب ہے۔

کن کن لوگوں کو زکاۃ دینا جائز ہے اور کن کو نہیں

سوال: زکاۃ کیسے شخص کو دینا جائز ہے؟

جواب: ایسے مسلمان کو جو صاحبِ نصاب نہ ہو، یعنی اس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کے برابر نقد روپے یا ساڑھے سات تولہ سونا نہ ہو اور نہ اتنی قیمت کا سوداگری کا مال اور نہ اتنی ہی قیمت کا اپنی ضرورت سے زائد دوسری قسم کا مال ہو، اس کو بلا کسی عوض کے مالکِ زکاۃ بنانا درست ہے۔

سوال: ضرورت کا سامان ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: جو سامان اسباب اکثر کام آتا ہے جیسے: اپنا گھر، پہننے کے کپڑے، نوکر چاکر، گھر کی گرہستی، پڑھے ہوئے آدمی کے پاس اس کی سمجھ کے موافق پڑھنے کی کتابیں، دس پانچ گھر کا ہونا جو کہ کرایہ پر چلتے ہیں جن کی آمدنی سے اپنی گزر ہوتی ہے، یا ایک آدھ گاؤں کہ جس کی آمدنی سے گزر اوقات بھی نہیں ہوتی۔ یا دس بارہ ہزار تو موجود ہے مگر اتنا ہی یا اس سے زیادہ قرضہ بھی ہے، یا قرضہ کم ہے مگر قرضہ ادا کر کے اتنی رقم نہیں بچتی کہ جس میں زکاۃ واجب ہو، ان کو اسبابِ ضروری کہا جاتا ہے۔ بخلاف دیگ، لگن،

شامیانے وغیرہ کے جو گھر میں رکھے رہتے ہیں کبھی اتفاقی بیاہ شادی میں کام آ جاتے ہیں وہ سامانِ ضروری میں داخل نہیں۔ لہٰذا ان کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا کے برابر ہو تو زکاۃ دینا درست نہیں۔

سوال: ایک شخص مال دار ہے لیکن سفر میں احتیاج پیش آ گئی کہ روپیہ پاس نہ رہا گھر تک بھی کرایہ نہ رہا کیا ایسے شخص کو زکاۃ دینا درست ہے؟

جواب: درست ہے۔

سوال: کیا زکاۃ کا پیسہ مسجد، کفن دفن، مدرسین اور مؤذن و امام کو تنخواہ میں دینا درست ہے؟

جواب: ان موقعوں میں دینا درست نہیں، حتیٰ کہ میت کا قرضہ بھی زکاۃ کے پیسے سے ادا کرنا درست نہیں ہے۔ زکاۃ کے لیے یہ شرط ہے کہ ایسے غریب مسلمان کو دی جائے کہ وہ اس پیسے کا مالک بن سکے۔ اور کسی کام کے عوض نہ دیا جائے۔

سوال: کیا نابالغ کو زکاۃ دینا درست ہے؟

جواب: اگر نابالغ کا باپ مال دار ہو تو اس کو زکاۃ دینا درست نہیں ہے اور اگر باپ مال دار نہ ہو یا ماں مال دار بھی ہو تو نابالغ بچے کو زکاۃ دینا درست ہے۔

سوال: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کو زکاۃ دینا درست ہے؟

جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد جو کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہو ان کو دینا جائز نہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی کی اولاد کو زکاۃ دینا درست نہیں ہے۔ علوی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں اُن کو بھی دینا درست نہیں ہے، اور نہ دیگر صدقاتِ واجبہ جیسے: نذر، کفارہ، عشر۔ ان کے علاوہ ہر قسم کا صدقۂ نفلی یونہی اللہ واسطے دینا درست ہے۔

سوال: کیا نوکر، ماما، دائی، خدمت گار وغیرہ کو صدقۂ واجبہ کا پیسہ دینا درست ہے؟

جواب: درست ہے، لیکن تنخواہ میں نہ لگائے۔ بلا تنخواہ یونہی بطور انعام کے دی جائے اور دل میں زکاۃ دینے کی نیت کر لی جائے۔

سوال: ایک ایسا قاعدہ بتاؤ کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ کس کس کو زکاۃ دینا درست ہے کس کو نہیں؟

جواب: اپنے اصول جیسے: ماں باپ، دادا، سگر دادا وغیرہ، اسی طرح نانی نانا، پرنانا، سگر نانا وغیرہ،

حصہ دوم

اور اپنی فروع یعنی اولاد در اولاد، بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، پڑپوتی، نواسی درنواسی وغیرہ، اور شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو، اور غلام اور سیدوں کو زکاۃ دینا درست نہیں ہے۔

ان کے علاوہ سب غریب مسلمانوں کو زکاۃ دینا درست ہے خواہ وہ بھائی، بہن، پھوپھی، چچی، ساس، سسر، سالی، بھانجی، خالہ، سوتیلا باپ، سوتیلی ماں وغیرہ کوئی ہو۔

سوال: اگر کوئی ایسی عورت ہو کہ جس کا مہر بمقدار نصاب شوہر پر قرض ہے کیا اس کو زکاۃ دینا درست ہے؟

جواب: اگر خاوند غریب ہو ادا نہیں کرسکتا یا امیر ہے دیتا نہیں یا مہر معاف کردیا تو ایسی عورت کو زکاۃ دینا درست ہے۔ اور اگر یہ اُمید ہے کہ جب بھی مانگے گی فوراً دے دے گا انکار نہ کرے گا تو ایسی عورت کو زکاۃ دینا درست نہیں ہے۔

سوال: جن کو زکاۃ دینا درست نہیں اگر غلطی سے ان کو زکاۃ دے دی جائے تو ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: اگر وہ شخص کافر نہ ہو تو ادا ہو جائے گی۔ مثلاً: کسی کو مستحق سمجھ کر زکاۃ دے دی پھر معلوم ہوا کہ وہ سیّد ہے یا مال دار ہے یا اندھیرے میں کسی کو زکاۃ دے دی پھر معلوم ہوا کہ وہ میری ماں یا باپ، یا لڑکی، یا ایسا رشتہ دار نکلا کہ جس کو زکاۃ دینا درست نہیں تھا تو زکاۃ ادا ہوگئی۔ مگر جب ان کو معلوم ہو جائے کہ یہ پیسہ زکاۃ کا ہے اور میں زکاۃ کا مستحق نہیں ہوں تو واپس کردے۔

اگر وہ شخص کافر نکلا تو زکاۃ ادا نہ ہوگی۔ اس سے لے لے۔ اگر وہ نہ دے تو پھر اپنے پاس سے دوبارہ کسی مستحق کو ادا کرے۔

سوال: کوئی آدمی ہے اور اس کا غریب یا مال دار اور سیّد وغیرہ ہونا کچھ معلوم نہیں تو کیا اس کو زکاۃ دینا درست ہے؟

جواب: ایسے شبہ کی حالت میں زکاۃ نہ دینی چاہیے۔ اگر بلا تحقیق دے دی تو دل اگر اس کے غریب ہونے کی طرف زیادہ مائل ہو جائے تب تو زکاۃ ادا ہوگئی پھر سے دوبارہ نہ دے۔ اور اگر دل یہ کہے کہ یہ مال دار ہے تو زکاۃ ادا نہ ہوگی پھر دوبارہ ادا کی جائے۔

سوال: سب سے زیادہ زکاۃ کے مستحق کون لوگ ہیں؟

جواب: سب سے زیادہ اپنے رشتہ دار ہیں مگر ان سے یہ ظاہر نہ کرو کہ یہ زکاۃ کا پیسہ ہے تاکہ ان کو عار نہ آئے، برا نہ مانیں۔ ان کے بعد دوسرے لوگ ہیں اور مدارسِ دینیہ ہیں۔ اور مدارسِ دینیہ میں صدقات، زکاۃ، صدقۂ فطر، چرمِ قربانی وغیرہ کی رقم دینے کا بہت ثواب ہے۔ اوّل غریب ہونے کا، دوسرے مسافر ہونے کا، تیسرے مہمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا، چہارم طالبِ علم ہونے کا۔

نوٹ: مدارس اور دیگر دینی تنظیموں میں زکاۃ بغیر تملیک ادا نہیں ہوتی (تملیک کا طریقہ کسی محقق عالم سے معلوم کرلیا جائے)۔

جہاں تک ہوسکے ایک شہر کی زکاۃ دوسرے شہر میں نہ بھیجے یہ مکروہ ہے، اپنی ہی بستی کے مدارس غُرَبا پر تقسیم کی جائے۔ ہاں! دوسرے شہر کے لوگ زیادہ محتاج ہوں یا اپنے رشتہ دار ہوں تو بھیجنا درست ہے، مکروہ نہیں۔

صدقۂ فطر کا بیان

سوال: صدقۂ فطر کسے کہتے ہیں؟

جواب: رمضان شریف کے بعد عید کے دن عید کی نماز سے پہلے جو ایک خاص مقدار میں ہر صاحبِ نصاب شخص غریب کو خیرات کرتا ہے اسے صدقۂ فطر کہتے ہیں۔

سوال: صدقۂ فطر کس پر واجب ہے؟

جواب: ہر مسلمان مال دار بالغ و نابالغ مرد و عورت پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ خواہ روزہ رکھے یا نہ رکھے۔

سوال: مال دار ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: مال دار ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جتنی مقدار پر زکاۃ واجب ہے اتنا مال و اسباب ہو اور اپنی ضرورت اور قرضے سے زائد بچا ہوا ہو، یا رہنے کے علاوہ دوسرا مکان موجود ہو۔ خواہ وہ مال و اسباب سوداگری کا ہو یا نہ ہو، اس پر سال گزر چکا ہو یا نہ گزر چکا ہو،

بلکہ عید کے دن صبح صادق سے پہلے ہی اتنا مال مل جائے، میراث یا ہبہ وغیرہ میں۔ تب بھی صدقۂ فطر واجب ہے۔

سوال: صدقۂ فطر کب واجب ہے؟

جواب: عید کے دن صبح صادق کے وقت واجب ہوتا ہے۔ اگر کوئی صبحِ صادق سے پہلے مر گیا اس پر واجب نہیں، اسی طرح جو بچہ صبحِ صادق کے بعد پیدا ہوا یا صبحِ صادق کے بعد کوئی کافر مسلمان ہوگیا تو ان پر صدقہ واجب نہیں۔

سوال: صدقۂ فطر کس وقت ادا کرنا چاہیے؟

جواب: مستحب اور بہتر یہ ہے کہ عید کی نماز کو جانے سے پہلے ادا کریں تا کہ بے چارے غریب لوگ بھی اس کے ذریعے سے اپنے گھر میں کھانے پکانے کا سامان کرلیں اور اپنے بچوں کو خوش کرسکیں۔ اور اگر بعدِ عید یا رمضان شریف میں ادا کردیں تو بھی ادا ہوجائے گا۔ اگر عید سے پہلے ادا نہ کیا ہو تو یہ نہیں کہ معاف ہوجائے گا بلکہ بعد میں کسی بھی دن ادا کرنا ضروری ہے۔

سوال: صدقۂ فطر اپنی ہی طرف سے واجب ہے یا دوسرے کی طرف سے بھی، مثلاً ماں، باپ، اولاد، بیوی کی طرف سے بھی؟

جواب: صرف اپنی ہی طرف سے واجب ہے۔ ماں، باپ، بیوی کی طرف سے واجب نہیں، البتہ نابالغ اولاد کی طرف سے بھی واجب ہے۔ لیکن اگر وہ نابالغ اولاد مال دار ہے پھر ماں باپ کے ذمہ واجب نہیں ہے بلکہ ان کے مال میں سے ادا کرے اور بالغ اولاد کی طرف سے واجب نہیں ہے۔ اگر کسی کا لڑکا مجنون ہو تو اس کی اجازت سے دیوے۔

سوال: صدقۂ فطر کس قدر واجب ہے؟

جواب: گیہوں یا گیہوں کا آٹا یا ستو پونے دو سیر واجب ہے۔ مگر احتیاطاً دو سیر (دو کلو) ہی دے دیا جائے۔ اور جو یا جو کا آٹا یا ستو اس کا دُگنا دیا جائے اور چنے اور جوار دی جائے تو اس قدر دی جائے کہ اس کی قیمت اتنے گیہوں یا جو کے برابر ہوجائے جو کہ بیان کی گئی ہے

اورسب سے اچھا یہ ہے کہ اس وقت جو نرخ گیہوں یا جو کا ہو اس بھاؤ سے اتنے وزن گیہوں یا جو کی قیمت دی جائے۔

سوال: صدقۂ فطر ایک ہی فقیر کو دیا جائے یا تھوڑا تھوڑا کئی فقیروں کو دیا جائے؟

جواب: سب طرح جائز ہے خواہ ایک آدمی کا صدقۂ فطر ایک ہی آدمی کو دیا جائے یا چند فقیروں کو، یا کئی آدمیوں کا صدقہ ایک فقیر کو دیا جائے یا چند فقیروں کو دیا جائے۔ لیکن چند آدمیوں کا صدقۂ فطر ملا کر اتنا فقیر کو نہ دیا جائے کہ وہ زکاۃ کے نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے کیوں کہ اتنا دینا مکروہ ہے۔

قربانی کا بیان

قربانی کا بہت بڑا ثواب ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

”قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اِن دنوں میں یہ نیک کام سب نیکیوں سے بڑھ کر ہے۔ اور قربانی کرتے وقت یعنی ذبح کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے تو زمین تک پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے۔ تو خوب خوش خوش اور دِل کھول کر قربانی کیا کرو“۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ قربانی کے جانور کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں ہر ہر بال کے بدلے میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

بھیڑ کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں اگر کوئی صبح سے شام تک گنے تب بھی نہ گنے جاسکیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے امیر اور مال دار بنایا ہے تو مناسب ہے کہ جہاں اپنی طرف سے قربانی کرے وہاں اپنے ان رشتہ داروں کے لیے بھی کرے جو انتقال کر گئے ہیں۔ جیسے: ماں، باپ وغیرہ کہ ان کی روح کو بھی اتنا بڑا ثواب پہنچ جائے اور حضورِ اکرم ﷺ کی طرف سے، آپ کی بیویوں کی طرف سے، اور اپنے پیر وغیرہ کی طرف سے بھی کر دے۔ اور نہیں تو کم از کم اپنی طرف سے قربانی ضرور کرے کیوں کہ مال دار پر تو واجب ہے۔ جس کے پاس مال و دولت سب کچھ موجود ہے اور قربانی کرنا اس پر واجب ہے پھر بھی اس نے قربانی نہ کی اس سے بڑھ کر بدنصیب اور محروم کون ہوگا اور گناہ الگ رہا۔

قربانی کے اَحکام

سوال: قربانی کس پر فرض ہے؟

جواب: جس پر صدقۂ فطر واجب ہے اس پر قربانی بھی فرض ہے۔ اس کے کرنے میں بہت بڑا ثواب ہے، اس لیے مسافرِ شرعی اور جس پر فرض بھی نہ ہو اگر وہ بھی قربانی کرے تو بے حد ثواب پاوے۔ ہاں! اگر مسافر قربانی کے دنوں میں سے کسی دن اپنے گھر لوٹ آیا اور اس کے پاس اتنا مال ہے کہ جس پر قربانی فرض ہوتی ہے تو تیسرے دن تک قربانی کرنا ہوگی۔

سوال: قربانی کا وقت کب سے کب تک ہے؟

جواب: بقرعید کی دسویں تاریخ کو نماز کے بعد سے لے کر بارھویں تاریخ تک سورج غروب ہونے سے پہلے کر لینا درست ہے۔ اسی طرح اگر شہر اور قصبہ کے رہنے والے شخص نے اپنی قربانی کا جانور گاؤں میں بھیج دیا تھا تو اب اس کی قربانی نماز سے پہلے کرنا درست ہے بعدِ ذبح گوشت منگا لے اور کھائے۔

سوال: کیا قربانی اپنے ہاتھ سے کرے اور کیا ذبح کے وقت کسی دُعا کا پڑھنا ضروری ہے؟

جواب: نہ اپنے ہاتھ سے کرنا ضروری ہے اور نہ کسی دُعا کا پڑھنا ضروری ہے۔ ہاں! اگر خود ذبح کرنا آتا ہو اور دُعا یاد ہو تو خود ذبح کرنا اور دُعا پڑھ لینا اچھا ہے۔ صرف دل میں قربانی کا یہ خیال کر لینا کافی ہے کہ میں قربانی کرتا ہوں۔ البتہ ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔ اگر قصداً یہ نہ پڑھے جب کہ یاد بھی ہو تو قربانی درست نہ ہوگی۔ ہاں! ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا بھول گیا تو قربانی صحیح ہے۔[1]

سوال: ذبح کے وقت کی دُعا کیا ہے؟

جواب: یہ دُعا ہے:

---

[1] جانور کے گلے میں ایک گھنڈی ہوتی ہے اس کے نیچے سے ذبح کرنا چاہیے اوپر ذبح نہ کرے کہ اکثر فقہا اس کو حرام کہتے ہیں۔ احتیاط اسی میں ہے۔ (وعظ تنظیم الشعائر از حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ. إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ. لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ. اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ پھر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہہ کر ذبح کرے، اور ذبح کرنے کے بعد یہ پڑھے: اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيبِكَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِيلِكَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ.

سوال: قربانی اپنی ہی طرف سے فرض ہے یا بیوی بچوں کی طرف سے بھی؟

جواب: قربانی صرف اپنی ہی طرف سے فرض ہے، نہ بیوی کی طرف سے نہ اولاد کی طرف سے، بلکہ نابالغ اولاد مال دار بھی ہو تب بھی قربانی اس کی طرف سے فرض نہیں، نہ اپنے مال سے نہ اس کے مال میں سے۔ اگر کرے گا تو نفل ہوگی۔ مگر اس کے مال میں سے ہرگز نہ کرے ورنہ گناہ گار اور اتنے مال کا ضامن ہوگا۔

سوال: جس پر قربانی واجب نہیں اگر اس نے قربانی کا جانور خرید لیا تو کیا اس پر قربانی واجب ہو جائے گی؟

جواب: جی ہاں! اب اس پر واجب ہو جائے گی۔ اگر وہ جانور گم ہو گیا تو اب دوسرا خریدنا واجب نہیں۔ اگر خرید لیا تو قربانی واجب ہو جائے گی، پھر اگر پہلا بھی مل گیا تو دونوں کی قربانی واجب ہو جائے گی۔ البتہ اگر وہ امیر ہے تو صرف ایک کی واجب ہوگی۔

لہٰذا اگر امیر آدمی کا جانور گم ہو گیا یا مر گیا یا کوئی عیب ایسا پیدا ہو گیا کہ قربانی درست نہیں ہوتی تو امیر آدمی کو دوسرا جانور خریدنا واجب ہے۔

سوال: یہ عجیب بات ہے کہ غریب جتنے جانور قربانی کی نیت سے خریدے تو اتنی ہی واجب ہوگی اور امیر پر ایک ہی واجب ہوگی، اس کی کیا وجہ؟

جواب: اس تعجب پر مجھے بھی تعجب ہے کہ یہ تعجب ہی کیوں ہوا؟ سیدھی بات ہے کہ غریب پر من جانب اللہ واجب نہ تھی اس نے خود ہی قربانی کی نیت کر کے اپنے اوپر واجب کر لی۔ پھر دوسرا قربانی کی نیت سے خریدا اس کی قربانی بھی واجب ہو گئی۔

جیسے نفل نماز نیت باندھنے سے واجب ہو جاتی ہے اور فاسد کرنے سے پھر ادا کرنا لازم ہوتی ہے بخلاف اس شخص کے کہ جس پر پہلے ہی سے واجب ہے۔ لہٰذا اس پر وہ ایک ہی واجب رہے گی۔ اور یہ کس قدر کرمِ خداوندی ہے کہ امیر کے ذمہ گم ہو جانے پر دوسرا جانور خریدنا اور غریب کو دوسرا خریدنا لازم نہیں، اس نے خود ہی دوسرا خرید کر لازم کرلی۔ پھر تعجب کی کیا بات ہے؟ شریعت میں کہیں تنگی نہیں ہے۔ جو کچھ تنگی معلوم ہوتی ہے یہ اپنے جہل اور ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔

سوال: قربانی کے لیے کسی نے جانور خریدا اور خریدنے کے وقت شریک کرنے نہ کرنے کی کچھ نیت نہ تھی اگر کوئی اور مل گیا تو اس کو بھی اس جانور میں شریک کریں گے تو کیا قربانی درست ہو جائے گی؟

جواب: اگر خریدتے وقت شریک کرنے کی نیت ہو تب تو شریک کرنا درست ہے۔ خواہ شریک کرنے والا امیر ہو یا غریب، اور اگر خریدتے وقت نیت شریک کرنے کی نہ تھی بلکہ پورا جانور خود ہی قربانی کرنے کا ارادہ تھا تو اگر وہ غریب ہے کہ جس پر قربانی واجب نہ تھی اسے تو شریک کرنا درست نہیں، اور اگر وہ امیر ہے کہ جس پر قربانی واجب تھی اسے دوسرے کو شریک کر لینا درست ہے مگر بہتر نہیں۔

سوال: قربانی کن کن جانوروں کی کرنا درست ہے؟

جواب: بکری بکرا، بھیڑ دنبہ، گائے بیل، بھینسا بھینس، اونٹ اونٹنی، ان جانوروں کی قربانی کرنا درست ہے ان کے علاوہ اور جانوروں کی درست نہیں۔

سوال: کیا ان سب جانوروں میں ایک ہی حصّہ درست ہوتا ہے یا کئی شخص بھی شریک ہو سکتے ہیں؟

جواب: اونٹ اونٹنی، گائے بیل، بھینس بھینسا میں سات حصّے تک درست ہیں، اگر سات آدمی اپنا اپنا حصّہ لے کر ان جانوروں میں شریک ہو جائیں تو درست ہے۔ مگر سب کی نیت قربانی کی ہو صرف گوشت کھانے کی نیت نہ ہو اور نہ کسی کا حصّہ پورے ایک حصّے سے کم ہو۔ اگر کسی کا حصّہ ساتویں حصّے سے کم ہو یا آٹھ حصّے ہو جائیں اور یا کسی ایک کی نیت گوشت کھانے کی ہو تو پھر کسی کی بھی قربانی درست نہیں۔ نہ اس کی جس کا پورا

حصہ ہے نہ اس کی جس کا ساتویں حصے سے کم ہے۔

سوال: قربانی کے جانور کی عمر کیا ہونی چاہیے؟

جواب: اونٹ اونٹنی پانچ برس کی، گائے بھینس وغیرہ دو برس کی اور بکرا بکری وغیرہ سال بھر کی[1] البتہ دنبہ بھیڑ اگر اتنا فربہ ہو کہ ایک سال کے بھیڑ دنبوں میں دیں تو سال بھر کا معلوم ہو تو ایسے بھیڑ دنبہ کی چھ ماہ کے عمر کی بھی قربانی درست ہے۔ مگر بکرا بکری پورے ایک سال ہی کے ہوں اس سے کم بالکل نہ ہوں، خواہ کیسے ہی فربہ ہوں۔

سوال: قربانی کے جانور میں اگر کسی جگہ عیب ہو تو کیا اس کی قربانی درست ہے؟

جواب: جو جانور اندھا ہو، یا کانا ہو، یا ایک آنکھ کی تہائی یا زائد روشنی جاتی رہی ہو، یا جس کے کان بالکل نہ ہوں پیدائش ہی سے، یا ایک کان یا تہائی سے زائد یا دُم تہائی یا تہائی سے زائد کٹ گئی، یا جس کے بالکل دانت نہ ہوں یا اکثر گر گئے ہوں، یا جس کے سینگ بالکل جڑ سے کٹ گئے ہوں گودا نظر آتا ہو، یا اتنا لنگڑا کہ تین پاؤں سے چلتا ہے چوتھا پاؤں زمین پر رکھا ہی نہیں جاتا، یا رکھا جاتا ہے مگر چل نہیں سکتا، یا اتنا دبلا ہے کہ ہڈیوں میں بالکل گودا نہ رہا تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں۔

ہاں! اگر اتنا لنگڑا ہو کہ چلتے وقت لنگ والا پاؤں زمین پر رکھ کر چلتا ہو، اور صرف کچھ کمزور جو بالکل بے گودا نہ ہو، یا دانت زیادہ موجود ہوں اور تھوڑے گر گئے ہوں، یا پیدائشی کان چھوٹے چھوٹے ہوں، یا پیدائش ہی سے سینگ نہ ہوں یا تھے مگر ٹوٹ گئے ہوں لیکن بالکل جڑ سے نہیں ٹوٹے تو ایسے جانوروں کی قربانی درست ہے۔ اسی طرح خصی بکرے، مینڈھے کی قربانی بھی جائز ہے بلکہ خصی کی اولیٰ ہے۔

سوال: قربانی کا جانور خریدنے کے بعد ایسا عیب پیدا ہو گیا کہ جس سے قربانی درست نہیں تو کیا اس کی قربانی کرنا درست ہے؟

جواب: اگر وہ شخص امیر ہے کہ جس پر قربانی واجب ہے تب تو دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے۔

---

[1] ان جانوروں کی عمر پورا ہونے کی نشانی یہ ہے کہ ان کے نچلے دو درمیانی دانت (کم از کم) واضح طور پر بڑے نظر آتے ہیں۔

اور اگر وہ غریب ہے کہ جس پر قربانی واجب نہ تھی تو اسے درست ہے کہ اسی کی قربانی کردے، دوسرا جانور خرید کر قربانی کرنا لازم نہیں۔

سوال: قربانی کے جانور کے سات حصّے کیے گئے کیا ان کو وزن کر کے تقسیم کیا جائے یا اٹکل سے بھی درست ہے؟

جواب: اگر تقسیم نہ کریں بلکہ یکجائی احباب وفقرا کو تقسیم کرنا یا پکا کر کھلانا چاہیں تو درست ہے۔ اور اگر کچھ شریک اس میں سے حصّے کرنا چاہیں تو پھر اٹکل سے تقسیم کرنا درست نہیں۔ سب کو ٹھیک ٹھیک تقسیم کرنا چاہیے۔ اگر کسی بھی طرف زائد ہو گیا تو سود کا گناہ ہوگا۔ اور جس طرف زائد ہو گیا ہو اس کا کھانا بھی درست نہیں ہے۔ البتہ ایک طرف سری پائے یا کھال ملالی تو اگر اس طرف گوشت کم ہو تو درست ہے۔ ہاں! جس طرف گوشت زیادہ ہو اس طرف سری پائے ملائے تو یہ بھی سود ہوا اور گناہ ہوگا۔

سوال: قربانی کے گوشت کا کیا کرنا چاہیے؟

جواب: قربانی کا گوشت خود کھائے، اپنے رشتہ داروں کو دیوے اور فقرا و محتاجوں کو خیرات کرے اور اگر سب خود ہی کھا لیا جائے تو یہ بھی درست ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ گوشت کے تین حصّے کرے: ایک حصّہ اپنے لیے، ایک رشتہ داروں میں بھیجنے کے لیے، ایک فقرا غریبوں کے لیے۔ جن کے یہاں قربانی نہ ہو ان کے یہاں بھیجنا زیادہ مناسب ہے۔ اور گوشت یا چربی یا چھیچھڑے قصائی کی مزدوری میں نہ دے بلکہ مزدوری اپنے پاس سے الگ دے۔

سوال: قربانی کی کھال کا کیا کیا جائے؟

جواب: اگر کھال کو بلا بیچے ہوئے یونہی اپنے کام میں لائے جیسے: بڑا ڈول، چھلنی، مشک، ڈول، جائے نماز بنوالی تو درست ہے۔ مگر بیچ دی تو پھر اس کے دام خیرات کرنا لازم ہے کسی غریب کو دے دیں۔ نہ مسجد یا کفن یا کنویں وغیرہ کسی ایسی جگہ خرچ کرنا درست ہے نہ کسی کی مزدوری اور تنخواہ میں دینا درست ہے۔ ہاں! مدرسوں میں دے دی جائے اور اہلِ مدارس قاعدے کے موافق تملیک کرلیں تب جس جگہ صَرف کریں درست ہے۔ یا طلبا پر کھانے، کپڑے وغیرہ میں صَرف کریں۔ رسی، جھول قربانی کے

جانور کے ساتھ جو آتی ہے سب خیرات کردینا چاہیے۔

سوال: اگر کسی نے اپنا کام ہو جانے پر قربانی کرنے کی نیت کی تو کیا کام پورا ہو جانے پر اس کا پورا کرنا واجب ہے؟

جواب: جو شخص قربانی کرنے کی منت مانے اور کام پورا ہو جائے تو اس پر قربانی کا کرنا واجب ہے خواہ وہ مال دار ہو یا نہ ہو۔ اور منت کی قربانی کا گوشت خیرات کرنا واجب ہے، نہ خود کھائے۔ نہ امیروں کو دے۔ جتنا خود کھائے گا یا امیروں کو دے گا تو اتنا پھر خیرات کرنا ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ قربانی کے ہی دنوں میں کرے۔ ہاں! اگر ذبح کرنا مراد ہو تو جب چاہے ذبح کردے قربانی کے دنوں میں ذبح کرنے کی قید نہیں ہوگی۔

سوال: مُردے کی طرف سے قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: اگر اپنی خوشی سے کسی مُردے کو ثواب پہنچانے کے لیے قربانی کی جائے تو درست ہے۔ اور اس کے گوشت کا خود کھانا اور تقسیم کرنا بھی سب درست ہے مثل اپنی قربانی کے۔ لیکن اگر کوئی وصیّت کرکے مرا ہو کہ میرے ترکہ میں سے میری طرف سے قربانی کردی جائے اور اس کی وصیّت کی بنا پر اس کے مال میں سے قربانی کی گئی تو اس قربانی کا تمام گوشت خیرات کرنا واجب ہے۔ اور اگر وصیّت کی بنا پر قربانی کی مگر اپنے روپے سے تو پھر خیرات کرنا ضروری نہیں بلکہ اس کا حکم مثل اپنی قربانی کے ہے۔ ہاں! میت کو ثواب ملے گا۔

سوال: اگر کسی کی طرف سے اس کی بلا اجازت قربانی کردی جائے تو کیا درست ہے؟

جواب: قربانی کا بلا اجازت کرنا درست نہیں، یہ قربانی درست نہ ہوگی۔ اور کسی جانور میں کسی کا حصّہ بلا اجازت لے لیا تو اور حصّہ داروں کی بھی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

سوال: اگر کوئی جانور گابھن نکل آئے تو کیا کیا جائے؟

جواب: قربانی اس کی درست ہے۔ اور اگر بچہ زندہ نکل آئے تو اس کو بھی ذبح کردیا جائے، یہ نہیں کہ دوسرے سال اس کی قربانی کریں۔ لیکن بجائے اس گابھن کے دوسری لے لیں تو اچھا ہے، مگر اس میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ جو جانور دوسرا لیا جائے وہ اگر

قیمت میں کم ہوگا تو اتنے دام خیرات کرنا ہوں گے، مثلاً: پہلا دس روپے کا تھا، دوسرا آٹھ روپے کا تو دو روپے خیرات کرنا ہوں گے۔ اور اگر بدلنے والا غریب ہے تو اس کو چاہیے کہ پہلے اپنی گائے دے دے پھر دوسری لے لے، کیوں کہ اگر ایسا نہ کیا بلکہ پہلے دوسری لے لی تو اب ان دونوں کی قربانی واجب ہو جائے گی۔ اور اگر وہ امیر ہو کہ جس پر قربانی واجب تھی تو وہ خود پہلے اپنی دے کر دوسری لے، خواہ دوسری پہلے لے کر اپنی دے ہر طرح اس پر ایک ہی جانور کی قربانی واجب ہے۔

عقیقہ کا بیان

سوال: عقیقہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: عقیقہ اسے کہتے ہیں کہ جس کے ہاں کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا ہو تو ساتویں دن یا جب توفیق ہو جائے تو کوئی بکرا بکری، دنبہ مینڈھا ذبح کر دیا جائے اور اس بچے کا نام رکھ دیا جائے۔ عقیقہ کرنے سے سب اَلا بَلا دور ہو جاتی ہے اور اللہ کے حکم سے آفتوں سے دور رہتا ہے۔

سوال: کیا لڑکا لڑکی کے لیے ایک ایک بکرا بکری ہے۔ اور ساتویں دن عقیقہ نہ کر سکے تو کب کرے؟

جواب: لڑکے کے واسطے دو بھیڑ یا دو بکری، اور لڑکی کے لیے ایک بکری یا بھیڑ ذبح کرے۔ اور اگر قربانی کے جانور میں حصّہ لیا جائے تو لڑکے کے واسطے دو حصّے اور لڑکی کے واسطے ایک حصّہ لے لیں۔ اگر ساتویں دن نہ کر سکے تو ساتویں دن ہو جانے کا خیال کرنا بہتر ہے اور وہ اس طرح ہے کہ جس دن بچہ پیدا ہوا ہو اس سے ایک دن پہلے عقیقہ کر دے۔ مثلاً بدھ کو پیدا ہوا ہو تو عقیقہ منگل کو کر دے۔

سوال: کیا دو بکرے بکری یا مینڈھا لڑکے کے واسطے کرنا لازم ہے؟

جواب: نہیں! وسعت ہو تو دو کر دے، نہیں تو ایک کر دے۔ اور ایک کی بھی وسعت نہ ہو تو قرض لے کر نہ کرنا چاہیے جب وسعت ہو کر دے، نہیں تو نہ کرے۔

سوال: کیا بچے کے سر پر استرا رکھنا اور اسی وقت ذبح کرنا ضروری ہے؟

جواب: توبہ توبہ، یہ فضول رسم ہے۔ ہر طرح جائز ہے، چاہے پہلے ذبح کرے بعد کو سر منڈا دے،

یا پہلے سر منڈا دے بعد کو ذبح کرے، بلکہ اچھا تو یہ ہے کہ ذبح سے پہلے سر منڈائے۔

سوال: عقیقہ کس جانور کا درست ہے؟

جواب: جس جانور کی قربانی درست ہے اسی کا عقیقہ بھی درست ہے، اور جس جانور کی قربانی کرنا درست نہیں اس کا عقیقہ بھی درست نہیں۔

سوال: عقیقہ کے گوشت کا کیا کرنا چاہیے؟

جواب: عقیقہ کا گوشت سب کچا تقسیم کردے، چاہے پکا کر تقسیم کرے، چاہے پلاؤ وغیرہ پکا کر کھلائے۔ دعوت کردے چاہے خود پکا کر کھائے اور اعزہ رشتہ داروں وغریبوں میں تقسیم کردے سب درست ہے۔ اور ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی وغیرہ سب کو کھانا درست ہے۔

اور یہ جو مشہور ہے کہ دادا دادی، نانا نانی کو نہ کھانا چاہیے، سب غلط ہے۔ البتہ اس طرح مستحب ہے کہ ایک ران دائی کو اور سر نائی کو اور ایک حصّہ یعنی تہائی گوشت کچا یا پکا خیرات کردے اور دو تہائی یعنی دو حصّے عزیزوں میں تقسیم کردے، یا ان دو حصوں میں سے چاہے تو خود بھی کھائے۔

اور بہتر ہے کہ عقیقہ کی ہڈیاں توڑی نہ جائیں، اور یہ باتیں ضروری نہیں ہیں۔ لہٰذا اگر ران دائی اور سر نائی کو نہ بھی دیں تو نہ کچھ گناہ ہے اور نہ نائی اور دائی کو برا ماننا چاہیے۔ اور کسی کو ان باتوں کے ترک پر طعن نہ کرنا چاہیے، کیوں کہ مستحب کام کے ترک پر کسی کو برا کہنا طعن کرنا یہ گناہ ہے، کیوں کہ طعن اور برا سمجھنا تو واجب کے ترک پر ہوتا ہے اور جب ترکِ مستحب پر طعن کیا تو مستحب کو واجب سمجھنا لازم آیا، اور مستحب کو واجب سمجھنا یہ گناہ ہے۔ اور اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ میلاد شریف کرنا ایک مستحب امر ہے، اس کے تارک کو طعن کرنا ہرگز درست نہیں۔ اگر کرے گا تو اس نے مستحب کو واجب سمجھا اور یہ خود گناہ ہے۔

اور اگر میلاد شریف میں وہ باتیں جو آج کل کی جاتی ہیں کہ مل کر آواز ملا کر پڑھتے اور گاتے ہیں، اور روایات غلط بھی ہوتی ہیں، اور عورتوں کی مجلس میں تو ایسا کرنا زیادہ برا

ہے تب تو مستحب بھی نہیں رہتا۔

اور اگر کہیں قیام میں حضورِ اکرم ﷺ (روحی فداہ) کی تشریف آوری کا عقیدہ ہو تب تو فسادِ عقیدہ کی وجہ سے معصیت ہوتی ہے اور بجائے ثواب کے گناہ ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث اور فقہ کی کسی کتاب سے ثابت نہیں ہے۔ اگر کسی بزرگ کا فعل ہو تو وہ حجت نہیں ہے، کیوں کہ اگر کشف سے ان کو اس وقت معلوم ہوا تو وہ ان کا ذوق ہے کسی پر حجت نہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ جس چیز کو ہمارے محبوب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ اپنی حیات شریف میں ناپسند فرماتے تھے وفات کے بعد کیسے پسند فرمائیں گے۔ اور جو چیز آپ پسند نہ فرماتے ہوں تو ہم غلاموں کے ذمہ یہی ہے کہ اس کو ہرگز نہ کریں اگرچہ محبّت میں اس کے کرنے کو جی چاہتا ہو مگر آپ کا اتباع مقدم ہے اور اصل ہے، ورنہ تو اپنے جی چاہی بات کرنا اور حکم کا اتباع نہ کرنا اتباعِ نفس ہے نہ کہ اتباعِ رسول اللہ ﷺ۔ یہ عجیب چیز ہے کہ محبّت کا دعویٰ اور کام خلافِ محبّت۔

حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہوتے تھے کہ آپ تشریف لاتے تھے تو ہم کھڑے ہو جاتے تھے تو آپ کو گرانی ہوتی تھی۔ پیشانی پر شکن پڑ جاتے تھے آخر کار ہم نے کھڑا ہونا چھوڑ دیا اگرچہ دل چاہتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾[1]

آپ کہہ دیجیے اے رسول (ﷺ)! اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو محبوب رکھیں گے۔

حضور ﷺ کی خدمت میں پیر و جمعرات کو ہمارے اعمال پیش ہوتے ہوں گے تو ان میں ہمارے یہ عمل بھی آپ کی مرضی کے خلاف والے پیش ہوتے ہوں گے تو آپ کو کیا کچھ گرانی نہ ہوتی ہوگی۔

آپ کی گرانی تو منظور مگر اس کو ترک کرنا منظور نہیں۔ ایسی محبّت کس کام کی کہ محبّ سے

[1] آل عمران: ۳۱

محبوب کو تکلیف ہو۔ علاوہ ازیں یہ تو مشاہدہ ہے کہ میلاد شریف پڑھنے والے جھوم جھوم کر بیان کرتے ہیں، نعت وسلام اور بہت ہی محبت کا اظہار کرتے ہیں، ان کی صورت دیکھیے تو بالکل خلافِ محبوب، محبوب کی ڈاڑھی تھی ان کے ڈاڑھی ہی نہیں، محبوب تو نماز پڑھتے تھے اور حکم بھی فرمایا مگر یہ نماز ہی نہیں پڑھتے۔ جب فرائض میں یہ کوتاہی ہے تو دیگر عبادات مثلاً تہجّد، نوافل، روزے وغیرہ کی کمی کا کیا ٹھکانا۔ نہ درود شریف کی کثرت نہ کلمہ شریف کی نہ استغفار کا ذکر، بس محبّت کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ جس کا غلط ہونا ان کے افعال سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ افعال محبوب کی مرضی کے خلاف ہیں۔ بلکہ محض ایک رسم ہوگئی ہے۔ جس کا ترک کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔

حج کا بیان

اسلام کا چوتھا ستون حج ہے، جس شخص کے پاس ضروریات سے زائد اتنا خرچ ہو کہ سواری پر متوسط گزران سے کھاتا پیتا چلا جائے اور حج کر کے چلا آئے اس کے ذمہ حج فرض ہو جاتا ہے۔

حج کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو حج گناہوں اور خرابیوں سے پاک ہو اس کا بدلہ بجز بہشت کے اور کچھ نہیں۔ اور جس پر حج فرض ہو اور پھر وہ نہ کرے اور نہ ہی وصیّت کر جائے تو اس کے بارے میں حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس کھانے پینے اور سواری کا اتنا سامان ہو جس سے وہ بیت اللہ شریف جا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے خدا کو اس کی کچھ پروا نہیں۔

اب ہم ذیل میں حج کے احکام ومسائل بیان کرتے ہیں۔

سوال: حج کرنا کس پر فرض ہے؟

جواب: جس شخص (عاقل، بالغ، بینا، مسلمان) کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اتنا خرچ ہو کہ مکّہ معظّمہ سواری پر درمیانی طریقہ سے کھاتا پیتا چلا جائے اور حج کر کے چلا آئے اور گھر پر اپنی بیوی اور نابالغ اولاد کے لیے اپنے لوٹنے تک کھانے پینے کا سامان چھوڑ جائے، راستے میں امن وامان ہو تب حج فرض ہوتا ہے۔ نابالغ اور بالغ اندھے پر اور

غلام پر حج فرض نہیں ہے۔

سوال: کیا حج کرنے میں دیر کرنا درست ہے، گناہ تو نہ ہوگا؟

جواب: جس پر جب حج فرض ہو گیا تو فوراً اسی سال حج کرنا فرض ہے۔ بلا عذر دیر لگانا درست نہیں۔ اگر موت سے قبل کرلیا تو ادا ہوگیا کیوں کہ ادا کرنا تو فرض ہے۔

سوال: وہ عذر کیا ہیں جن سے حج میں دیر کرنا درست ہے؟

جواب: بیماری، راستہ امن وامان والا نہ ہونا، کسی دشمن کا اندیشہ ہونا، اور عورت کے لیے عدت میں ہونا اور محرم کا ساتھ نہ ہونا۔ البتہ مکّہ معظّمہ سے سواستتر (۷۷-۱/۴) کلومیٹر سے کم پر رہتی ہو تو بلا محرم بھی جا سکتی ہے، پھر دیر لگانا درست نہیں ہے۔

سوال: کیا عورت کا نابالغ کے ساتھ سفر کرنا درست ہے؟

جواب: نابالغ کے ساتھ بھی جانا درست نہیں بلکہ بالغ محرم فاسق فاجر کہ ماں بہن وغیرہ سے بھی اس پر اطمینان نہیں، اس کے ساتھ بھی سفر کرنا درست نہیں۔ ہاں! جب اطمینان کا محرم مل جائے تب عورت کو حج کے لیے جانا لازم ہو جائے گا۔ اگر شوہر روکے تب بھی اس کا کہنا نہ مانے۔ شوہر کو روکنا درست نہیں ہے اور جو شخص ساتھ جائے اس کا سارا خرچہ اسی عورت کے ذمہ ہے۔

سوال: اگر کوئی محرم شخص ساتھ جانے والا اس عورت کو نہ ملے تو کیا اس کے ذمہ سے حج ساقط ہو گیا؟

جواب: اگر مرتے دم تک کوئی ایسا محرم نہ ملے یا کسی وجہ سے جانا نہ ہو سکا تو مرتے وقت وصیّت کر جانا لازم ہے کہ میری طرف سے حج کرا دینا۔ لہٰذا مر جانے کے بعد اس کے وارث اسی کے مال سے جو کہ فرض کفن دفن اور قرضے کے بعد کچھ بچے اس میں سے تہائی مال میں سے حج کرانا واجب ہے۔ اگر تہائی مال کافی نہ ہو تو سب وارثوں کی رضامندی کے بغیر دوسرے کے مال سے لے کر حج کرانا درست نہیں۔ اسی طرح نابالغ کے حصّہ میں سے بھی لینا درست نہیں ہے اگر چہ وہ اجازت بھی دے دے۔ (یہی روزے داروں کی

قضا کی وصیّت کا حکم ہے اور زکاۃ کی ادائیگی کا بھی یہی حکم ہے) اس کو حج بدل کہتے
ہیں۔ کیوں کہ یہ شخص اس مستحق کے بدلے حج کو گیا۔

سوال: کیا حج عمر میں ایک بار فرض ہے یا کئی بار؟

جواب: صرف ایک بار فرض ہے باقی نفل، اور ان کا بھی بہت بڑا ثواب ہے۔

سوال: اگر نابالغ ہونے کے زمانے میں حج کرلیا تو کیا بالغ ہونے کے بعد فرض نہ ہوگا؟

جواب: نابالغ ہونے کے زمانے میں جو حج کیا وہ نفل کا ثواب ملے گا اور فرض حج اس کے
ذمے سے ساقط نہ ہوگا۔

سوال: حجِ بدل کے لیے کیسا آدمی ہونا چاہیے؟

جواب: مستحب یہ ہے کہ یہ شخص پہلے حج کر چکا ہو اور جس کی طرف سے حج کرایا جا رہا ہے اسی
کے وطن سے حج شروع کرے۔ البتہ اگر وہ روپے اس کے شہر سے کافی نہ ہوں تو جس
جگہ سے کافی ہو جائیں وہاں سے کسی کو تجویز کرلیا جائے۔ مثلاً: جدہ سے ان روپوں
میں حج ممکن ہے تو جدہ ہی سے کسی کو تجویز کرلیا جائے کسی حاجی کو وہ روپے دے دیے
جائیں کہ وہ جدہ سے تجویز کرے۔

سوال: کیا بغیر وصیّت کے حج کرانا درست ہے؟

جواب: بلا وصیّت اس کے مال میں سے تو درست نہیں ہے البتہ دیگر بالغ ورثا میراث میں سے
بخوشی اجازت دے دیں تو جائز ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ فرض ادا ہو جائے گا۔ مگر نابالغ
کی اجازت کا اعتبار نہیں۔

سوال: اگر حج کو جانے والے کے پاس مکّہ معظّمہ کا خرچ ہے مدینہ طیّبہ کا نہیں ہے تب بھی حج
فرض ہے؟

جواب: جی ہاں! تب بھی فرض ہے۔ یہ خیال لوگوں کا غلط ہے کہ مدینہ طیّبہ کا خرچ پاس نہیں تو
حج فرض نہیں، البتہ وہاں کا خرچ بھی پاس ہو تو مدینہ طیّبہ جا کر روضہ مبارک کی زیارت
کرنا بے حد ثواب ہے۔ احادیث شریف میں ہے کہ

مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ مَمَاتِيْ فَكَأَنَّمَا زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ. — جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی پس گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

مَنْ وَّجَدَ سَعَةً وَّلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ. — جس میں (مدینہ آنے کی) گنجائش ہو اور پھر میری زیارت نہ کرے پس تحقیق اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ. — جس نے میری قبر (شریف) کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگی۔

غیر مقلّدوں کا یہ کہنا کہ مدینہ طیّبہ نہ جانا چاہیے غلط ہے اور حدیث شریف ’’لَا تَشُدُّوا الرِّحَالَ اِلَّا اِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ‘‘ کو دلیل میں لانا درست نہیں۔ اس حدیث شریف میں تو صرف یہ بتلایا گیا ہے کہ سوائے تین مسجدوں کے اور کسی مسجد کے لیے سفر کرنا درست نہیں۔ اور وہ تین مساجد یہ ہیں:

۱۔ مسجدِ حرام ۔۲۔ مسجدِ اقصیٰ ۔۳۔ مسجدِ نبوی۔

اگر یہ حدیث اپنے عموم پر ہے تو غیر مقلّدوں کو چاہیے کہ کہیں کا سفر نہ کریں، بلکہ اس کے اندر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ تعلیم فرمائی ہے کہ لوگ دوسری مسجدوں کی طرف زیادہ ثواب سمجھ کر سفر کرتے ہیں یہ درست نہیں۔ مسجد مسجد سب برابر ہیں۔ تین مسجدوں میں ثواب زیادہ ہے: خانہ کعبہ میں ایک رکعت کا ثواب ایک لاکھ رکعت کے برابر اور مسجدِ اقصیٰ میں پچیس ہزار کے برابر، اور مسجدِ نبوی میں پچاس ہزار رکعت کے برابر، باقی سب یکساں ہیں کہ جس طرح لوگ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کے دن آگرہ یا دہلی چل دیتے ہیں یہ درست نہیں ہے۔

سوال: ذرا حج کرنے کا طریقہ اور مسائل بیان فرما دیجیے؟

جواب: تنبیہ: حج کے مسائل بدون حج کیے سمجھ میں آنے مشکل ہیں اور نہ یاد رہ سکتے ہیں۔ تاہم ذرا تفصیل سے حج کے اعمال اور ترکیب بیان کی جاتی ہے۔

آج کل حکومت کی طرف سے عازمینِ حج کے لیے حاجی کیمپ میں روانگی سے پہلے تربیتی پروگرام ہوتے ہیں جن میں مناسکِ حج کی تربیت دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ انتظامی اُمور مثلاً سعودی عرب میں طبی مراکز، دفاتر برائے بہبودِ حجاج، گم شدگی،

بازیابی کی معلومات سعودی قوانین وغیرہ وغیرہ کے متعلق معلومات دی جاتی ہیں اور وہاں جا کر بھی معلّم حضرات تربیت کا بندوبست کرتے ہیں۔ تاہم احرام باندھنے سے لے کر حج سے فارغ ہونے تک کے افعال بیان کیے جاتے ہیں تاکہ تھوڑا بہت علم حاصل ہو جائے۔ جس کے بعد تفصیلات سمجھنے میں آسانی ہو۔ پہلے بعض ضروری الفاظ کی تشریح اور مطالب بیان کیے جاتے ہیں تاکہ حج کرنے کا طریقہ آسانی سے سمجھ آجائے۔

۱۔ احرام: کے معنی حرام کرنا، حاجی جس وقت حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت پختہ کر کے تلبیہ پڑھتا ہے تو اس پر چند حلال اور مباح چیزیں بھی حرام ہو جاتی ہیں، اس لیے اس کو احرام کہتے ہیں۔ اور مجازاً ان دو چادروں کو بھی احرام کہتے ہیں جن کو حاجی پہن کر محرم بنتا ہے۔

۲۔ اِفراد: صرف حج کا احرام باندھنا اور صرف حج کے افعال کرنا۔

۳۔ اِضطباع: احرام کی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا۔ یہ صرف مردوں کے لیے ہے، اور دورانِ طواف (جس کے بعد سعی بھی کرنی ہو) ہی ہوتا ہے اس کے علاوہ نہیں۔

۴۔ تمتّع: حج کے مہینوں میں ایک ہی سفر میں پہلے عمرہ ادا کر کے حلق یا قصر کروا کر احرام کھولنا، پھر آٹھ ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھ کر حج کے افعال ادا کرنا۔

۵۔ تلبیہ: لبّیک پوری پڑھنا یعنی: لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ.

۶۔ جمرات یا جمار: منٰی میں تین مقام پر قد آدم ستون بنے ہوئے ہیں جو مسجدِ خیف کے قریب ہے اسے جمرۃ الاولیٰ، اس کے بعد مکّہ مکرمہ کی طرف والے کو جمرۃ الوسطی اور اس کے بعد والے کو جمرۃ الاخریٰ یا جمرۃ العقبہ یا جمرۃ الکبریٰ کہتے ہیں۔

۷۔ جنایت: کوئی ایسا کام جو حالتِ احرام یا حدودِ حرم میں ممنوع ہو اور اس پر جرمانہ لازم آتا ہو۔

یاد رہے کہ جنایت قصداً کرے یا بھول کر یا خطاءً، مسئلہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، اپنی خوشی سے کرے یا کسی کی زبردستی سے، سوتے کرے یا جاگتے، نشہ میں ہو یا بے ہوش، مال دار ہو یا تنگ دست، خود کرے یا کسی کے کہنے سے، معذور ہو یا غیر معذور، سب صورتوں میں واجب

ہوگی۔البتہ اس کی مقدار مختلف ہوگی:

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں حج و عمرہ کرنا

احرام کی جنایات آٹھ ہیں:

خوش بو کا استعمال، سلا ہوا کپڑا پہننا، سر اور چہرہ ڈھانکنا، بال دور کرنا، ناخن کاٹنا، جماع کرنا، واجباتِ حج سے کسی واجب کو ترک کرنا، خشکی کے جانور کا شکار کرنا۔

ان میں سے عورتوں کے لیے سلا ہوا کپڑا پہننے اور سر ڈھانکنے سے جنایت لازم نہیں آتی۔

حدودِ حرم کی جنایات دو ہیں:

حرم کے جانور کو چھیڑنا یعنی شکار کرنا اور تکلیف پہنچانا، حرم کا درخت اور گھاس کاٹنا۔

۸۔حجرِ اسود: سیاہ پتھر، بیت اللہ کے جنوب مشرقی گوشہ میں دیوار پر نصب ہے اس کے چاروں طرف چاندی کا حلقہ چڑھا ہوا ہے۔

۹۔دَم: احرام کی حالت میں بعض ممنوع افعال کرنے سے بکری یا دنبہ ذبح کرنا واجب ہوتا ہے اسے دَم کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ ذبح کرنا حدودِ حرم ہی میں واجب ہے۔آج کل (۱۴۲۲ھ میں) اس کی قیمت تقریباً تین سو رِیال ہے۔

۱۰۔رمل: طواف کے پہلے تین پھیروں میں اکڑ کر شانے ہلاتے ہوئے قریب قریب قدم رکھ کر قدرے تیزی سے چلنا۔ جیسے بہادر میدانِ جنگ میں جاتا ہے۔ یہ صرف مردوں کے لیے ہے۔

۱۱۔رمی: جمرات کو کنکریاں مارنا۔

۱۲۔سعی: صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگانا۔

۱۳۔صدقہ: چھوٹے موٹے قصور کی جنایت۔ اس کی مقدار مٹھی بھر گیہوں سے لے کر صدقۂ فطر کے برابر ہے۔جس کی قیمت آج کل (۱۴۲۲ھ میں) تقریباً چھ ریال ہے۔

۱۴۔طواف: کعبہ شریف کے گرد سات چکر مخصوص طریق سے لگانا۔

۱۵۔عمرہ: میقات سے احرام باندھ کر عمرہ کی نیت کر کے بیت اللہ شریف کا طواف، صفا اور مروہ کی سعی اور حلق یا قصر کروانا (حلق کا معنی سر کے بال منڈوانا اور قصر کے معنی کٹوانا، عورت کو چوں کہ سر

منڈانا یا کترانا حرام ہے اس لیے صرف انگلی کے ایک پورے کے برابر کٹوائے یا کاٹے)۔

۱۶۔ قران: حج اور عمرہ دونوں کی اکٹھی نیت کر کے احرام باندھنا، پہلے عمرہ کر کے احرام نہ کھولنا اور پھر اسی احرام میں حج کرنا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ قسم دوسری دونوں قسموں یعنی افراد اور تمتّع سے افضل ہے۔

۱۷۔ صفا، مروہ: دو پہاڑیوں کے نام جن کے درمیان سعی کی جاتی ہے۔ آج کل ان کے صرف نشان باقی ہیں۔

۱۸۔ میقات: وہ مقام جہاں سے مکّہ مکرمہ جانے والوں کے لیے احرام باندھنا واجب ہے۔ یہ کل پانچ ہیں: پاکستان اور ہندوستان والوں کے لیے یلملم ہے۔ مدینہ سے آنے والوں کے لیے ذوالحلیفہ ہے۔ مکّہ سے عمرہ کے لیے تنعیم ہے وغیرہ۔ اگر ان مقامات یا ان کی محاذات سے بغیر احرام گزر جائیں تو دم (یعنی ایک بکری یا دنبہ ذبح کرنا) لازم آئے گا۔

۱۹۔ ملتزم: حجرِ اسود اور بیت اللہ کے دروازے کے درمیان کی دیوار جس پر لپٹ کر دُعا مانگنا مسنون ہے۔

۲۰۔ میلین اخضرین: دو سبز ستون۔ سعی کے دوران ہر چکر میں جب ان دو ستونوں کے درمیان سے گزریں تو صرف مرد حضرات ذرا تیز چلتے ہیں۔

سوال: کیا عمرہ کرنے کا بھی ثواب ملتا ہے، یہ کن دنوں میں ہوسکتا ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: عمرہ کو حجِ اصغر بھی کہتے ہیں اور اس کی بہت فضیلت آئی ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ افضل ترین عمل مقبول حج و عمرہ ہے (یعنی جو تمام آداب و شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے)۔ اور ارشاد مبارک ہے کہ ایک عمرہ دوسرے عمرے تک درمیانی حصّہ کے لیے کفارہ ہے۔ اور فرمایا کہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔

جسے قدرت ہو ساری عمر میں ایک دفعہ عمرہ کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔ عمرہ سارا سال کسی وقت سوائے ۹ ذوالحجہ تا ۱۳ ذوالحجہ کیا جا سکتا ہے۔ عمرہ حجِ قران اور حجِ تمتّع کا حصّہ بھی ہے۔

صرف عمرہ کرنے کا مختصر طریقہ مندرجہ ذیل ہے:

چوں کہ آج کل جدہ تک سفر صرف ہوائی جہاز سے ہی کیا جاتا ہے اور جہاز دورانِ پرواز

میقات (یلملم) کی محاذات سے گزر کر جدہ پہنچتا ہے اس لیے جہاز میں سوار ہونے سے پہلے ہی غسل یا وضو کر کے احرام باندھ لیں۔ اس کے لیے دو نئی یا دُھلی ہوئی چادریں ہونا سنت ہے ایک کا تہ بند اور دوسری کو چادر کی طرح اوڑھ لیں۔ سر ڈھانک کر دو نفل پڑھیں۔ اس کے بعد سر ننگا کر کے یوں نیت کریں:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُرِيْدُ الْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهَا لِيْ وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي.	اے اللہ! میں عمرے کا ارادہ کرتا ہوں اس کو میرے لیے آسان فرما اور قبول فرما۔

اس کے بعد تین مرتبہ بلند آواز سے تلبیہ پڑھیں۔ (عورتیں آہستہ آواز سے پڑھیں)

نیت اور تلبیہ کے بعد احرام شروع ہوگیا اب احرام کی تمام پابندیوں (ممنوعات ومکروہات) کا خیال رکھیں، کہیں کسی وجہ سے دم نہ لازم ہوجائے۔ قصداً جنایت کرنا سخت گناہ ہے اس کی صرف جزا دینے سے گناہ معاف نہیں ہوتا، توبہ کرنا بھی ضروری ہے۔

جدہ سے مکّہ مکرمہ پہنچ کر پہلے اپنے سامان اور جائے قیام کا انتظام کریں تا کہ دل اس میں الجھا ہوا نہ رہے۔ اس کے بعد مسجدِ حرام میں حاضر ہوں۔ مستحب یہ ہے کہ باب السلام سے داخل ہوں۔ تواضع اور خشوع کے ساتھ مسجد میں دایاں پاؤں پہلے داخل کریں اور درود شریف اور داخل ہونے کی دُعا پڑھیں۔ لیکن تحیۃ المسجد کے نفل نہ پڑھیں کہ یہاں طواف کے لیے آنے والوں کا تحیۃ نماز کی بجائے طواف ہے۔ پھر بیت اللہ پر پہلی نظر کے وقت کی دُعا پڑھیں اور طواف شروع کریں۔ یاد رہے کہ طواف بے وضو یا جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں کرنا سخت گناہ ہے اس میں بعض مرتبہ دم واجب ہوجاتا ہے۔ اور بعض مرتبہ بُدنہ (یعنی ایک سالم اونٹ یا گائے) واجب ہوتا ہے۔

طواف کی نیت دل سے کرنا فرض ہے اور زبان سے بھی کہہ لینا افضل ہے۔ پہلے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے حجرِ اسود کو اپنی دائیں طرف رکھتے ہوئے طواف کی نیت کریں، پھر دائیں جانب کو چلیں کہ حجرِ اسود بالکل مقابل ہوجائے اور اس طرح ہاتھ اُٹھائیں جیسے نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت اُٹھاتے ہیں اور دُعا پڑھیں، پھر حجرِ اسود کو بوسہ دیں اس کو استلام کہتے ہیں۔ اس میں یہ احتیاط رکھیں کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے جس کا بِھیڑ ہونے کی صورت میں کافی

احتمال ہے۔ ایسی صورت میں حجرِ اسود کو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو بوسہ دیں۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کسی چھڑی وغیرہ سے چھو کر اس چیز کو بوسہ دیں۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو دور سے دونوں ہاتھ حجرِ اسود کی طرف اس طرح اُٹھائیں کہ گویا حجرِ اسود پر رکھے ہیں یعنی ہاتھوں کی پشت اپنے چہرے کی طرف رکھیں اس کے بعد ہتھیلیوں کو بوسہ دیں۔

حج کے دنوں میں بعض لوگ حجرِ اسود پر خوش بو لگا دیتے ہیں تو احرام کی حالت میں اس کو ہاتھ لگانا یا بوسہ دینا جائز نہیں۔ دم لازم آ سکتا ہے۔ اس لیے دور ہی سے استلام کر لیں۔ مسجدِ حرام میں حجرِ اسود کی سیدھ میں ایک براؤن پتھر کی پٹی (تقریباً چھ انچ چوڑی) فرش پر لگی ہے۔ اسی طرح مسجد کی پہلی منزل پر بھی حجرِ اسود کی سیدھ میں نشان لگے ہیں۔ وہاں سے نیت و استلام وطواف شروع کریں۔

طواف کے سات چکر ہوتے ہیں ہر چکر استلام سے شروع کریں اور حطیم کو شامل کریں۔ جس طواف کے بعد سعی کرنا ہو جیسے عمرہ میں اس میں پہلے تین چکروں میں اضطباع اور رمل ہوتا ہے جس کا مطلب اوپر بیان ہوا۔ یہ صرف مردوں کے لیے ہے۔ اضطباع اوّل سے آخر طواف تک کیے رکھنا سنت ہے۔ طواف کے دوران جو ذکر چاہیں کر سکتے ہیں اور نظریں نیچی کیے رکھنا سنت ہے۔ خانہ کعبہ کو دورانِ طواف دیکھنا مکروہِ تحریمی ہے۔

اس کے بعد آٹھویں بار حجرِ اسود کا استلام کریں اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے آ کر دوگانہ طواف ادا کریں یہ واجب ہے۔ لیکن مکروہ اوقات میں جائز نہیں۔ مکروہ وقت نکلنے کے بعد جلد ادا کر لیں۔ دوگانہ ادا کرتے ہوئے دستور کے مطابق چادر اوڑھ لیں اور دونوں شانے ڈھانک لیں، سر ننگا ہی رہے۔

اس کے بعد ملتزم پر جائیں اور خوب رو رو کر دُعا کریں، لیکن اگر اس پر خوش بو لگی ہو تو اس سے نہ چمٹیں۔ دور سے ہی دُعا مانگیں اس کے بعد زم زم پر جا کر قبلہ رُخ ہو کر تین سانس میں خوب سیر ہو کر آبِ زم زم پئیں۔

اس کے بعد پھر نویں بار حجرِ اسود کا استلام کریں اور باب الصفا سے باہر آئیں، اس کی نشانی کے طور پر مسجدِ حرام میں ایک دیوار پر دو سبز ٹیوب لائٹیں لگی ہوئی ہیں جو دن کو بھی روشن

رہتی ہیں۔ صفا پر تقریباً دو سیڑھیوں کے برابر چڑھیں جہاں سے بیت اللہ نظر آئے اور سعی کی نیت کریں پھر دُعا کر کے مروہ کی طرف روانہ ہوجائیں۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد جب دونوں طرف دیوار میں سبز رنگ کے ستون جن پر سبز رنگ کی ٹیوب لائٹیں بھی لگی ہوئی ہیں اور فرش پر بھی سبز رنگ کا پتھر لگا ہوا ہے، آئیں تو صرف مرد حضرات ذرا تیز چلیں۔ جب دوبارہ یہ سبز نشان آئیں تو اپنی رفتار پر چلیں۔ اس دوران جو دُعائیں یاد ہوں کریں یا تیسرا کلمہ پڑھتے رہیں۔ مروہ پر پہنچ کر ایک چکر ہوجائے گا۔ وہاں بھی کعبہ کی طرف رخ کر کے دعائیں مانگیں۔ پھر مڑ کر صفا کی طرف چلیں اسی طرح ساتواں چکر مروہ پر ختم ہوگا۔ اس دوران ہر چکر میں سبز ستونوں (میلین اخضرین) کے درمیان ذرا تیز چلیں۔ سعی کے بعد مسجدِ حرام میں آکر دو نفل پڑھے۔ مستحب ہے کہ مطاف کے کنارے پڑھے۔

اس کے بعد باہر نکل کر سر منڈوا دیں، اسی میں احتیاط ہے بجائے کتروانے کے کہ بعض صورتوں میں منڈوانا ہی واجب ہوتا ہے۔ اب عمرہ مکمّل ہوگیا اور احرام کھول کر عام کپڑے پہن لیں۔ اگر آپ نے مکّہ مکرمہ میں مزید ٹھہرنا ہو تو نفلی طواف اور عمرے جتنے چاہیں کر سکتے ہیں۔ عمرے کے لیے احرام باندھنے کے لیے تنعیم میں مسجدِ عائشہ سے جا کر احرام باندھیں۔ آنے جانے کے لیے سواری ٹیکسی، ویگن وغیرہ عام مل جاتی ہے۔

سوال: حج کرنے کا طریقہ قدرے تفصیل سے بیان کر دیجیے؟

جواب: بہتر! جیسا پہلے بیان کیا گیا کہ حکومت اور معلّم کی طرف سے تفصیلی تربیتی پروگرام چلائے جاتے ہیں یہاں صرف مختصر طریقے سے بیان کیا جاتا ہے تاکہ آیندہ تفصیلات سمجھنے میں آسانی ہو۔ پاکستان، ہندوستان سے جانے والے اکثر حضرات تمتّع ہی کرتے ہیں کیوں کہ بعض صورتوں میں قران نہیں کر سکتے۔ مثلاً: حکومت اپنے ایک پروگرام کے تحت بعض عازمین کو مکّہ پہنچنے کے بعد حج سے پہلے مدینہ منورہ بھیج دیتی ہے اس صورت میں قران نہیں ہوسکتا۔ اور دوسرے یہ کہ اگر حج میں زیادہ دن باقی ہوں تو احرام میں رہنا اور اس کی پابندیاں نباہنا عام لوگوں کے لیے بہت مشکل ہے۔

جب آپ تمتّع حج کریں گے تو وطن سے عمرے کا احرام باندھ کر مکّہ مکرمہ پہنچیں گے اور

عمرہ کر کے احرام کھول دیں گے اور ۷ ذوالحجہ تک نفل طواف، درود شریف، استغفار اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہیں گے۔

مکّہ مکرمہ میں حرم سے چھ سات منٹ کے فاصلے پر بزرگوں کی یادگار مدرسہ صولتیہ ہے جہاں سے آپ حج وعمرے کے مسائل معلوم کر سکتے ہیں۔ سات ذوالحجہ کی شام کو بعد مغرب یا عشا اپنی رہایش گاہ سے ہی نفل پڑھ کر حج کا احرام باندھ لیں کیوں کہ حرم میں بہت رش ہوگا، گو کہ افضل مسجدِ حرام میں طواف کر کے دوگانہ طواف کے بعد دو رکعت نفل احرام کی نیت سے پڑھ کر احرام باندھنا ہے۔

احرام کی نیت یوں کریں:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُرِيْدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِيْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّيْ. اے اللہ! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں اسے میرے لیے آسان فرمایئے اور قبول فرمایئے۔

اس کے بعد تلبیہ پڑھیں۔ اور احرام کی پابندیوں کا خیال رکھیں۔

آج کل حاجیوں کے لیے جدہ سے مکّہ، مکّہ سے منٰی، منٰی سے عرفات، عرفات سے مزدلفہ، مزدلفہ سے منٰی، منٰی سے مکّہ اور مکّہ سے مدینہ اور واپس جدہ تک بس کا کرایہ حکومت کی طرف سے کاٹ لیا جاتا ہے، اسی طرح منٰی میں رہنے کے تمام دن اور عرفات میں وقوف کے لیے خیمے کا کرایہ بھی کاٹ لیا جاتا ہے۔ ٹرانسپورٹ اور خیمے کا بندوبست معلّم کے ذمہ ہوتا ہے۔ بہرحال حج پر روانہ ہونے سے پہلے تمام ضروری معلومات حاجی کیمپ یا معلّم کے ایجنٹ سے معلوم کرلیں۔

پہلا دن ۸ ذوالحجہ

اس دن کو یومِ ترویہ (تیاری کا دن) کہتے ہیں۔ سات کی شام یا آٹھ ذوالحجہ کو طلوعِ آفتاب کے بعد مکّہ مکرمہ سے روانہ ہوجائیں اور منٰی میں پانچ نمازیں ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر پڑھنا اور رات رہنا سنت ہے۔ یہ جگہ انتہائی بابرکت ہے اس لیے سارا دن اللہ کی عبادت میں گزارنا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ تلاوت اور ذکر کریں۔

دوسرا دن ۹ ذوالحجہ

۹ ذوالحجہ کی صبح کو نمازِ فجر کے بعد جب کچھ دھوپ نکل آئے تو سکون واطمینان کے ساتھ تلبیہ پڑھتے ہوئے عرفات کو روانہ ہوں۔ درود شریف، ذکرِ الٰہی اور تلبیہ کی کثرت رکھیں۔ رش کی وجہ سے بعض معلّم طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی عرفات لے جانا شروع کردیتے ہیں جو جائز تو ہے مگر خلافِ سنت ہے، لیکن خواہ مخواہ اس بارے میں جھگڑے میں نہ پڑیں۔

آج کا دن مقدر کی بار آوری کا دن ہے اور عرفات میں حاضری ہی کا نام حج ہے۔ عرفات میں وقوف کا وقت زوال کے بعد سے غروبِ آفتاب تک ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مناسب یہی ہے کہ ظہر کے وقت ظہر کی نماز اور عصر کے وقت عصر کی نماز خیمہ میں ہی جماعت سے ادا کریں۔ اگر مسافر ہوں تو قصر ضرور کریں ورنہ چار رکعت فرض کی پڑھیں۔ نماز کے بعد دُعاؤں کا وقت ہے، کھلے آسمان کے نیچے بہتر ہے کہ ننگے پیر کھڑے ہوکر خوب دُعائیں کریں۔ بعض مسنون دُعائیں بھی ہیں وہ بھی کریں۔

حکومت نے عرفات کی حدود پر چاروں طرف اونچے اونچے بورڈ لگا دیے ہیں جن کو ہر شخص پڑھ سکتا ہے، ان سے باہر وقوف کیا تو حج ہی نہیں ہوگا۔ ان حدود میں جہاں چاہیں وقوف کریں مگر جبلِ رحمت کے پاس افضل ہے۔

وقوف سے فارغ ہوکر غروبِ آفتاب کے بعد مزدلفہ کے لیے روانہ ہوں۔ آج کی مغرب اور عشا کی نمازیں عشا کے وقت میں جمع کرنا واجب ہے، اس کے لیے جماعت بھی شرط نہیں۔ لیکن ایک اذان اور ایک اقامت سے جماعت سے ادا کرنا افضل ہے۔

مزدلفہ کی رات برکات وانوار کی رات ہے، بعض علما کے نزدیک شبِ قدر سے بھی افضل ہے، جس قدر ہوسکے عبادت وذکرِ الٰہی میں گزاریں۔ یہ رات مزدلفہ میں گزارنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

مزدلفہ کا وقوف طلوعِ فجر کے بعد واجب ہے، خواہ تھوڑی دیر کے لیے ہو۔ طلوعِ آفتاب تک مسنون ہے۔ طلوعِ آفتاب سے کچھ پہلے سکون کے ساتھ منٰی کی طرف روانہ ہوں۔ مزدلفہ سے رمی کے لیے ستّر کنکریاں بڑے چنے کے برابر لے لیں۔ لینے کے بعد ان کو پاک کرنا مستحب ہے۔

تیسرا دن ۱۰ ذوالحجہ

منٰی میں پہنچ کر سب سے پہلے رمی کریں۔ یعنی سات کنکریاں صرف جمرہ عقبہ پر ماریں۔ رمی شروع کرتے ہی تلبیہ موقوف کر دیں۔ اس دن رمی کا وقت طلوعِ آفتاب سے زوال تک مسنون اور غروبِ آفتاب تک مباح ہے۔ اس کے بعد طلوعِ فجر تک مکروہ ہے لیکن واجب ادا ہو جاتا ہے۔ ضعیف، بیمار اور عورتوں کے لیے غروب کے بعد بھی مکروہ نہیں۔ آج کل سخت ہجوم کی وجہ سے غروبِ آفتاب تک کی گنجایش سے کام لیں۔

بعض لوگ بغیر عذرِ شرعی کے دوسرے کو رمی کے لیے نائب بنا دیتے ہیں جو جائز نہیں۔ عذرِ شرعی یہ ہے کہ نہ خود وہاں پیدل جا سکتا ہو نہ سواری پر بیٹھ کر یا سواری پر بھی سخت تکلیف ہو یا سواری ملتی نہ ہو۔

عام طور پر غروبِ آفتاب کے قریب ہجوم کم ہو جاتا ہے اور مستورات بھی جمرہ کے قریب جا کر رمی کر سکتی ہیں۔ اس لیے ان سے ہی رمی کروائیے، ورنہ دم لازم آئے گا۔

رمی کے بعد قربانی کا وقت ہے قربانی کریں اس کے بعد حلق یا قصر کرائیں ان تینوں کاموں میں ترتیب واجب ہے۔ اگر اس ترتیب سے نہ کیا تو دم لازم آئے گا۔

حلق کے بعد احرام کھول دیں۔ اب احرام کی باقی سب پابندیاں ختم ہوگئیں مگر طوافِ زیارت سے پہلے اگر بیوی سے صحبت کرے گا تو بدنہ یعنی سالم اونٹ یا گائے ذبح کرنا واجب ہوگا۔

اس کے بعد طوافِ زیارت کریں جس میں سعی بھی شامل ہے۔ اگر احرام نہ کھولا ہو تو اضطباع اور رمل دونوں کریں۔ اگر کھول دیا ہو تو صرف رمل کریں۔

آج کل ہجوم کی وجہ سے اگر قربانی، حلق اور طوافِ زیارت دوسرے دن بلکہ تیسرے دن یعنی بارھویں تاریخ غروبِ آفتاب سے پہلے تک بھی کر لیں تو ادا ہو جائیں گے، اس لیے خواہ مخواہ اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں۔ البتہ پہلی رمی دسویں کا دن گزر کر اگلی رات گزرنے تک یعنی طلوعِ فجر سے پہلے کرنا واجب ہے۔ ورنہ قضا اور دم لازم آئے گا۔

چوتھا اور پانچواں دن یعنی ۱۱ اور ۱۲ ذوالحجہ

ان دونوں دنوں میں تینوں جمرات یعنی پہلے جمرہ اولیٰ، پھر جمرہ وسطیٰ اور پھر جمرہ عقبی کی رمی کرنا (سات سات کنکریاں مارنا) واجب ہے۔ ان کا وقت زوال سے اگلے دن طلوعِ فجر تک ہے۔ زوال سے پہلے جائز نہیں اور اگر اگلے دن طلوعِ فجر تک نہیں کی تو دم اور قضا واجب ہو جائے گا۔

۱۲ تاریخ کو غروبِ آفتاب سے پہلے مکّہ آنا بلا کراہت جائز ہے۔ غروب کے بعد آنا مکروہ ہے، لیکن اگر ۱۳ تاریخ کی صبح منٰی میں ہوگئی تو اس دن کی رمی بھی واجب ہے۔ البتہ اس دن کی رمی زوال سے پہلے بھی جائز ہے۔

۱۲ یا ۱۳ کی رمی کر کے مکّہ مکرمہ آ گئے تو الحمدللہ تعالیٰ حج مکمل ہو گیا اب ایک واجب اور رہ گیا کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد جب آخری بار مکّہ مکرمہ سے روانہ ہوں (چاہے مدینہ منورہ جا کر وہاں سے سیدھے جدہ واپسی ہو یا مکّہ سے ہی جدہ اور اپنے وطن روانہ ہونا ہو) تو طوافِ وداع کرنا واجب ہے ورنہ دم لازم آئے گا۔ ہاں! اگر واپس آ کر طوافِ وداع کر لیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔ اس طواف میں اضطباع اور رمل نہیں کیا جاتا اور اس کے بعد سعی بھی نہیں ہے۔ یہ حج کا آخری واجب ہے۔

حج کے مقبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ حج کے بعد اعمالِ صالحہ کا اہتمام اور پابندی زیادہ ہو جائے دنیا (مذموم) سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رغبت بڑھ جائے۔

سوال: کیا عورتوں اور مردوں کے حج میں کوئی فرق ہے اگر ہے تو ذرا وضاحت فرما دیجیے؟

جواب: جہاں تک حج کے فرائض، واجبات، سنن وغیرہ کا تعلق ہے وہ تو ایک جیسے ہیں۔ فرق مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عورت کو بغیر محرم حج کو جانا کسی صورت جائز نہیں۔ ہاں! اگر مکّہ مکرمہ سے سوا ستتر کلو میٹر سے کم فاصلے پر رہتی ہو تو جا سکتی ہے۔

۲۔ مردوں اور عورتوں کے احرام میں یہ فرق ہے کہ عورت سلے ہوئے کپڑے پہنے

رہے۔ سر کھولنا اور ایسا جوتا پہننا کہ پیر کی ہڈی کھلی رہے جائز نہیں۔ سر پر کپڑا اس طرح باندھنا کہ تمام بال ڈھک جائیں، ضروری ہے۔ ہاں! چہرے پر کپڑا نہیں لگنا چاہیے۔ اس کے لیے یہ ترکیب کرے کہ سر پر کیپ (جو کھلاڑی عام طور پر پہنتے ہیں) رکھ کر اس کے اوپر نقاب ڈال لے۔ اس سے چہرے کو کپڑا نہیں لگے گا۔

۳۔ وضو کرتے وقت مسح کے لیے سر کا کپڑا کھول کر مسح کرنا ضروری ہے، ورنہ وضو نہ ہوگا اور نماز بھی نہ ہوگی۔

۴۔ اگر احرام باندھتے وقت ایام آجائیں تو نفل پڑھے بغیر احرام باندھ کر نیت کرلے اور تلبیہ پڑھے اور احرام کی تمام پابندیاں ملحوظ رکھے۔

۵۔ عمرہ اس وقت تک نہیں کرسکتی جب تک ایام سے فراغت کے بعد غسل نہ کرلے۔ غسل سے پہلے مسجدِ حرام میں داخل ہونا جائز نہیں۔

۶۔ اگر حج کے احرام کے وقت ایام شروع ہوجائیں تو حج کا احرام باندھ کر حج کے لیے روانہ ہوجائے۔ منیٰ، عرفات وغیرہ میں نماز نہ پڑھے تلاوتِ قرآن نہ کرے صرف ذکر کرتی رہے۔ اور حج کے تمام افعال کرے۔

۷۔ اگر ۱۲ ذوالحجہ تک بھی ایام سے فراغت نہ ہو تو طوافِ زیارت مؤخر کردے اس سے دم لازم نہیں آئے گا۔ اگر واپسی کی فلائٹ جلد ہو تو ائیر لائن کے دفتر سے اس کی تاریخ آگے کروالے۔ اسی طرح طوافِ وداع کے وقت اگر ایام آجائیں تو فلائٹ کی تاریخ آگے کروالے۔ ہاں! طوافِ زیارت کے بعد کسی بھی وقت طوافِ وداع ہوسکتا ہے۔ اگر ایام کے آثار ہوں اور موقع ہو تو فوراً وداع کی نیت سے طواف کرلے۔ ویسے بھی طوافِ زیارت کے بعد نفلی طواف قائم مقام طوافِ وداع کے ہوجاتا ہے۔ اور اگر محرم واپس جانے لگے تو عورت سے طوافِ وداع کا واجب ساقط ہوجاتا ہے۔ پس مسجد کے باہر دروازے کے پاس کھڑی ہو کر دُعا مانگ کر رخصت ہوجائے۔

۸۔ ایام کی وجہ سے حج میں کوئی نقصان نہیں ہوتا بقیہ تمام ارکانِ واجبات وغیرہ ادا کرتی رہے۔ پورا ثواب ملے گا۔ کوئی وہم یا افسوس نہ کرے۔

۹۔ اسی طرح اگر مدینہ منورہ میں حاضری کے وقت ایام آجائیں تو مسجد میں نہ جائے اور کوئی غم نہ کرے۔

۱۰۔ آج کل ایسی ڈاکٹری دوائیاں ملنے لگی ہیں کہ ایام مؤخر کیے جاسکتے ہیں۔ ان کا استعمال کسی دین دار ڈاکٹر کے مشورے سے کرلیں۔ پورے حج کے دوران کوئی دقّت پیش نہیں آئے گی۔

۱۱۔ عورتیں تلبیہ آہستہ آواز سے پڑھیں، طواف میں اضطباع اور رمل نہ کریں، سعی میں سبز ستونوں کے درمیان نہ دوڑیں۔ احرام سے حلال ہونے کے لیے پورے سر کے بال انگلی کے ایک پورے کے برابر کٹوائیں۔

آج کل حج پر بے پناہ ہجوم ہوتا ہے اس لیے اگر مستحبات وغیرہ پر عمل نہ ہوسکے تو تنگ دل نہ ہوں۔ نیت رکھیں، فرائض واجبات کو پورے طور پر ادا کرنے اور جنایات سے بچنے کی پوری کوشش کریں۔

خطبات

خطبۂ جمعہ (پہلا خطبہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلِيِّ الذَّاتِ عَظِيْمِ الصِّفَاتِ سَمِيِّ السِّمَاتِ كَبِيْرِ الشَّأْنِ، جَلِيْلِ الْقَدْرِ رَفِيْعِ الذِّكْرِ مُطَاعِ الْأَمْرِ جَلِيِّ الْبُرْهَانِ، فَخِيْمِ الْإِسْمِ عَزِيْزِ الْعِلْمِ وَسِيْعِ الْحِلْمِ كَثِيْرِ الْغُفْرَانِ، جَمِيْلِ الثَّنَآءِ جَزِيْلِ الْعَطَآءِ مُجِيْبِ الدُّعَآءِ عَمِيْمِ الْإِحْسَانِ، سَرِيْعِ الْحِسَابِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ أَلِيْمِ الْعَذَابِ عَزِيْزِ السُّلْطَانِ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ فِي الْخَلْقِ وَالْأَمْرِ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْمَبْعُوْثُ إِلَى الْأَسْوَدِ وَالْأَحْمَرِ، اَلْمَنْعُوْتُ بِشَرْحِ الصَّدْرِ وَرَفْعِ الذِّكْرِ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَآءِ وَخَيْرُ الْخَلَآئِقِ بَعْدَ الْأَنْبِيَآءِ ؕ

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جو ذات عالی مرتبت ہے، عظیم القدر صفات والا، بلند عادتوں والا اور بڑی شان والا ہے۔ جلیل القدر، بلند ذکر، مطاع امر، (جس کے ہر حکم کی اطاعت کی جائے)، اور روشن دلائل والا ہے۔ عظیم المرتبت نام، بہت علم والا، وسیع الحلم، اور بکثرت بخشنے والا ہے۔ اچھی تعریف والا، بے انتہا عطا والا، دُعا کا قبول کرنے والا، اور عام احسان کرنے والا ہے۔ جلد حساب لینے والا، شدید سزا دینے والا، دردناک عذاب دینے والا، اور غالب قوت والا ہے۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ لائقِ عبادت اللہ کے سوا کوئی نہیں، وہ یکتا ہے، خالقیت وحکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جس کی بعثت تمام اسود و احمر کی طرف ہے، اور جو موصوف ہیں شرحِ صدر، اور بلندی ذکر کے ساتھ۔ اور رحمت نازل فرمائے اللہ تعالیٰ آپ پر، اور آپ کی اولاد پر، آپ کے تمام صحابۂ کرام پر جو عرب کے باشندوں میں خالص عربی لوگوں سے منتخب شدہ ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کے بعد مخلوق میں سب سے اعلیٰ و ارفع ہیں۔

أَمَّا بَعْدُ! فَيَا أَيُّهَا النَّاسُ! وَحِّدُوا اللّٰهَ، فَإِنَّ التَّوْحِيْدَ رَأْسُ الطَّاعَاتِ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ، فَإِنَّ التَّقْوٰى مِلَاكُ الْحَسَنَاتِ، وَعَلَيْكُمْ بِالسُّنَّةِ؛ فَإِنَّ السُّنَّةَ تَهْدِيْ إِلَى الْإِطَاعَةِ، وَمَنْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَاهْتَدٰى، وَإِيَّاكُمْ وَالْبِدْعَةَ؛ فَإِنَّ الْبِدْعَةَ تَهْدِيْ إِلَى الْمَعْصِيَةِ، وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ وَغَوٰى، وَعَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يُنْجِيْ وَالْكِذْبَ يُهْلِكُ وَعَلَيْكُمْ بِالْإِحْسَانِ؛ فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ، وَلَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ؛ فَإِنَّهٗ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ، وَلَا تُحِبُّوا الدُّنْيَا فَتَكُوْنُوْا مِنَ الْخَاسِرِيْنَ، أَلَا وَإِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا، فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ وَتَوَكَّلُوْا عَلَيْهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ، فَادْعُوْهُ فَإِنَّ رَبَّكُمْ مُجِيْبُ الدَّاعِيْنَ، وَاسْتَغْفِرُوْهُ يُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ،

حمد وصلاۃ کے بعد، اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو ایک مانو، اس لیے کہ توحید تمام اطاعتوں کا مبدأ ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس لیے کہ تقویٰ تمام نیکیوں کا جوہر ہے، اور تم پر لازم ہے سنتِ نبوی کی پیروی کہ سنت اطاعت کی طرف ہدایت کرتی ہے، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے راہِ راست پالی اور وہ راہ یاب ہوگیا۔ اور دین میں نئی اختراع سے بچو، اس لیے کہ دین میں اختراع نافرمانی کی طرف لے جاتی ہے، اور جس نے اللہ جَلَّ شَانُہٗ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ گمراہ ہوگیا اور (راہِ حق سے) بھٹک گیا، اور تم سچائی کو لازم پکڑلو، اس لیے کہ سچائی باعثِ نجات ہے، اور کذب بیانی مہلک ہے، اور تم پر لازم ہے اچھا برتاؤ، اس لیے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ اچھا برتاؤ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس مت ہو، اس لیے کہ وہ ارحم الراحمین ہے، اور دنیا سے محبّت نہ کرو، ورنہ تم خسارے میں رہوگے، اور سنو! یقیناً کوئی جان تکمیلِ رزق سے قبل لقمۂ اجل نہیں بن سکتی، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور طلبِ رزق میں اعتدال اختیار کرو، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ توکل سے کام لینے والوں کو محبوب رکھتا ہے، اور تم اس سے دُعا کرتے رہو، اس لیے کہ تمہارا پروردگار دُعا کرنے والوں (کی دُعا کو) قبول کرتا ہے، اور تم اس سے استغفار کرتے رہو، وہ مال واولاد کے ذریعے تمہاری مدد فرمائے گا۔

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ، إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ. بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِي الْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ. وَنَفَعَنَا وَإِيَّاكُمْ بِالْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ. أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ، فَاسْتَغْفِرُوْهُ إِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے، اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا، اور فرمایا: جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کریں گے، وہ عن قریب ذلیل ہوکر جہنّم میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اور تمہارے لیے، قرآنِ عظیم میں برکت عطا فرمائے، اور ہم کو اور تم کو آیتِ کریمہ اور ذکرِ حکیم کے ذریعے نفع پہنچائے۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے، اور تمام مسلمانوں کے لیے استغفار کرتا ہوں، تم بھی اس سے استغفار کرو، بلا شبہ وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔

خطبۂ عید الفطر

اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمُنْعِمِ الْمُحْسِنِ الدَّيَّانِ، ذِي الْفَضْلِ وَالْجُوْدِ وَالْإِحْسَانِ، ذِي الْكَرَمِ وَالْمَغْفِرَةِ وَالْاِمْتِنَانِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، الَّذِيْ أُرْسِلَ حِيْنَ شَاعَ الْكُفْرُ فِي الْبُلْدَانِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ مَا لَمَعَ الْقَمَرَانِ وَتَعَاقَبَ الْمَلَوَانِ. اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. أَمَّا بَعْدُ ! فَاعْلَمُوْا أَنَّ يَوْمَكُمْ هٰذَا يَوْمُ عِيْدٍ، لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ فِيْهِ عَوَائِدُ الْإِحْسَانِ، وَرَجَآءُ نَيْلِ الدَّرَجَاتِ وَالْعَفْوِ وَالْغُفْرَانِ. اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا، وَهٰذَا عِيْدُنَا ، اَللّٰهُ

أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَإِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ يَعْنِي يَوْمَ فِطْرِهِمْ بَاهٰى بِهِمْ مَلٰئِكَتَهُ، فَقَالَ: يَامَلَائِكَتِي، مَا جَزَاءُ أَجِيْرٍ وَّفٰى عَمَلَهُ؟ قَالُوْا: رَبَّنَا، جَزَاؤُهُ أَنْ يُّوَفّٰى أَجْرُهُ، قَالَ: مَلَائِكَتِي، عَبِيْدِيْ وَإِمَائِيْ قَضَوْا فَرِيْضَتِيْ عَلَيْهِمْ، ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ إِلَيَّ بِالدُّعَاءِ، وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكَرَمِيْ وَعُلُوِّيْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ لَأُجِيْبَنَّهُمْ، فَيَقُوْلُ: ارْجِعُوْا، قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ، وَبَدَّلْتُ سَيِّآتِكُمْ حَسَنَاتٍ، قَالَ: فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ. اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. وَقَالَ عليه السلام: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ. وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُكَبِّرُ بَيْنَ أَضْعَافِ الْخُطْبَةِ، يُكْثِرُ التَّكْبِيْرَ فِيْ خُطْبَةِ الْعِيْدَيْنِ. اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰىO وَذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰىO

خطبہ عید الاضحیٰ

اَللّٰـهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰـهِ الَّذِيْ جَعَلَ لِكُلِّ أُمَّةٍ مَّنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ، وَعَلَّمَ التَّوْحِيْدَ وَأَمَرَ بِالْإِسْلَامِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰـهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَـهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ الَّذِيْ هَدَانَا إِلٰى دَارِ السَّلَامِ. اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ قَامُوْا بِإِقَامَةِ الْأَحْكَامِ، وَبَذَلُوْا أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَا لَهُمْ مِّنْ كِرَامٍ، وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ،

لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

أَمَّا بَعْدُ! فَاعْلَمُوْا أَنَّ يَوْمَكُمْ هٰذَا يَوْمُ عِيْدٍ، شَرَعَ لَكُمْ فِيْهِ مَعَ أَعْمَالٍ أُخَرَ ذَبْحَ الْأُضْحِيَّةِ بِالْإِخْلَاصِ وَصِدْقِ النِّيَّةِ، وَبَيَّنَ نَبِيُّهُ وَصَفِيُّهُ ﷺ وُجُوْبَهَا وَفَضَائِلَهَا، وَدَوَّنَ عُلَمَاءُ أُمَّتِهٖ مِنْ سُنَّتِهٖ فِيْ كُتُبِ الْفِقْهِ مَسَائِلَهَا. اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. فَقَدْ قَالَ عليه السلام: مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَّوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ، وَإِنَّهُ لَيَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَأَشْعَارِهَا وَأَظْلَافِهَا، وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَّقَعَ بِالْأَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا. اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. وَقَالَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا هٰذِهِ الْأَضَاحِيُّ؟ قَالَ: سُنَّةُ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ عليه السلام، قَالُوْا: فَمَا لَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ، قَالُوْا: فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ: بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ. اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. وَقَالَ عليه السلام: مَنْ وَّجَدَ سَعَةً لِّأَنْ يُّضَحِّيَ فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَحْضُرُ مُصَلَّانَا. اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ. وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: اَلْأَضَاحِيُّ يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْأَضْحٰى. وَعَنْ عَلِيٍّ مِّثْلُهُ. وَهٰذَا بَعْضٌ مِّنَ الْفَضَائِلِ، وَتَعَلَّمُوْا مِنَ الْعُلَمَاءِ الْمَسَائِلَ. أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ.

خطبۂ استسقا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي قَالَ فِي كِتَابِهِ: وَهُوَ الَّذِیٓ أَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا م بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِهِ ج وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا O لِنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَّأَنَاسِيَّ كَثِيْرًا O وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، الَّذِيْ كَانَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ وَصَلُوْا مِنَ الدِّيْنِ إِلٰى كُنْهِهٖ، وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. أَمَّا بَعْدُ! فَيَاأَيُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ، إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِيْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ إِبَّانِ زَمَانِهٖ عَنْكُمْ، وَقَدْ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ أَنْ يَّسْتَجِيْبَ لَكُمْ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ O لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَايُرِيْدُ، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ، أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَّبَلَاغًا إِلٰى حِيْنٍ. اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيْثًا مَّرِيْئًا مَّرِيْعًا نَّافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ آجِلٍ. اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ. اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيْثًا مَّرِيْعًا غَدَقًا مُّجَلِّلًا عَامًّا طَبَقًا سَحًّا دَائِمًا. اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِيْنَ. اَللّٰهُمَّ إِنَّ بِالْعِبَادِ وَالْبِلَادِ وَالْبَهَائِمِ وَالْخَلْقِ مِنَ اللَّأْوَاءِ وَالْجَهْدِ وَالضَّنْكِ مَا لَانَشْكُوْهُ إِلَّا إِلَيْكَ. اَللّٰهُمَّ أَنْبِتْ لَنَا الزَّرْعَ، وَأَدِرَّ لَنَا الضَّرْعَ وَاسْقِنَا مِنْ بَرَكَاتِ السَّمَاءِ وَأَنْبِتْ لَنَا مِنْ بَرَكَاتِ الْأَرْضِ. اَللّٰهُمَّ ارْفَعْ عَنَّا الْجَهْدَ وَالْجُوْعَ وَالْعُرْيَ، وَاكْشِفْ عَنَّا مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَا يَكْشِفُهٗ غَيْرُكَ. اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ إِنَّكَ كُنْتَ غَفَّارًا فَأَرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْنَا مِدْرَارًا. وَحَوَّلَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ رِدَاءَهٗ وَهُوَ مُسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةِ، فَجَعَلَ الْأَيْمَنَ عَلَى الْأَيْسَرِ وَالْأَيْسَرَ عَلَى الْأَيْمَنِ

وَظَهَرَ الرِّدَاءِ لِبَطْنِهِ وَبَطْنَهُ لِظَهْرِهِ، وَأَخَذَ فِي الدُّعَاءِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَالنَّاسُ كَذٰلِكَ. أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. وَهُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ؕ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ.

خطبۂ نکاح

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهِ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ؕ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

دوسرا خطبہ (ہر خطبے کے لیے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ.

سب تعریف اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے لیے ہے ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں، اور اسی سے استغفار کرتے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور اسی پر بھروسا کرتے ہیں، اور اپنے نفس کی شرارتوں سے اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرماوے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، اور جسے وہ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰـــهَ إِلَّا اللّٰـــهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، أَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا م بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ، مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَاهْتَدٰى، وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَإِنَّهٗ لَا يَضُرُّ إِلَّا نَفْسَهٗ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا. أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰـأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ. وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ. قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَرْحَمُ أُمَّتِيْ بِأُمَّتِيْ أَبُوْبَكْرٍ، وَأَشَدُّهُمْ فِيْ أَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ، وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ، وَأَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ

ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے سردار و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ آپ کو (اللہ تعالیٰ نے) دینِ حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا ہے قیامت تک کے لیے، جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، وہ راہِ راست اور ہدایت پا گیا، اور جس نے ان کی نافرمانی کی، اس نے اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچایا، اور وہ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے، بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود اور خوب سلام بھیجا کرو، اے اللہ! تو ہمارے سردار و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر رحمت نازل فرما، جو آپ کے بندے اور آپ کے رسول ہیں، نیز تمام مؤمن مردوں اور عورتوں اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر رحمت نازل فرما، اور تو ہمارے سردار و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اور آپ کی ازواجِ مطہرات اور اولاد پر برکت نازل فرما۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میں سے سب سے زیادہ میری اُمت پر رحم کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) ہیں، اور ان (اُمتیوں) میں اللہ کے معاملے میں زیادہ مضبوط حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) ہیں، اور ان (اُمتیوں) میں زیادہ سچے حیا کے اعتبار سے حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) ہیں، اور اُن (اُمتیوں) میں سب سے زیادہ فقہی بصیرت رکھنے والے حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) ہیں۔

وَفَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَحَمْزَةُ أَسَدُ اللّٰهِ وَأَسَدُ رَسُوْلِهٖ [رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ]. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهٖ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً لَّا تُغَادِرُ ذَنْبًا، اَللّٰهَ اللّٰهَ فِيْ أَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ مِّنْ بَعْدِيْ غَرَضًا، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ. وَخَيْرُ أُمَّتِيْ قَرْنِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، وَالسُّلْطَانُ [الْمُسْلِمُ] ظِلُّ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ، مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ أَهَانَهُ اللّٰهُ، إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ط يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ. فَاذْكُرُوا اللّٰهَ يَذْكُرْكُمْ، وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى أَعْلٰى وَأَوْلٰى وَأَعَزُّ وَأَجَلُّ وَأَتَمُّ وَأَهَمُّ وَأَكْبَرُ.

اور حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) جنّت کی عورتوں کی سردار ہیں، اور حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) جنّت کے جوانوں کے سردار ہیں، اور سیّد الشہداء حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شیر ہیں۔ اور اے اللہ! تو حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) اور ان کی اولاد کی ظاہری و باطنی مغفرت فرما کہ ایک گناہ بھی باقی نہ رہے۔ اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے باب میں، تم ان کو میرے بعد نشانۂ تنقیص نہ بنانا۔ جس نے ان سے محبت کی سو میری محبّت کی وجہ سے ان سے محبّت کی اور جس نے ان سے دشمنی کی پس مجھ سے دشمنی کی وجہ سے ان سے دشمنی کی۔ اور میری اُمت کا سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر جو ان اہلِ زمانہ کے قریب ہیں، پھر جو ان کے قریب ہیں۔ اور (مسلمان) سربراہِ مملکت زمین میں اللہ کا سایہ ہے، جس نے زمین میں اللہ کے (قائم کردہ) سلطان کی توہین کی اس نے اللہ کی توہین کی۔ بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال، احسان، اور اہلِ قرابت کو مال دینے کا حکم صادر فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم سے منع کرتے ہیں تا کہ تم نصیحت کو قبول کرو۔ تم اللہ کا ذکر کرو وہ تمہارا ذکر کرے گا، اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند اور بہترین، بڑائی والا، بزرگی والا، اکمل، قدیم اور سب سے بڑا ہے۔

دعائے عقیقہ

اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ فُلَانٍ (اس جگہ بچے کا نام لے) دَمُھَا بِدَمِہٖ وَلَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَعَظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَجِلْدُھَا بِجِلْدِہٖ وَشَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ (اور اگر لڑکی ہے تو بِدَمِھَا اور بِلَحْمِھَا اور بِعَظْمِھَا اور بِجِلْدِھَا اور بِشَعْرِھَا کہے) إِنِّيْ وَجَّھْتُ وَجْھِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ O إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ O اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ، پھر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہہ کر ذبح کرے۔

ضمیمہ

سواری پر نماز کا حکم

سوال: کوئی شخص سواری پر جا رہا ہے اور نماز کا وقت ہو گیا اور سواری سے اُتر نہیں سکتا تو وہ نماز کیسے پڑھے؟

جواب: سواری کوئی بھی ہو اصولی طور پر دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

الف۔ نماز میں قیام یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا فرض ہے تا وقتیکہ کوئی مجبوری نہ ہو، مثلاً: صحت خراب ہو یا سواری پر جھٹکے لگنے سے گرنے کا ڈر ہو۔

ب۔ ہر حال میں خانہ کعبہ کی طرف رُخ کرنا فرض ہے۔ بعض لوگ دورانِ سفر اس کو ضروری نہیں سمجھتے، یہ بالکل غلط ہے۔

قیام کے متعلق سواریوں کا حکم مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ تانگہ: تانگے میں نماز نہیں ہوتی۔

۲۔ بس یا لاری: اگر ڈرائیور باوجود درخواست کے نماز کے لیے بس نہ روکے تو اگر بس قبلہ رخ جا رہی ہے اور درمیان میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے تو پڑھ لے۔ اگر ناہموار سڑک کی وجہ سے جھٹکے لگیں اور گرنے کا ڈر ہو تو بیٹھ کر پڑھ لے۔ اگر بغیر عذر سیٹ پر بیٹھ کر نماز پڑھے بشرطے کہ رخ قبلہ کی طرف ہو تب بھی نماز کا اعادہ کرے۔

۳۔ ریل: قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو کر نماز پڑھے اگر جھٹکے لگنے سے گرنے کا ڈر ہے تو بیٹھ کر پڑھ لے۔

۴۔ ہوائی جہاز: اگر اندازہ ہے کہ نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے منزل تک پہنچ جائیں گے یا جہاز کسی درمیانی جگہ رکے گا تو وہاں پڑھ لیں۔ ورنہ جہاز ہی میں کھڑے ہو کر پڑھ لیں۔ عموماً پرواز ناہموار نہیں ہوتی لیکن اگر جھٹکے لگنے سے گرنے کا ڈر ہے تو بیٹھ کر پڑھ لیں۔

۵۔ بحری جہاز: کھڑے ہو کر نماز پڑھے لیکن اگر طبیعت متلاتی ہے یا چکر آتے ہوں تو بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھ لے۔

قبلہ رخ: دورانِ سفر قبلہ رُخ مندرجہ ذیل طریقوں سے معلوم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ پاکستان اور شمالی ہندوستان سے قبلہ مغرب کی جانب مائل بہ جنوب ہے۔ وسطی ہندوستان اور بنگلہ دیش سے جانبِ مغرب اور جنوبی ہندوستان سے مغرب مائل بہ شمال ہے۔ اگر چھوٹا سا قطب نما پاس ہو تو اُس سے مدد لے لے۔ ویسے تو دنیا کے کسی بھی ملک سے قبلہ رُخ معلوم کرنے کے قطب نما بھی ملتے ہیں۔

۲۔ بس یا ریل کے سفر میں باہر دیکھے کوئی مسجد نظر آجائے تو اُس کی محراب کا رخ دیکھے۔

۳۔ کوئی مسلمانوں کا قبرستان نظر آئے تو قبریں شمالاً جنوباً ہوتی ہیں اس سے اندازہ کرلے۔

۴۔ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب کی طرف غروب ہوتا ہے۔ فجر اور مغرب میں اس سے مدد لی جاسکتی ہے۔

۵۔ رات کے وقت قطبی ستارے سے مدد لی جاسکتی ہے۔ قطبی ستارہ معلوم کرنے کا طریقہ کسی سے پوچھ لے۔ دایاں مونڈھا قطبی ستارے کی طرف کر کے کھڑا ہو تو چہرہ مغرب کی جانب ہو جائے گا۔

۶۔ حج میں یا اندرونِ ملک ہوائی جہاز کے سفر کے دوران اگر عملے سے پوچھ لے کہ مغرب کس طرف ہے تو اُس طرف رخ کرلے۔

۷۔ بحری جہاز میں بھی اسی طرح کرے، یعنی عملے سے پوچھ لے۔

قبلہ رُخ معلوم کرنے کے لیے خود اندازہ کرے یا کسی سے پوچھ لے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو غور وفکر کر کے جس طرف دل گواہی دے اُس طرف رخ کر کے پڑھ لے نماز ہو جائے گی۔ اگر بعد میں اندازے کا غلط ہونا معلوم ہوا پھر بھی نماز صحیح ہے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

جدہ میں قبلے کا رخ مشرق کی طرف ہے۔ مدینہ منورہ میں رخ جنوب کی طرف ہے۔

خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے میں شرعاً اتنی وسعت ہے کہ انسان کے چہرے کا کوئی ذرا سا ادنیٰ حصّہ خواہ وسط چہرہ کا ہو یا داہنی بائیں جانب کا ہو بیت اللہ شریف کے کسی ذرا سے حصّے کے ساتھ مقابل ہو جائے تو نماز صحیح ہو جاتی ہے۔

فنِ ریاضی کے حساب سے عین کعبہ سے پینتالیس درجہ تک دائیں بائیں انحراف ہو جائے تو نماز درست ہے۔ اس سے زیادہ ہو تو استقبالِ کعبہ فوت ہو جائے گا اور نماز نہیں ہوگی۔

شرعی پیمانے

سوال: ذرا شرعی پیمانوں اور پاکستان ہندوستان میں رائج پیمانوں کا تقابل بتلا دیجیے تا کہ حساب کتاب میں آسانی ہو۔

جواب: گو کہ کتابوں میں پاکستان ہندوستان کے پیمانوں یعنی سیر، گز، میل سے حساب کتاب بھی لکھا ہوتا ہے، لیکن بعض دینی کتب میں پھر بھی ان کا ذکر آجاتا ہے اس لیے شرعی پیمانوں کو تبدیل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل فارمولوں سے مدد لی جاسکتی ہے۔ فنِ ریاضی کے مطابق تبادلے تقریباً ہیں۔ مثلاً: میلِ شرعی 1ء82880 کلومیٹر ہے، جسے 1ء83 کلومیٹر لیا گیا ہے۔ء

۱۔ ذراع: (کرباس، یعنی کپڑے ناپنے کے لیے) ایک ذراعِ کرباس ڈیڑھ فٹ یا 72ء45 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔ نمازی کے آگے سے گزرنے کے لیے سترہ اتنا اونچا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح پانی کے حوض دہ در دہ میں بھی ذراعِ کرباس معتبر ہے۔ (15x15 فٹ یا 572x4ء572x4ء4 میٹر)

۲۔ ذراع: (مساحت، یعنی زمین ناپنے کے لیے) ساڑھے تین فٹ یا 1ء067 میٹر

۳۔ میل (شرعی): دو ہزار گز انگریزی یا 1ء83 کلومیٹر

۴۔ قیراط: 14/11-۱- رتی یا تقریباً پونے دو رتی = 217ء گرام

۵۔ درہم: 3 ماشہ 5/1-ا رتی = 3ء062 گرام

۶۔ مثقال یا دینار: 4 ماشہ 4 رتی = 4،374 گرام

۷۔ رطل: 34 تولہ 2/1۔1 ماشہ = 398 گرام

۸۔ مد: 68 تولہ 3 ماشہ = 796 گرام

۹۔ اوقیہ: ساڑھے 10 ماشہ = 2،10 گرام

۱۰۔ نصف صاع: 5،136 تولہ یا پونے دو سیر تقریباً = 1،633 کلوگرام

۱۱۔ صاع: 273 تولے یا ساڑھے تین سیر تقریباً 3،266 کلوگرام

(اسلامی سکّہ درہم چاندی کا ہوتا تھا وزن 3 ماشہ 5/1۔1 رتی اور دینار سونے کا ہوتا تھا وزن 4 ماشہ 4 رتی)

سوال: پاکستان ہندوستان میں پہلے گز، فٹ، انچ، سیر، چھٹانک، تولہ وغیرہ کا نظام رائج تھا، اب اعشاریہ نظام رائج ہوگیا ہے، لیکن بعض کتابوں مثلاً بہشتی زیور میں پرانے نظام کے پیمانے ہی درج ہیں۔ براہِ مہربانی اُن کو نئے نظام میں تبدیل کرنے کا فارمولا بھی بیان کر دیجیے۔

جواب: وزن کا نظام:

ایک سیر = 93311ء کلوگرام یا 9ء کلوگرام تقریباً۔

ایک پاؤ = 233،28x گرام

ایک چھٹانک = 58،32 گرام

ایک تولہ = 11،11664 گرام

ایک ماشہ = 972ء گرام

ایک رتی = 1215ء گرام

(نصابِ زکاۃ = 2/1۔7 تولہ سونا = 87،48 گرام یا 2/1۔52 تولہ چاندی 36 = 612ء گرام)

ناپنے کا نظام

ایک گز=9144ء میٹر

ایک فٹ=30،48ء سینٹی میٹر

ایک انچ=2،54ء سینٹی میٹر

ایک گرہ=5،7ء سینٹی میٹر

مسافت

ایک میل=1،61ء کلومیٹر

یہاں بھی تبادلے فنِ ریاضی کے حساب سے تقریباً ہیں۔ مثلاً: ا تولہ=663875ء 11 گرام ہے جسے 11،664ء گرام لیا گیا ہے۔

48 میل (سفر برائے قصر نماز)=25،77ء کلومیٹر۔

اوپر دی گئی اعشاریہ نظام کی رقموں میں اکثر پوری رقم کے ساتھ اعشاریہ کی رقم بھی ہے۔ جیسے: 1 تولہ=11،664ء گرام، تو 664ء گرام وغیرہ تولنا آسان کام نہیں۔ یہ تو کسی اعلیٰ قسم کے الیکٹرانک کانٹے پر ہی تولا جاسکتا ہے۔ اس لیے احتیاط کا پہلو اختیار کر کے نزدیکی پوری رقم لے لے۔ مثلاً: نصابِ زکاۃ 612،36ء گرام ہے تو 612 گرام لے لے۔ صدقۂ فطر (نصف صاع) 1،633ء کلوگرام ہے تو پونے دو کلو یا پورے دو کلو خیرات کر دے۔

اسلامی (قمری) ماہ وسال

سوال: سنا ہے کہ زکاۃ کا حساب اسلامی (قمری) سال کے مطابق کرنا چاہیے۔ اگر کسی نے پہلے انگریزی (شمسی) سال کے حساب سے زکاۃ ادا کی ہو تو اب کیا کرے؟

اس کے علاوہ اور کن مواقع پر اسلامی سال سے حساب کتاب کرنا ضروری ہے؟

جواب: جس انگریزی تاریخ کو پچھلے سال زکاۃ ادا کی تھی اُس تاریخ کو اسلامی مہینہ اور تاریخ عام کیلنڈروں یا ڈائریوں سے معلوم کرلے۔ مثلاً: ۱۶ رجب تھی اور اس سال ۱۶ رجب

کو زکاۃ ادا کر دے، چاہے انگریزی حساب سے کچھ دن باقی ہوں۔ اگر کچھ سال پہلے کی اسلامی تاریخ نکالنی ہو تو فی سال ۳۵۴ دن شمار کر کے اندازاً نکال لے۔

اگر کوئی بہت ہی سالوں سے ایسا کر رہا ہے یعنی انگریزی مہینہ و تاریخ کو زکاۃ نکالتا تھا تو اس کو ہر تینتیس سال کے بعد ایک سال کی مزید زکاۃ نکالنی چاہیے۔ اور یہ جو ۳۳ سال کہا ہے اس کو پہلے دو مثالوں سے سمجھو:

۱۔ ۲۶ رمضان ۱۴۱۳ھ کو انگریزی تاریخ ۲۱ مارچ ۱۹۹۳ء تھی اور ۲۶ رمضان ۱۴۲۳ھ کو ۲ دسمبر ۲۰۰۲ء، یعنی دس قمری سال، انگریزی حساب سے ۳۵۴۳ دن کے ہوئے (اس دوران ۲ لیپ کے سال بھی تھے) لہٰذا ایک قمری سال ۳۵۴٫۳ دن کا ہوا۔

۲۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تاریخِ وصال ۱۶/۱۷ رجب ۱۳۶۲ھ بمطابق ۱۹/۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی شب تھی۔ ۱۶ رجب ۱۴۲۳ھ کو ۲۴ ستمبر ۲۰۰۲ء تھا۔ لہٰذا ۶۱ قمری سال انگریزی سالوں کے حساب سے ۲۱۶۱۷ دن ہوئے۔ (اس دوران ۱۵ لیپ کے سال تھے) لہٰذا ایک قمری سال تقریباً ۳۵۴٫۳۸ دن کا ہوا۔

اور فنِ فلکیات (یعنی چاند اور زمین کی گردش) کے حساب سے ایک قمری ماہ ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ ۲۳٫۹ سیکنڈ کا ہوتا ہے یا ۲۹٫۵۳۱ دن کا، اس لیے قمری سال ۲۹٫۵۳۱ x ۱۲ = ۳۵۴٫۳۷ دن کا ہوا۔

اور شمسی سال ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ ۴۵٫۵ سیکنڈ کا ہوتا ہے، یعنی تقریباً ۳۶۵٫۲۴ دن یا سوا ۳۶۵ دن (اسی لیے ہر چار سال کے بعد ایک دن بڑھا دیا جاتا ہے یعنی لیپ کا سال ہوتا ہے)۔

۳۳ شمسی سالوں کے دن = ۳۶۵٫۲۴ x ۳۳ = ۱۲۰۵۳ دن۔

۳۴ قمری سالوں کے دن = ۳۵۴٫۳۷ x ۳۴ = ۱۲۰۴۹ دن۔

لہٰذا ۳۳ انگریزی سال تقریباً ۳۴ اسلامی سالوں کے برابر ہوئے۔

زکاۃ کے علاوہ کئی موقعوں پر اسلامی سال سے حساب کرنا فرض ہے۔

چند ایک مواقع مندرجہ ذیل ہیں:

عمر

احکامِ شرعیہ میں جہاں کہیں عمر کا ذکر ہے وہاں قمری حساب ہی لگانا فرض ہے۔ شمسی حساب جائز نہیں۔ مثلاً: سنِ بلوغ کہ جس عمر پر ایک مسلمان اسلامی احکام کا مکلّف قرار پاتا ہے اور بغیر عذرِ شرعی چھوڑنے پر عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ مثلاً: نماز، روزہ اور مال دار ہونے کی صورت میں زکاۃ، حج وغیرہ ادا کرنا۔

اگر لڑکی اور لڑکے میں بلوغ کی کوئی اور علامت ظاہر نہ ہوتو دونوں کے لیے بلوغ کی انتہائی مدت پندرہ سال ہے۔

لڑکی کے مراہق (قریب البلوغ) ہونے کی عمر نو سال ہے اور لڑکے کی بارہ سال۔ اس پر شریعت کے کئی احکام مرتب ہوتے ہیں۔

بچہ جب سات سال کا ہوجائے تو اس کو نماز کا حکم دینا فرض ہے۔ (اور اگر تین سال تک سمجھانے کے باوجود نماز نہ پڑھے تو) دس سال کا ہونے پر مار کر پڑھوانا فرض ہے۔

بچہ جب چار سال کا ہوجائے تو آگے پیچھے سے اس کا ستر بلا ضرورت دیکھنا جائز نہیں، ران وغیرہ دیکھ سکتے ہیں، اور سات سال کا ہونے پر ران وغیرہ بھی نہیں دیکھ سکتے۔

دس سال کی عمر میں بستر الگ کر دینا فرض ہے۔ لڑکی کو نو سال کی عمر میں پردہ اور لڑکے سے دس سال کی عمر میں پردہ کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ نکاح اور فسخِ نکاح کا اختیار، اعتبارِ حمل، جوازِ اسقاط، مدتِ نسب، مدتِ رضاع، حرمتِ رضاع، طلاق کے وقوع اور رجوع وغیرہ وغیرہ کا تعلّق بھی اسلامی سال سے حساب کرنے میں ہے۔

قضائے عمری

اگر کسی شخص نے اپنے اوقات پر فرائض واجبات مثل: نماز، روزہ و دیگر عبادات ادا نہیں کیے اور اب توبہ کی توفیق ہوئی تو اسلامی سالوں سے حساب لگا کر قضا کرے یا مرتے وقت فدیہ ادا کرنے کی وصیّت کر جائے۔

خلاصۂ تصوف

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ

نوٹ: یہ آخری تفصیلی ملفوظ ہے جو حضرت نے زمانۂ علالت میں اپنے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب دام ظلہم سے بیان فرمایا اور اسی وقت قلم بند کرنے کے بعد حضرت کو سنا بھی دیا گیا۔

☆ ارشاد فرمایا کہ زبان کو حرکت دینے کی بھی ہمت نہیں، ضعف بے حد ہے، بہ تکلّف بول رہا ہوں، پھر بھی چند باتیں عرض کرتا ہوں۔

☆ غور سے سنیے، تمام اعمالِ حسنہ استقامت کے ساتھ بالدوام مع حسنِ خلق وحسنِ کلام، نماز، روزہ، سنن، مستحبات کا التزام بلحاظِ صحت وسہولت اہتمام کے ساتھ رہے، ذکر و تلاوت بقدرِ فرصت وسہولت جاری رہے۔

☆ مطالعہ کا اہتمام رہے، یہ بہت ضروری ہے۔ حضرت والا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی ”شریعت وطریقت“ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی کتاب کا ترجمہ ”تبلیغِ دین“ زیرِ مطالعہ رہے۔ حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کو بڑے بڑے علما کو بھی تاکید سے پڑھواتے تھے (اس کتاب کے مطالعہ کا تاکیدی حکم فرماتے تھے)۔

☆ نیز حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کی تفسیر (بیان القرآن) کا بھی مطالعہ رہے۔ تمام اعمالِ سیئہ سے حتیٰ کہ مشتبہات سے بھی اجتناب رہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے: **الحلال بیّن والحرام بیّن وبینھما مشتبھات الحدیث** (حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں، لہٰذا **فاستنزھوا عن المتشابھات** (متشابہت سے بچو) یہ ہے تقویٰ۔

☆ اخلاقِ حمیدہ کا حصول بہ رغبت اور اخلاقِ رذیلہ کا زوال بہ نفرت رہے۔ ان باتوں کا اثر

یہ ہوگا کہ حسنِ کلام اور حسنِ خلق حاصل ہوگا اور ہوتا رہے گا۔

☆ حسنِ کلام کی تعریف یہ ہے کہ الفاظ شستہ اور شائستہ نرم آواز کے ساتھ ہوں۔

☆ اور حسنِ خلق کی تعریف یہ ہے کہ حلم ہو، جس کو ہماری زبان میں برد باری کہتے ہیں۔ جہاں کہیں کوئی بات خلافِ طبیعت پیش آئے، نا گوار ہو، اس کو حسنِ کلام سے ٹال دو برد باری کے ساتھ، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ﴾[1]

☆ جہاں کہیں ایسی بات پیش آئے اعراض کر جاؤ، ٹال جاؤ، ایسی جگہ مت بیٹھو اور ایسا عمل مت کرو جو تہمت کا سبب بنے۔ (پھر ارشاد فرمایا:) مرشدی و مولائی حضرت حکیم الامت مجدد الملت نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ دو لفظ ہیں: ایک دھیان دوسرا دُھن۔

☆ دھیان تو یہ ہے کہ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ کا دھیان رہے۔

☆ اور دُھن یہ کہ تزکیۂ نفس کی ہر وقت دُھن رہے، یہ دونوں باتیں بڑی عجیب ہیں، ان پر عمل کرتے رہو۔ کسی کے معاملے میں مت پڑو، دوسروں کے معاملات سے علیحدہ رہو، یہ شانِ مشیخت کے خلاف ہے۔

☆ کثرتِ ذکر اس طرح رہے کہ زبان ہر دم ذاکر اور قلب توفیقِ ذکر و طاعت پر شاکر رہے۔

☆ لین دین اور معاملات کو بالکل صاف رکھو، بس یہی باتیں ہیں جو بطورِ وصیّت عرض کر رہا ہوں۔ اگرچہ ہمت نہیں پھر بھی بفضلہٖ تعالیٰ یہ وصیّت کر دی۔

☆ (دوسرے روز بعد نمازِ فجر فرمایا:) اعمالِ حسنہ پر استقامت بالدوام حسنِ خلق کے ساتھ احسن کلام نرم شائستہ الفاظ کے ساتھ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ﴾[2] — اور آپ میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو۔

☆ حسنِ کلام، حسنِ خلق کے ساتھ جب کبھی کوئی بات طبیعت کے خلاف ہو، نا گوار گزرے،

[1] القصص: ۵۵ [2] الإسراء: ۵۳

حسنِ کلام سے نرم الفاظ کے ساتھ حسنِ خلق کے ساتھ ٹال جاؤ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾[1] نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی اور آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجیے۔

یا حلم کے ساتھ خاموشی سے اعراض کر جاؤ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ﴾[2]

پھر فرمایا: حسنِ خلق بڑی چیز ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں وہ چیز بتادوں جو اگر کوئی رات بھر عبادت کرے اور دن میں روزہ رکھے ایک سال تک، وہ چیز اس سے بھی افضل ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حسنِ خلق، یہ بہت بڑی چیز ہے، پھر فرمایا: اس سے بھی افضل چیز بتا دوں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوچا اس سے افضل کون سی چیز ہوگی، پھر دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی بیوی کے ساتھ حسنِ خلق، نرمی کا برتاؤ۔ اس لیے کہ بیوی کے ساتھ ہر وقت خلافِ طبع باتیں پیش آتی رہتی ہیں۔

☆ اسی طرح اپنے عزیزوں، دوستوں، حتیٰ کہ دشمنوں سے بھی حسنِ خلق سے پیش آنا چاہیے۔

خلاصہ: بس حسنِ خلق، حسنِ کلام کے ساتھ اعمالِ حسنہ کا اہتمام بالدوام بہ رغبت اور اعمالِ سیئہ سے اجتناب بہ نفرت اور زبان ذاکر اور قلب شاکر رہے۔

☆ تزکیۂ نفس و اصلاحِ نفس کی دھن اور اللہ تعالیٰ کا دھیان، یہ ہے سارے تصوف کا خلاصہ، نچوڑ، بس اس پر عمل ہوتا رہے، یہ ارشادِ عالی ہے میرے مرشد حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کا۔

وما علینا إلا البلاغ

[1] حم السجدة: ۳۴ [2] القصص: ۵۵

تعلیماتِ اسلام

(حصّہ سوم)

تالیف

مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمّد مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ

مکتبۃ البشریٰ
شعبہ نشر و اشاعت
چودھری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاملات کا بیان

معاملات کی اہمیّت: معاملات کا تعلّق دراصل ہماری زندگی کی تمام ضرورتوں اور خواہشوں سے ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ دیگر عبادات کی طرح معاملات کے بارے میں احکام دے کر ہمارے لیے ان کو بھی ثواب کا اور اپنی رضا اور قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ معاملات سے مراد لین دین کے معاملات ہیں، جیسے: قرض، امانت، خرید وفروخت، نوکری، مزدوری وغیرہ۔

افسوس! آج کل کے بہت سے اچھے خاصے دین دار حلقوں میں بھی معاملات کی درستگی کا اتنا اہتمام نہیں جتنا کہ ہونا چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ جن کی حالت نماز، روزہ وغیرہ عبادات کے لحاظ سے کچھ غنیمت بھی ہے معاملات اور برتاؤ ان کے بھی شریعت کے مطابق نہیں ہیں۔

اگر کسی شخص کے کاروباری معاملات درست اور شریعت کے مطابق نہ ہوں اور اس کا کھانا پینا، پہننا حرام مال اور ناجائز آمدن سے ہو تو اس کی دُعائیں قبول نہیں ہوتیں، چاہے وہ کتنے ہی مقدس مقام پر جا کر دُعا کرے۔ چناں چہ حدیث شریف میں ارشاد ہے:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ. جو جسم حرام غذا اور ناجائز آمدنی سے پلا ہو وہ جنّت میں نہ جا سکے گا۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت حاصل کرنے کے لیے اور سچّا مسلمان بننے کے لیے جس طرح نماز روزہ وغیرہ عبادات ضروری ہیں اسی طرح معاملات کی درستی اور ذرائعِ آمدن کی صحت اور پاکی بھی ضروری ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں سے بے تعلقی اور بالکل بے زاری کا

اعلان فرمایا ہے جو کاروبار میں ایمان داری اور دیانت داری کے اصول کی پابندی نہ کریں۔
چناں چہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے (جو کسی دُکان دار نے لگا رکھا تھا) آپ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر داخل کیا تو اندر کچھ نمی اور تری محسوس ہوئی۔ (حالاں کہ اوپر سے غلّہ بالکل سوکھا نظر آتا تھا) آپ نے اُس دُکان دار سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا قصّہ ہے کہ اوپر سے تمہارا غلّہ خشک ہے اور اندر سے گیلا ہے؟ اس نے کہا کہ کچھ بوندیں پڑ گئیں تھیں جس سے غلّہ تر ہو گیا تھا۔

آپ نے فرمایا کہ پھر تم نے اس بھیگے ہوئے غلے کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں ڈالا تاکہ خریدار تمہارے غلے کے گیلے پن کو دیکھ سکتا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي. جو کوئی (کاروبار میں) دھوکا کرے تو وہ میرا نہیں (اور میرا اس سے کوئی تعلّق نہیں)۔

معاملات کی قسمیں

سوال: معاملات کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: معاملات کی بہت سی قسمیں ہیں۔ مثلاً: خرید وفروخت کا معاملہ، ادھار کا معاملہ، خرید کر واپس کرنے کا معاملہ۔ اس کو شریعت میں خیارِ شرط کہتے ہیں۔ بغیر دیکھی ہوئی چیز کے خریدنے کا معاملہ، بیعِ باطل اور بیعِ فاسد کا معاملہ، سودی لین دین کا معاملہ، بیع سلم کا معاملہ، قرض کی وکالت کا معاملہ، مضاربت (یعنی ایک کا روپیہ ایک کا کام) کا معاملہ، شرکت کا معاملہ، گروی کا معاملہ، وصیّت کا معاملہ، یہ وہ معاملات ہیں جن سے ہر مسلمان کو واسطہ پڑتا ہے۔

ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے کہ وہ علمائے کرام سے ان کے احکامات معلوم کرے اور ان کے مطابق عمل کرے۔ یہ نہ خیال کیا جائے کہ ان چیزوں سے اسلام کا کیا تعلّق ہے۔ یہ تو ہمارے ذاتی معاملات ہیں، ہمیں اختیار ہے جیسے چاہیں کریں۔

نہیں نہیں! بلکہ ہر مسلمان جیسے عبادات نماز، روزہ، زکاۃ، حج کے احکام معلوم کرنے کا مکلّف ہے ایسے ہی معاملات مذکورہ بالاقسموں کے احکام کا معلوم کرنا بھی بہت ضروری ہے، تاکہ آمدنی حلال ہو حرام نہ ہو۔ پیٹ میں غذا حلال جائے حرام نہ جائے۔ ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے کہ ہر معاملے میں معاشرت کے احکام معلوم کرے۔

ہم یہاں صرف اختصار کے پیشِ نظر چند معاملات مثل قرض، سودی لین دین، خرید و فروخت، زمین اور اجیر (مزدور) جیسے اہم معاملات کے احکام لکھتے ہیں۔

قرض کا معاملہ: ایک حدیث میں حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ کسی کا کوئی درہم یا دینار رہ گیا ہو تو وہ اس کی نیکیوں سے پورا کیا جائے گا جہاں نہ دینار ہوگا نہ درہم۔

نیز ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ

قرض دو طرح کا ہوتا ہے: جو شخص مر جائے اور اس کی نیت ادا کرنے کی ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس کا مددگار ہوں۔ اور جو شخص مر جائے اور اس کی نیت ادا کرنے کی نہ ہو تو اس شخص کی نیکیوں سے لے لیا جائے گا۔ اور اس روز درہم و دینار کچھ نہ ہوگا۔

سودی معاملہ: سودی لین دین کا بڑا بھاری گناہ ہے۔ قرآنِ مجید اور حدیث شریف میں اس کی بڑی برائی اور اس سے بچنے کی بہت سخت تاکید آئی ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ نے سود دینے والے اور لینے والے اور درمیان میں پڑ کر سود دلانے والے، سودی دستاویز لکھنے والے اور گواہ شاہد سب پر لعنت فرمائی ہے۔

اور فرمایا ہے کہ سود دینے والا اور لینے والا دونوں گناہ میں برابر ہیں۔ اس لیے اس سے بہت بچنا چاہیے۔ اس کے مسائل بہت نازک ہیں۔ یہ سود کسی کمپنی سے لیا جائے یا بینک سے سب حرام ہے۔ ایسے ہی ہر وہ معاملہ جس میں جوا اور سود ہو وہ بھی حرام ہے۔ جیسے: زندگی کا بیمہ، پیداوار کا بیمہ، گاڑی کا بیمہ، یا لاٹری ڈالنا، یا انعامی بانڈ وغیرہ وغیرہ کا خریدنا۔ اس سلسلے

میں محقّق علمائے کرام سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا جائے۔[1]

خرید وفروخت کا معاملہ: ایسے ہی باغات کی بیع جو عام طور پر پھول آنے پر یا پھل آنے سے پہلے کر دی جاتی ہے یہ بھی ناجائز ہے، کیوں کہ ظاہر ہے کہ درختوں کی تو بیع ہے نہیں، پھل کی بیع ہے اور پھل اس وقت موجود نہیں معدوم ہے، اور معدوم کی بیع جائز نہیں ہے، کیوں کہ خرید وفروخت تو مال کی ہوا کرتی ہے اور پھول مال نہیں ہے، ایسی بیع کو بیعِ باطل کہتے ہیں۔ اگر کسی نے اس قسم کی بیع کر لی ہے تو اس کو توڑنا واجب ہے ورنہ گناہ گار ہوگا۔ اور پھل آنے کے بعد بھی اس وقت جائز ہے کہ جب کہ اس کو پھل کہا جا سکے۔ اگر کسی نے مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس قسم کی بیع کر لی اور باغ یعنی پھل فروخت کر دیا تو اس کو جائز بنانے کی صورت یہ ہے کہ اس بیع کی دوبارہ تجدید یعنی اس کو از سر نو کر لیا جائے۔ بے شک پہلی رقم میں ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ کہہ دیا جائے کہ مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے پہلے بیع کر لی تھی، اب اس بیع کو توڑتے ہیں اور اس رقم میں دوبارہ بیع کرتے ہیں۔ دوسرا قبول کر لے تو یہ بیع جائز ہو جائے گی۔ اور اس میں کسی پارٹی کا نقصان نہیں۔ ایسے ہی ایک بیع ایسی ہے جو اپنی ذات میں تو درست ہے اور صحیح ہے مگر کسی خارجی شرط کی وجہ سے اس میں خرابی آ گئی، اس کو بیعِ فاسد کہتے ہیں۔ اس کا حکم بھی یہ ہے کہ اس کو توڑ کر پھر دوبارہ بیع کرے۔ مثلاً: کسی نے اس شرط پر اپنا مکان فروخت کیا کہ ایک ماہ تک ہم قبضہ نہ دیں گے بلکہ خود اس میں رہیں گے، یا یہ شرط ٹھہرائی کہ اتنے روپے تم ہم کو قرض دے دو، یا کپڑا اس شرط پر خریدا کہ تم ہی سی کر دو، یا یہ شرط کی کہ یہ چیز ہمارے گھر تک پہنچا دو، لیکن اگر کسی کاروباری ادارے کا اصول ہو کہ وہ مال گھر پہنچاتے ہیں تو پھر یہ کہنا کہ ہمارے گھر پر پہنچا دینا، جائز ہے۔ یا اور کوئی ایسی شرط مقرر کی جو خلافِ بیع اور شریعت میں ناجائز ہے تو یہ سب بیع فاسد ہے۔

لوگوں کو چاہیے کہ دنیاوی معاملات میں بھی علمائے محقّقین سے مسائل پوچھ پوچھ کر عمل کریں اور اپنی آمدنی اور روزی کو حرام سے بچائیں۔ خواہ اس کا تعلّق بیع وشراء سے ہو یا قرضہ

---

[1] اس سلسلے میں کتاب ''مسئلہ سود'' (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ) مطالعہ کریں۔

سے، وکالت سے ہو یا مضاربت سے، امانت اور ہبہ سے ہو یا کرایہ پر لینے دینے یا شرکت سے ہو، وغیرہ وغیرہ۔ (اس سلسلے میں بہشتی زیور کا حصّہ پنجم ضرور مطالعہ کریں)

زمین کے معاملات: ایسے ہی آج کل یہ عام وبا چلی آرہی ہے کہ اگر کوئی زمین دار اپنی کسی مجبوری یا معذوری کی وجہ سے زمین خود کاشت نہیں کرسکتا تو زمین دار اس کو بٹائی یا نقد و جنس کے ٹھیکے پر دے دیتا ہے، اور مدتِ مقررہ کے بعد جب وہ واپس مانگتا ہے تو اس کو واپس نہیں کی جاتی، مزارع یا ٹھیکیدار اس کو اپنی املاک سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔ مدتِ مقررہ کے بعد اس سے نفع اُٹھانا حرام اور ناجائز ہے اور غصب کا گناہ ہوگا۔

اور بعض لوگ تو حکامِ بالا سے مل کر اپنے نام کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بعض اپنے نام کرا بھی لیتے ہیں۔ کسی کی زمین دبا لینے کے متعلق حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

جو شخص بالشت بھر بھی زمین ناحق کسی کی دبالے گا (قیامت کے دن) اس کے گلے میں ساتوں زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا۔

(اس سے کہا جائے گا کہ اس کو اُٹھاؤ) ذرا سی زمین دبانے پر کتنی سخت وعید ہے۔ یہی حکم کسی کے مکان پر ناجائز قبضے کا ہے۔

مزدور کا معاملہ: بعض لوگ مزدور سے مزدوری کرانے کے بعد اس کی اجرت نہیں دیتے، اور اگر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ شریعت کا حکم ہے کہ مزدور سے مزدوری ٹھہرا کر کام لو اور جو مزدوری ٹھہر جائے وہی ادا کرو۔ اگر کم دیے اور وہ مجبوراً لے کر چلا گیا تو پھر تین پیسوں کے عوض میں کام کرانے والے کی چھ سو نمازیں مزدور کو دلوا دی جائیں گی۔ اور اگر مزدوری بلا طے کیے کام پر لگا دیا تو پھر اس کی وہی مزدوری دینی پڑے گی جو اس علاقے میں اس جیسے کام کی دی جاتی ہے۔ اور شریعت کا حکم ہے کہ کام کرانے کے بعد مزدوری فوراً ادا کردو۔

حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"مزدور کو مزدوری اس کے پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دیا کرو"۔

اور ایک دوسری حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تین آدمیوں پر میں خود دعویٰ

کروں گا، ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے کہ کسی مزدور کو کام پر لگایا اس سے کام پورا لے لیا اور اس کی مزدوری نہ دی۔

دیگر معاملات: ایسے ہی اگر کوئی شخص ملازمت یا تجارت یا اور کوئی کام کرتا ہو تو دیانت داری سے کرے، خصوصاً ملازمت پیشہ حضرات دفتر کی اشیا کاغذ، پنسل، سیاہی یا ٹیلیفون ذاتی کام کے لیے استعمال نہ کریں۔

ایسے ہی بجلی میں نامناسب تصرف جو آج کل عام مرض ہے، مقامی بسوں میں ٹکٹ نہ لینا، چونگی اور ٹیکس بچانے کے لیے ناجائز طریقے اختیار کرنا، (جو عزتِ نفس کے لیے مضر ہے جس کی حفاظت کا حکم ہے) اس قسم کی نادرست باتوں سے بھی بچنا واجب ہے، یہ بھی معاملہ میں داخل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا ایمان اور ہماری زندگی اس وقت تک کامل اور اسلامی زندگی نہیں بن سکتی جب تک کہ اپنے معاملات درست نہ کریں۔

اس سلسلہ میں مزید معلومات کے لیے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا رسالہ ''صفائی معاملات'' اور ''بہشتی زیور'' کا پانچواں حصّہ ضرور مطالعہ فرمائیں۔

معاشرت کا بیان

دین کا چوتھا جزو معاشرت ہے۔ اور ہم لوگوں نے معاشرت کو دین سے بالکل ہی خارج کر دیا ہے۔

بس نماز روزے کا نام دین رکھ لیا ہے۔ حالاں کہ دینِ اسلام میں جہاں عقائد و عبادات کی تعلیم ہے وہیں معاشرت کی بھی تعلیم ہے کہ معاشرت کیسی ہونی چاہیے، ایک دوسرے سے ملنے جلنے کے آداب کیا ہیں، اور پڑوسیوں کے آداب کیا ہیں، مہمان کے آداب کیا ہیں وغیرہ وغیرہ۔ معاشرت کا اصل اصول ہی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کی دل آزاری سے بچا جائے۔ اور ان کا حق ادا کرنے کی (شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے)، ان کو خوش کرنے اور خوش رکھنے کی اور ان کے حق کے مطابق ان کو آرام پہنچانے کی پوری کوشش کی جائے۔ اس معاملے میں اسلام کا جو منشا اور جو نقطۂ نظر ہے اس کا کچھ اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس میں

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ’’جب تین آدمی ایک جگہ بیٹھے ہوں تو ایک کو تنہا چھوڑ کر ان میں سے دو الگ باتیں نہ کریں۔ (ممکن ہے کہ اس کا دل دُکھے اور آزردہ ہو) بلکہ جب کوئی چوتھا آجائے اور اس کے پاس بیٹھا رہے تو یہ دونوں الگ ہو کر اپنی باتیں کرلیں‘‘۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ ’’ایسے دو شخصوں کے درمیان میں (جو قصداً پاس بیٹھے ہوں) جا کر بیٹھنا حلال نہیں بدون ان کی اجازت کے‘‘۔

ان دونوں حدیثوں سے صاف معلوم ہوا کہ کوئی ایسی بات کرنا کہ جس سے دوسروں کو کدورت ہو، نہ چاہیے۔ لیکن آج ہمارا حال یہ ہے کہ دوسروں کی دل آزاری میں ہمیں لذت آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس بیماری کی اصلاح فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا اور ہماری زندگی اسلامی زندگی اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک ہم اپنے معاملات اور اپنی معاشرت کو بھی درست نہ کریں۔

معاشرت کی حقیقت

سوال: معاشرت کیا چیز ہے؟

جواب: معاشرت یہ ہے کہ اپنے لیے اپنی حیثیت کے موافق زندگی اختیار کرنا۔ کھانا پینا اور مکان و ختنہ و عقیقہ اور شادی وغیرہ میں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ایسا سلوک و برتاؤ کرنا کہ اپنے سے کسی کو رنج و تکلیف نہ پہنچے اور دوسرے مسلمان بھائی کا دل خوش ہو۔

حتیٰ کہ کافر رعایا پر ظلم کرنے سے، اس کے حقوق میں کمی کرنے یا اس کو بے وجہ تکلیف دینے یا بلا اس کی رضامندی کے کوئی چیز لے لینے سے حضور ﷺ قیامت میں اس پر بارگاہِ ایزدی میں دعویٰ دائر فرماویں گے۔

صحیح معاشرت کی ابتدا کب سے ہوئی؟

سوال: اسلام میں صحیح معاشرت کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی؟

جواب: حضور ﷺ کی بعثت کے وقت آسمانی کتابوں کے اندر تحریف اور زمانۂ جاہلیت کے

امتداد[1] سے مشرکین، یہود، نصاریٰ، مجوس، غرض کل قومِ عرب کی ظاہری و باطنی حالت اصلاح کی محتاج تھی، اہلِ عرب کے عقائد اور اخلاق جس طرح خراب تھے اسی طرح ان کا تمدن اور طرزِ معاشرت بدترین حالت میں تھا، جیسے یہ لوگ مبدأ و معاد[2] سے غافل تھے، ویسے ہی کھانے پینے، رہنے سہنے اور لباس کے پہننے کے آداب سے ناواقف تھے۔ ان کی صحبتیں اور مجلسیں تہذیب اور شائستگی سے بالکل خالی تھیں۔ ملنے جلنے، بات چیت، لین دین کے طریقے نیم وحشیانہ تھے اور کسبِ معاش کا طریقہ تو بالکل ہی بے ڈھنگا تھا۔

بعثت کے بعد حضور ﷺ نے وحیٔ الٰہی کے مطابق تمام اخلاقی اور تمدنی اصلاحات شروع فرمائیں۔ حضور ﷺ نے سب سے پہلے امیین[3] عرب کو مبدأ و معاد کی حقیقت سے آگاہ کیا اور ان کے عقائدِ باطلہ اور اخلاقِ رذیلہ کی اصلاح فرمائی۔ اسی طرح ان کے طریقِ معاش کو درست کیا۔ نشست و برخاست، طعام و لباس، مجلس و محفل کے طور وطریق سکھائے۔ اقامت و سفر، حفظِ صحت کے زریں اصول بتائے۔ مہمان نوازی، شادی غمی، غرض کہ جملہ آدابِ معاشرت حکیمانہ طور پر تعلیم فرمائے۔

معاشرت کی چند مثالیں

سوال: معاشرت کی چند مثالیں دیجیے؟

جواب: جیسے: سلام کرنا، مصافحہ کرنا، عیادت کرنا، تعزیت کرنا، اہلِ میّت کے یہاں کھانا بھیجنا، اپنے سامنے سے کھانا، تین انگلیوں سے کھانا، چار زانو اور ٹیک لگا کر نہ کھانا، کھانا کم ہو تو سب شریک ہو کر تھوڑا تھوڑا کھائیں۔ عددی قسم کی چیز کا ایک ایک اُٹھا کر کھانا حتی الامکان ساتھی کا کھانے میں ساتھ دینا یا مجبوری میں عذر کر دینا، مہمانوں کو دروازے تک پہنچانا، کہ سنت ہے۔ اَشیا کا دائیں ہاتھ والے کی طرف سے تقسیم کرنا، ایسی آواز سے بات کرنا کہ مخاطب سن لے اور سمجھ سکے، بات کا جواب دینا، کسی کو بلا وجہ نہ تکنا،

[1] تا دیر رہنے [2] شروع اور آخر [3] اَن پڑھ

کسی سے بہت مل کر نہ بیٹھنا، مریض کے پاس زیادہ نہ بیٹھنا، زیادہ بات نہ کرنا، بلا اجازت کسی کے مکان میں نہ جانا، اپنے مکان میں بلا آواز دیے نہ جانا، گھر پہنچ کر سلام کرنا، ہر چیز کی جگہ مقرر کرنا، جہاں سے چیز اُٹھائی جائے وہیں رکھنا، اپنی حیثیت سے زیادہ قیمتی اور عمدہ کپڑے نہ پہننا، سفر میں، قافلے میں کسی سمجھ دار کو امیر بنالینا، رفیقِ سفر کے ساتھ نہ الجھنا، اس کی رعایت کرنا، مذاق میں دھار دار چیز کسی کی طرف نہ کرنا، کسی کی آنکھیں بند نہ کرنا کہ بتاؤ کون ہے، کسی کی کتاب بلا اجازت نہ اُٹھانا، کسی کی تحریر کی طرف نگاہ نہ کرنا، دو شخصوں کی باتوں کے درمیان نہ بولنا، بیوی کے ساتھ سخت الفاظ اور طعن کی بات نہ کرنا، شوہر کے سامنے گفتگو میں زور سے جواب نہ دینا، سایہ دار درخت کے نیچے اور راستے میں پیشاب نہ کرنا، راستے میں سے سایہ دار درخت کا نہ کاٹنا، سفر سے واپسی پر اپنے مکان میں ذرا باہر کچھ دیر ٹھہر کر جانا تاکہ بیوی اپنے کو سنوار لے۔ کسی کے پیغامِ نکاح پر جب تک اس کو انکار نہ ہو جائے پیغام نہ دینا۔ میاں بیوی کا اپنی خلوت کی باتوں کا سہیلیوں، برابر والوں سے ذکر نہ کرنا۔ عورت کا مہندی لگانا، گھر کا صاف ستھرا رکھنا، کپڑوں کا صاف رکھنا، بدن کا میل کچیل، بدبو سے صاف رکھنا، کبھی کبھی عطر کا لگانا، ایک شخص کا اپنے ایک ساتھی سے الگ ہو کر کسی سے تنہائی میں بات نہ کرنا کہ دوسرے کی دل شکنی ہے اور احتمال بدگمانی کا بھی ہے کہ شاید میرے متعلق کوئی بات ہو۔ کسی بزرگ اور معزز آدمی کے آنے پر تعظیماً کھڑا ہونا، مجلس میں پالتی مار کر نہ بیٹھنا ہاں! بیماری، ضعف یا موٹا پن ہے تو معذوری ہے۔ راستے میں نہ بیٹھنا، کسی کو اُٹھا کر اس کی جگہ پر نہ بیٹھنا، مجلس میں دو شخصوں کے درمیان نہ بیٹھنا، مجلس میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جانا، یہ نہیں کہ پھاند کر دوسری جگہ بیٹھو۔ چھینک پر الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا، جمائی کے وقت ہاتھ کا منہ پر رکھ لینا، مجلس میں ناک چڑھا کر نہ بیٹھیں، ملتے جلتے بولتے چالتے رہیں، باتوں میں شریک رہیں بشرطے کہ خلافِ شرع نہ ہوں۔ اپنے چھوٹوں سے پیار و محبّت کرنا کہ یہ ثواب ہے۔ بلا تحقیق بلا سند بات کا ادھر ادھر نہ کہنا، زیادہ نہ ہنسنا، بات میں کسی کے ماں باپ تک نہ پہنچنا۔ تمام انسانوں بالخصوص پڑوسی کی عزت و آبرو کا خیال رکھنا۔ ہر شخص کے رتبے کے موافق پیش

آنا، کسی سے ذاتی دنیوی بات میں تین دن سے زیادہ رنجش نہ رکھنا، کسی کے معافی مانگنے پر معاف کر دینا، مخلوق کی ایذا پر صبر واستقلال رکھنا، لوگوں سے اپنا کہا معاف کرانا۔ (نوٹ: اس سلسلے میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب ''آدابِ معاشرت'' مبوّب مطالعہ فرمائیں)۔

اخلاقیات

اخلاق کی اہمیّت:

سوال: اسلام میں اخلاق کا کیا درجہ ہے؟

جواب: جس طرح عبادات، معاملات، معاشرت دین کے شعبے ہیں اسی طرح اخلاق بھی دین کا ایک شعبہ ہے۔ اسلام میں اس کی بڑی اہمیّت ہے۔ بلکہ بعض حیثیت سے اسلام کے دیگر شعبوں کے مقابلے میں اس کو زیادہ فوقیت حاصل ہے۔ دین صرف چند چیزوں کا نام نہیں جیسا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے، بلکہ دین پانچ چیزوں کے مجموعے کا نام ہے اوران پانچ چیزوں میں اخلاق بھی ایک اہم جزو ہے۔

مگر افسوس ہے کہ آج کل اچھے اچھے لوگ حتیٰ کہ بعض دین دار بھی حسنِ اخلاق سے خالی نظر آتے ہیں اوران کے گمان میں اس کا دین سے کوئی تعلّق ہی نہیں۔ حالاں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''مسلمان وہی ہے جس کا خلق کامل ہو، اور مؤمنین میں افضل وہی ہے جس کا خلق سب سے بہتر ہو''۔ بس اس کا نام دین ہے اوراسی کی تکمیل کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے۔ چناں چہ ارشاد ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں اخلاقی خوبیوں کو درجۂ کمال تک پہنچا دوں''۔

اورایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ

قیامت کے دن مؤمن کے میزانِ اعمال میں سب سے زیادہ وزن دار چیز جو رکھی جائے گی وہ اس کا اچھا اخلاق ہوگا۔[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے اندازہ لگائیے کہ دین میں اخلاق کی کتنی اہمیّت ہے اوراس کا کیا درجہ اور مقام ہے۔ اخلاق کی اصلاح کا معاملہ صرف تکمیل نہیں کہ صرف

[1] ترمذی، ابوداود، مشکاۃ المصابیح۔

بزرگ اور کامل بننے کے لیے اس کی ضرورت ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے لیے اور دوزخ سے بچنے کے لیے جس طرح نماز، روزہ، حج کی پابندی ضروری ہے اسی طرح برے اخلاق سے بچنا اور اچھے اخلاق اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ

سب سے زیادہ کامل ایمان ان لوگوں کا ہے جن کے اخلاق بہت اچھے ہیں اور وہ اپنے گھر والوں پر بہت مہربان ہیں۔[1]

اور فرمایا کہ

اے لوگو! تمہارا مال تو سب انسانوں کے لیے کافی نہیں ہوسکتا، لیکن خوش خلقی، کشادہ رَوئی سب انسانوں کے لیے کافی ہوسکتی ہے۔[2]

اور فرمایا کہ

جس بندے کے اخلاق اچھے ہیں اس کو دن کے روزے اور رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے اگر چہ اس کے اعمال کم ہی کیوں نہ ہوں۔[3]

اور ارشاد فرمایا کہ

جو شخص نرمی سے (جو اخلاقِ حسنہ میں سے ایک خلق ہے) محروم کیا گیا، وہ ہر نیکی سے محروم کیا گیا۔[4]

اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ تم میں سے سب سے زیادہ کامل انسان وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حسنِ ظاہری سب کے نزدیک محمود اور مطلوب ہے اسی طرح حسنِ باطنی بھی عند اللہ مطلوب اور محمود ہے۔ اور جس طرح حسنِ ظاہری میں کمی بیشی کے سبب حسن میں فرق ہوتا ہے کہ کوئی زیادہ خوب صورت ہے اور کوئی کم، اسی طرح حسنِ باطنی میں بھی کمی بیشی کے سبب لوگ متضاد ہوتے ہیں کہ کوئی اعلیٰ درجے کا حسنِ اخلاق سے آراستہ ہے کوئی متوسط درجے کا اور کوئی ادنیٰ درجے کا۔ پس سب سے زیادہ خوب سیرت تو حضورِ اکرم ﷺ ہیں کہ آپ کے اندر اخلاق میں سے ہر خلق بدرجۂ اکمل واتم موجود تھا۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ آپ کی شان میں آیتِ کریمہ ﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ﴾ نازل

[1] ترمذی [2] ابویعلیٰ [3] ابوداود [4] مسلم شریف

ہوئی ہے۔ آپ کے بعد جس مسلمان کو آپ کے اخلاق کے ساتھ جتنی مناسبت ہوگی اسی قدر اس کو خوب سیرت کہا جائے گا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سیرتِ باطنی میں جس قدر حسن حاصل ہوگا اسی قدر اس کو سعادتِ اخروی حاصل ہوگی۔

جن اخلاقِ حمیدہ وحسنہ سے نفس کو مزین کرنا ضروری ہے یوں تو بہت ہیں مگر اصول یہی ہیں جن کا آیندہ ذکر آئے گا۔ اور ان میں باہم ایسا تعلّق ہے کہ ایک کے ساتھ دوسرا اور دوسرے کے ساتھ تیسرا لگا ہوا ہے۔ اس لیے انسان جب تک سب سے آراستہ و پیراستہ نہ ہو اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوسکتا۔

اخلاق کی قسمیں

سوال: اخلاق کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: اخلاق کی دو قسمیں ہیں: اخلاقِ حمیدہ یعنی اچھے اور پسندیدہ اخلاق۔ دوسرے اخلاقِ ذمیمہ یعنی بُرے اخلاق۔

سوال: اخلاقِ حمیدہ کیا کیا ہیں؟

جواب: اخلاقِ حمیدہ کی فہرستِ اجمالی یہ ہے: اخلاص، صبر، شکر، حلم، قناعت، ورع، زہد، یقین، محبّت، خوف، توکل، تسلیم، رضا، تواضع، عبدیت، فنا اور تفویض۔

اب ہم بعض اخلاق کو مختصر تشریح کے ساتھ پیش کرتے ہیں، ان کو یاد کرنے کی اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اخلاص

اخلاص کی حقیقت:

سوال: اخلاص کسے کہتے ہیں؟

جواب: اپنی طرف سے صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب ورضا کا قصد کرنا اور مخلوق کی خوش نودی اور رضا مندی، یا اپنی کسی خواہشِ نفسانی کو ملنے نہ دینا اخلاص کہلاتا ہے۔

یعنی اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ نیت صرف ایک ہی شئے کی ہو یعنی عمل کا محرک یا تو صرف رِیا ہو، یا محض رضائے حق۔ ان دونوں پر اخلاص کے لغوی معنی صادق آتے ہیں۔

کیوں کہ خالص اسی شے کو کہتے ہیں کہ جس میں کسی دوسری جنس کی آمیزش نہ ہو۔ لیکن شرعی لحاظ سے اخلاص وہ ہے کہ جس میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوش نودی مقصود ہو۔

اخلاص کی ضرورت

سوال: اخلاص کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: چاہے کیسا ہی نیک کام ہو اور چاہے ذرا سا بھی کام ہو مگر خلوص کے ساتھ ہو تو اس میں برکت ہوتی ہے۔ جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا اسی قدر ثواب بڑھتا جائے گا۔ اسی لیے حدیث شریف میں ارشادِ نبوی ہے کہ ''میرا صحابی اگر نصف مد یعنی تقریباً آدھ سیر جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے تو وہ دوسرے کے اُحد (پہاڑ) کے برابر سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے''۔

بات یہ ہے کہ ان حضرات کے اندر محبّت اور خلوص اس قدر تھا کہ دوسروں کے اندر اتنا نہیں ہوسکتا، اس واسطے ان کے صدقات وحسنات بڑھے ہوئے ہیں۔

اخلاص پیدا کرنے کا طریقہ

سوال: اخلاص کیسے پیدا ہوتا ہے؟

جواب: اس کے پیدا کرنے کا طریقہ اندر سے رِیا تکبّر کو نکالنا ہے، کوئی کام دنیا کی رضا کے لیے نہ کیا جائے۔

صبر

صبر کی حقیقت:

سوال: صبر کسے کہتے ہیں؟

جواب: انسان کے اندر دو قوتیں ہیں: ایک دین پر ابھارتی ہے، دوسری ہوائے نفسانی پر۔ پس محرّکِ دینی کو محرّکِ ہَوا (خواہشِ نفسانی) پر غالب کردینے کا نام صبر ہے۔ اور اس کی حقیقت ناگوار بات پر نفس کو جمانا، مستقل رکھنا اور آپے سے باہر نہ ہونا ہے۔

صبر کی ضرورت اور اس کی فضیلت:

سوال: صبر کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: صبر کی ضرورت اس لیے ہے کہ اس سے حق تعالیٰ کی معیّت حاصل ہوتی ہے، چناں چہ ارشادِ باری ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ۝﴾[1] اے ایمان والو! (طبیعتوں میں سے غم ہلکا کرنے کے بارے میں) صبر اور نماز سے سہارا (اور مدد) حاصل کرو، بلاشبہ حق تعالیٰ (ہر طرح سے) صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ (بیان القرآن)

اس آیت میں صبر کی ضرورت اور اس کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ جب تمہیں کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تو صبر کے ساتھ استعانت حاصل کرو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ اور اس میں دو باتوں کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے:

۱۔ ایک یہ کہ معیّت (ساتھ ہونے) سے اعانت اور مدد کی معیّت مراد ہو۔ یعنی تم صبر کر کے دیکھو دشوار نہ رہے گا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی۔ اور ان کی امداد کے بعد کوئی دشوار دشوار نہیں۔

۲۔ دوسرے یہ کہ معیّت سے معیّتِ حالیہ مراد ہو۔ پس مطلب یہ ہوگا کہ صبر کی دشواری کو اس مراقبہ سے آسان کرو کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس مراقبہ کے بعد صبر میں دشواری نہ رہے گی، کیوں کہ جب عاشق کو یہ معلوم ہو کہ محبوب میرے ساتھ ہے، میری تکلیف کو دیکھ رہا ہے تو اس کو کلفت کا احساس نہیں ہوتا۔ تو اس بنا پر بھی صبر کی ضرورت ہے کہ حق تعالیٰ کی اعانت صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتی ہے۔

قرآنِ پاک میں کچھ اوپر ستّر جگہ صبر کا ذکر آیا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ''صبر نصف ایمان ہے۔ اور جنّت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، جس شخص کو یہ فضیلت حاصل ہوگئی وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ شب بیداری اور صائم الدہر سے اس کا درجہ افضل ہے''۔ ان تمام ارشادات سے صبر کی فضیلت بھی معلوم ہوئی۔

[1] البقرۃ: ۱۵۳

صبر کے پیدا کرنے کا طریقہ

سوال: صبر کیسے پیدا کیا جائے؟

جواب: اپنی خواہشات اور جذباتِ نفسانی کو ضعیف کرے اور اس کے خلاف کرے، اس طریقے سے صبر پیدا ہو جائے گا۔

شکر

شکر کی حقیقت:

سوال: شکر کسے کہتے ہیں؟

جواب: انسان کو جو حالتیں پیش آتی ہیں خواہ وہ اختیاری ہوں یا غیر اختیاری، وہ دو طرح کی ہوتی ہیں: یا تو وہ طبیعت کے موافق ہوتی ہیں، یا طبیعت کے خلاف۔ اگر طبیعت کے موافق ہوں تو ایسی حالت کو خدا تعالیٰ کی نعمت سمجھنا اور اس پر خوش ہونا اور اپنی حیثیت سے اس کو زیادہ سمجھنا اور زبان سے خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا اور اس نعمت کو گناہوں میں استعمال نہ کرنا شکر ہے۔ اور اگر وہ حالتیں طبیعت کے موافق نہ ہوں بلکہ نفس کو ان سے گرانی اور ناگواری ہوتی ہے تو ایسی حالت کو یہ سمجھنا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے میری کوئی مصلحت رکھی ہے اور شکایت نہ کرنا۔ اور اگر وہ کوئی حکم ہے تو اس پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ اور اگر وہ کوئی مصیبت ہے تو مضبوطی سے اس کو سہارنا اور پریشان نہ ہونا صبر ہے۔ جس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔

شکر کی فضیلت

سوال: شکر کے کچھ فضائل بیان کیجیے۔

جواب: شکر کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ ''اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے (تو) میں تم کو زیادہ نعمت دوں گا''۔ خواہ دنیا میں بھی یا آخرت میں، اور آخرت میں تو ضرور ہی ملے گی۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ''چار

چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کو مل گئیں تو اس کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں مل گئیں:

اوّل: دل شکر کرنے والا۔

دوم: زبان ذکر کرنے والی۔

سوم: بدن جو بلاؤں پر صابر ہو۔

چہارم: وہ بی بی جو اپنی جان اور شوہر کے مال میں اس سے خیانت نہیں کرنا چاہتی۔

ہمیں لازم ہے کہ ہم ہر حال میں شکر گزار بنیں۔ اور نیز اس لیے بھی کہ شکر سے اللہ کی محبّت پیدا ہوگی اور محبّت سے قربِ حق کا تقاضا ہوگا جو کہ مقصودِ اصل ہے۔

شکر پیدا کرنے کا طریقہ

سوال: شکر پیدا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: شکر پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بار بار سوچا اور یاد کیا کرے اور ہر نعمت کو اس کی طرف سے جانے۔ اس سے رفتہ رفتہ محبّت پیدا ہوگی اور شکر کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔

زہد

زہد کی حقیقت:

سوال: زہد کسے کہتے ہیں؟

جواب: زہد کہتے ہیں کہ کسی رغبت کی چیز کو چھوڑ کر اس سے بہتر چیز کی طرف مائل ہونا۔ مثلاً: دنیا کی رغبت علیحدہ کر کے آخرت کی طرف رغبت کرنا۔ زہد کی حقیقت دراصل وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے قلب میں ڈالا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا سینہ کھل جاتا ہے اور اس پر یہ بات اور حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ دنیا کا ساز و سامان مکھی کے پر سے بھی حقیر ہے اور آخرت ہی پائیدار اور بہتر ہے۔ اور جس وقت یہ نور حاصل ہو جاتا ہے تو اس حقیر دنیا کی آخرت کے مقابلے میں اتنی بھی وقعت نہیں رہتی جتنی کہ بیش قیمت جواہر کے مقابلے میں پھٹے پرانے چیتھڑے کی ہوا کرتی ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ
جس کو حق تعالیٰ زاہد بناتا ہے اس کے قلب میں حکمت عطا کرتا ہے اور دنیا کی بیماری و علاج سے آگاہ کردیتا ہے۔
اور حضورِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ
جو شخص صبح اٹھتے ہی دنیا کے غم میں گرفتار ہوجاتا ہے حق تعالیٰ اس کا دل پریشان کردیتا ہے اور ملتا اسی قدر ہے کہ جتنا اس کی تقدیر میں لکھا جاچکا ہے۔ اور جو شخص صبح اٹھتے ہی آخرت کی فکر میں لگ جاتا ہے تو حق تعالیٰ اس کا قلب مطمئن رکھتے ہیں اور اس کی دنیا کی خود حفاظت و کفالت فرماتے ہیں اور اس نیک بندے کا دل غنی کردیتے ہیں اور اتنی دنیا مرحمت فرماتے ہیں کہ یہ منہ پھیرتا ہے اور دنیا اس کے پیچھے چلی آتی ہے۔

زہد حاصل کرنے کا طریقہ

سوال: زہد کے حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟
جواب: زہد کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا کے عیوب اور مضرتوں اور فنا ہونے کو اور آخرت کے منافع اور بقا کو یاد کرے اور سوچے۔

محبّت

محبّت کی حقیقت:

سوال: محبّت کسے کہتے ہیں؟
جواب: طبیعت کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جس سے لذت حاصل ہو، محبّت کہتے ہیں۔ یہی میلان اگر قوی ہوجاتا ہے تو اس کو عشق کہتے ہیں۔
محبّت کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ محبّتِ طبعی۔ ۲۔ محبّتِ عقلی۔
محبّتِ طبعی اختیاری نہیں اس کا پیدا ہونا اور باقی رہنا غیر اختیاری ہے اور غیر اختیاری چیز پر بعض دفعہ دوام نہیں ہوتا، لہٰذا محبّتِ طبعی مامور بہ نہیں ہے۔ بہ خلاف محبّتِ عقلی کے کہ اس کا پیدا ہونا اور باقی رہنا اختیاری ہے تو اس پر دوام بھی ہوتا ہے، اس لیے محبّتِ عقلی مامور بہ ہے اور یہی افضل اور راجح ہے۔

محبّت پیدا کرنے کا طریقہ

سوال: محبّتِ الٰہی پیدا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ سے محبّت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو احسانات اپنے اوپر ہیں ان کو سوچے، اور اس کے کمالات و اوصاف اور انعامات کو یاد کرے اور سوچے اور احکامِ شریعت کی بجا آوری اور کثرتِ ذکر اللہ سے غیر اللہ کی محبّت دل سے نکالے۔[۱]

خوف

خوف کی حقیقت:

سوال: خوف کسے کہتے ہیں؟

جواب: خوف کہتے ہیں کہ ناگوارطبع چیز کے خیال اور اس کے واقع ہونے کے اندیشے سے دل کا دردناک ہونا اور اس کی حقیقت احتمالِ عذاب ہے کہ انسان کو اپنے متعلق احتمال ہو کہ شاید مجھے عذاب ہو۔ اور یہ احتمال مسلمانوں میں ہر شخص کو ہوتا ہے اور اسی کا حکم بھی دیا گیا ہے اور اسی کا بندے کو مکلّف کیا گیا ہے۔ اور یہ شرطِ ایمان ہے، اس کا نام خوفِ عقلی ہے۔

حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

کسی بندے کو دو خوف نصیب نہ ہوں گے۔ یعنی جو بندہ دنیا میں خدا تعالیٰ کا خوف رکھے گا وہ آخرت میں بے خوف ہوگا، اور جو دنیا میں نڈر رہا اس کو آخرت میں امن و اطمینان نصیب نہ ہوگا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

قیامت کے دن ہر آنکھ روتی ہوگی سوائے اس آنکھ کے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز کے دیکھنے سے روکی گئی ہو۔

اور وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستے میں پہرہ دیا ہو۔

اور تیسری وہ آنکھ جس میں خوفِ الٰہی کی وجہ سے مکھی کے سر کے برابر آنسو نکل آیا ہو۔

نیز مشکاۃ کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے۔

---

[۱] اور ایک طریقہ یہ ہے کہ اہلِ محبّت کے پاس جایا آیا کرے، صحبت بڑی مؤثر شے ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فرشتوں سے فرمائے گا کہ آگ میں سے اس شخص کو نکال دو جو کسی بھی مقام پر مجھ سے ڈرا ہے۔

خوف پیدا کرنے کا طریقہ

سوال: خوف پیدا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قہر اور عذاب کو یاد کیا کرے اور سوچا کرے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس سوچنے سے ایک نہ ایک دن خوف پیدا ہو جائے گا۔

توکل

توکل کی حقیقت:

سوال: توکل کسے کہتے ہیں؟

جواب: صرف وکیل یعنی کارساز پر قلب کے اعتماد کرنے کا نام توکل ہے، اس کی حقیقت وہی ہے جو توکیل یعنی وکیل بنانے کی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جس کام کو خود نہیں سمجھ سکتے اس کو دوسرے کے سپرد کر دیا جاتا ہے کہ اس کے بتانے کے موافق کرنا ہے۔ پس توکل بھی یہی ہے کہ تمام کام خدا تعالیٰ کے سپرد کر کے تدبیر کریں اور جو بتائیں کرتے جائیں۔ یعنی شریعت کے اصول پیشِ نظر رکھ کر ہر کام میں اسباب کے ماتحت کوشش کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے تو یہاں تک اس اعتدال کا پتا چلتا ہے کہ معجزات میں بھی جو کہ بالکل بطور خرقِ عادت ظہور میں آئے ان میں بھی تدبیر اور اسباب کی صورت کو ملحوظ رکھتے تھے۔ چناں چہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا قصہ اس کا شاہد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''ہانڈی چولہے سے نہ اتارنا'' پھر اس میں آکر آپ نے لعاب مبارک ملا دیا اور وہ چند آدمیوں کی خوراک لشکر کے لشکر کو کافی ہوگئی۔

توکل حاصل کرنے کا طریقہ

سوال: توکل کیسے حاصل کیا جائے؟

جواب: توکل حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی عنایتوں، وعدوں اور اپنی گزشتہ کامیابیوں کو یاد کرے اور بار بار سوچے، اس سے ان شاء اللہ توکل آجائے گا۔

رضا

رضا کی حقیقت:

سوال: رضا کسے کہتے ہیں؟

جواب: رضا کی حقیقت قضا پر اعتراض نہ کرنا ہے، نہ زبان سے نہ دل سے۔ بعض اوقات رضا کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی۔ پس اگر تکلیف کا احساس بھی نہ ہوتو وہ رضا طبعی ہے، اور اگر تکلیف کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے۔ رضا طبعی ایک حال ہے جس کا بندہ مکلّف نہیں ہے اور رضا عقلی مقام ہے جس کا بندہ مکلّف ہے۔

رضا پیدا کرنے کا طریقہ

سوال: رضا پیدا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ سوچا کرے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ پیش آتا ہے اس میں بندے کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اس طرح شکایت و حکایت کا جذبہ ختم ہوجائے گا۔ اور رضا پیدا ہوجائے گی۔

تواضع

تواضع کی حقیقت:

سوال: تواضع کسے کہتے ہیں؟

جواب: تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے کو لاشے اور ہیچ سمجھے، اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے۔ اس کی اصل مجاہدۂ نفس ہے، کیوں کہ تواضع صرف اس کا نام نہیں کہ زبان سے اپنے کو خاکسار، نیاز مند، ذرۂ بے مقدار کہہ دیا اور بس،

بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرۂ بے مقدار کہہ کر برا بھلا کہے اور ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو، اور نفس کو یوں کہہ کر سمجھاؤ کہ واقعی ایسا ہی ہے پھر کیوں برا مانتا ہے؟ اور کسی کی برائی سے رنج واثر کچھ نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ تعریف اور برائی برابر ہو جائے نہ کہ طبعًا، کیوں کہ طبعًا تو مساوات ہو ہی نہیں سکتی کیوں کہ یہ تو غیر اختیاری ہے۔ البتہ اختیاری اُمور میں تواضع اختیار کرے اور اسی کا انسان مکلّف بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۚ﴾[1]

(حضرت لقمان علیہ السلام نے یہ نصیحت کی کہ بیٹا!) لوگوں سے اپنا رُخ نہ پھیر، اور زمین پر اِترا کر نہ چل، بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبّر کرنے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے، اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر (یعنی بے تکلّف اور متوسط رفتار تواضع وسادگی کے ساتھ اختیار کر) اور (بولنے میں) اپنی آواز کو پست کر (یعنی گفتگو میں بھی عاجزی اور تواضع اختیار کر)۔ (بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ کا وعدہ ہے کہ جو تواضع اختیار کرے گا ہم اس کو رفعت اور بلندی عطا کریں گے۔ (نیز) اتفاق کی اصل تواضع ہے جن دو شخصوں میں تواضع ہوگی ان میں نااتفاقی نہیں ہوسکتی، تواضع میں جذب اور کشش کی خاصیّت ہے۔ متواضع کی طرف خود بہ خود کشش ہوتی ہے بشرطے کہ صحیح تواضع ہو۔

تواضع پیدا کرنے کا طریقہ

سوال: تواضع کس طرح پیدا کی جائے؟

جواب: تواضع کے پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سب سے کم تر اور حقیر جانے۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی ہر وقت پیشِ نظر اور مستحضر رہے، اور یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ کو تکبّر سے نفرت تو متکبّر سے ضرور نفرت ہوگی اور تواضع و عاجزی پسند فرماتے ہیں تو متواضع کو بھی پسند فرمائیں گے۔

---

[1] لقمان: ۱۸، ۱۹

رَجا

رَجا کی حقیقت:

سوال: رجا کسے کہتے ہیں؟

جواب: رجا کی حقیقت یہ ہے کہ محبوب چیزوں یعنی فضل ومغفرت اور نعمت و جنّت کے انتظار میں قلب میں راحت پیدا کرنا۔ اور ان چیزوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرنا رجا ہے۔ لہٰذا جو شخص رحمت و جنّت کا منتظر رہے اور اس کے حاصل کرنے کے اسباب یعنی عملِ صالح، توبہ وغیرہ کو اختیار نہ کرے اس کو مقامِ رجا حاصل نہیں ہے وہ دھوکے میں ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص تخم پاشی نہ کرے اور غلّہ پیدا ہونے کا منتظر رہے کہ یہ محض ہوس ہے۔

رَجا پیدا کرنے کا طریقہ

سوال: رَجا کیسے پیدا کی جائے؟

جواب: رَجا پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت، اس کے فضل وکرم، اس کے احسانات اور عنایات کو سوچا کرے اور یاد کیا کرے۔ ان شاء اللہ اس طریقے سے رَجا پیدا ہو جائے گی۔

تفویض وتسلیم

تفویض وتسلیم کی حقیقت:

سوال: تفویض اور تسلیم کسے کہتے ہیں؟

جواب: تفویض کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے کو خدا کے سپرد کر دے کہ جو وہ چاہے تصرف کریں، اپنے لیے کوئی حالت تجویز نہ کریں۔ یعنی خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی پر نظر نہ رکھیں۔ تدبیر تو کرے مگر نتیجہ خدا کے سپرد کر دے۔ تفویض کے معنی ترکِ تدبیر کے نہیں بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی پر نظر نہ رکھیں۔

اور جن اُمور میں تدبیر اور تعلّق کا کچھ دخل نہیں ان میں تو ابتدا ہی سے تفویض وتسلیم اختیار کرے، اپنے لیے کوئی نظام تجویز نہ کرے۔ اپنی طرف سے تجاویز قائم کر لینا،

یہی تمام پریشانیوں کی جڑ ہے اور جب اپنے قائم کردہ نظام و تجویز کے خلاف واقع ہوتا ہے تو سخت کلفت ہوتی ہے۔

فنا

فنا کی حقیقت:

سوال: فنا کسے کہتے ہیں؟

جواب: فنا کی حقیقت یہ ہے کہ افعالِ ذمیمہ و ملکاتِ رذیلہ کو اپنے اندر سے زائل کرنا۔ یعنی گناہوں کا ترک اور قلب سے غیر اللہ کی محبّت اور لمبی لمبی اُمیدوں کا، لالچ، کبر، خود پسندی اور دکھاوا وغیرہ جیسے برے اخلاق کا نکل جانا اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد اور دھیان دل میں جم جانا کہ غیر اللہ کے ساتھ تعلّقِ عملی نہ رہے، یہ ہے حقیقت فنا کی۔ اور یہ اخلاقِ حسنہ میں سے اونچے درجے کا حسنِ خلق ہے۔

فنا پیدا کرنے کا طریقہ

سوال: فنا کیسے حاصل ہوتی ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: فنا کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کثرت سے مجاہدہ کرے یعنی خلافِ نفس پر عمل کرے۔ اور کثرت سے ذکرِ لسانی و قلبی کرے، اور ہر وقت ذکر و فکر میں لگا رہے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے ایک دن فنا کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔

اخلاقِ رذیلہ

اخلاقِ رذیلہ کی مذمت: قرآن و حدیث میں جس طرح اور عبادات کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو عذاب سے ڈرایا گیا ہے اسی طرح بہت سے برے اخلاق پر بھی جہنّم کی اور عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ مثلاً بخل (جو صفتِ ذمیمہ ہے) اس کے متعلق ارشاد ہے کہ

جن کو اللہ تعالیٰ نے دولت دی ہے اور وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ ان کے حق میں کوئی اچھی چیز ہے بلکہ وہ ان کے حق میں محض شر ہے، قیامت کے دن یہی دولت

جس کے خرچ کرنے میں وہ بخل کرتے ہیں، ان کے گلے میں طوق بنائی جائے گی۔[۱]

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے کہ

ان لوگوں کے لیے انجام کی بڑی خرابی ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ دوسروں کو رو برو طعنہ دیتے ہیں اور پیٹھ پیچھے لوگوں کے عیوب اور ان کی برائیاں بیان کرتے ہیں اور انھیں مال و دولت سے ایسی محبّت ہے کہ وہ اس کو جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ گویا ان کا یہ مال ہمیشہ باقی رہے گا۔ یہ لوگ ضروری طور پر دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔[۲]

غرضے کہ ان آیات میں جن برائیوں پر عذاب کی وعید ہے وہ اخلاقی برائیاں ہی تو ہیں۔

ایک حدیث میں تو حضور ﷺ کا برے اخلاق سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے، چناں چہ ارشاد ہے:

اے اللہ! میں آپ کے ذریعہ سے فحش کلامی اور برے اخلاق سے پناہ مانگتا ہوں۔[۳]

اخلاقِ رذیلہ کی فہرست

سوال: اخلاقِ رذیلہ کون کون سے ہیں؟

جواب: اخلاقِ رذیلہ یہ ہیں:

حرص، طولِ اَمَل، رِیا، حبِّ جاہ، حبِّ مال، بخل، حبِّ دنیا، تکبّر، عُجب، غصّہ، حسد، کینہ، شکوہ۔

سوال: اخلاقِ رذیلہ میں سے اگر ہر ایک کی مختصر شرح بھی کر دی جائے تو اچھا ہو؟

جواب: ہم ان میں سے ہر ایک کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

حرص

حرص کی حقیقت:

سوال: حرص کسے کہتے ہیں؟

جواب: توجہ اور میلانِ قلب کا مال وغیرہ کے ساتھ مشغول ہو جانا حرص کہلاتا ہے۔ حرص تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ یہ ایسا مرض ہے کہ اس کو تمام مرضوں کی جڑ کہنا ہی مناسب ہوگا، کیوں کہ اس کی وجہ سے تمام جھگڑے فساد ہوتے ہیں، اسی کی وجہ سے مقدمہ بازیاں

[۱] آل عمران [۲] الھمزۃ [۳] ابوداود

ہوتی ہیں۔ اگر لوگوں میں حرصِ مال نہ ہوتو کسی کا کوئی حق نہ دبائے۔

حق تعالیٰ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

اورآپ اپنے کوان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجیے جو صبح وشام اپنے ربّ کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں اُن سے ہٹنے نہ پاویں۔ اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کرر کھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا حال حد سے گزر گیا ہے۔

اور حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے مگر اس کی دو چیزیں بڑھتی رہتی ہیں: ایک مال پر حرص کرنا، دوسرے عمر پر حرص کرنا۔

حرص کا علاج

سوال: اس کا علاج اور طریقہ بیان کریں کہ جس سے حرص ختم ہو۔

جواب: خرچ کو گھٹائیں تا کہ زیادہ آمدنی کی فکر نہ ہو، اور آیندہ کی فکر نہ کریں کہ کیا ہوگا اور یہ سوچیں کہ حریص وطامع شخص ہمیشہ ذلیل وخوار ہوتا ہے۔

رِیا

رِیا کی حقیقت:

سوال: رِیا کسے کہتے ہیں؟

جواب: رِیا یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عبادات اور عملِ خیر کے ذریعے سے وقعت و منزلت کا خواہاں ہو۔ اور یہ عبادت کے مقصود کے خلاف ہے، کیوں کہ عبادت سے مقصود تو حق تعالیٰ کی رضا مندی ہے اور اب چوں کہ اس مقصد میں دوسرا شریک ہوگیا، رضائے خلق مقصود ہوگئی، لہٰذا اس کا نام شرکِ اصغر ہے۔ علمائے کرام نے ﴿وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ میں ﴿وَلَا يُشْرِكْ﴾ کی تفسیر ”رِیا نہ کرنے“ فرمائی ہے۔

رِیا سے بچنے کا طریقہ

سوال: اس سے کیسے بچا جائے؟

جواب: اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ حبِّ جاہ کو دل سے نکالیں، کیوں کہ رِیا اس کا حصّہ ہے، اور عبادت پوشیدہ کیا کریں، یعنی جو عبادت کہ جماعت سے نہیں۔ اور جس عبادت کا اظہار ضروری ہے اس کے اندر رِیا کو دور کرنے کے لیے حبِّ جاہ کا نکالنا کافی ہے۔

حبِّ جاہ

حبِّ جاہ کی حقیقت:

سوال: حبِّ جاہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: لوگوں کے دلوں کو مسخر کرنے کی خواہش کرنا، تا کہ لوگ اس کی تعظیم اور اطاعت کریں۔ حبِّ جاہ کی برائی اور مذمت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے گلّے میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ اس گلّے کو اتنا تباہ نہیں کرتے کہ جتنا آدمی کی حرص مال پر اور جاہ پر اس کے دین کو تباہ کر دیتی ہے۔

حبِّ جاہ سے بچنے کا طریقہ

سوال: اس سے کیسے بچا جائے؟

جواب: اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ یوں سوچے کہ نہ تعظیم و اطاعت کرنے والے رہیں گے اور نہ میں رہوں گا۔ پھر ایسی فانی چیز پر خوش ہونا نادانی ہے۔

بخل اور حبِّ مال

بخل اور حبِّ مال کی حقیقت:

سوال: بخل اور حبِّ مال کے بارے میں کچھ وضاحت کیجیے۔

جواب: بخل کے معنی کنجوسی کے ہیں مگر ہر بخل اور کنجوسی بری نہیں بلکہ وہ کنجوسی بری ہے جو صدقاتِ

واجبہ و نافلہ و دیگر نیک کاموں میں خرچ کرنے سے رکاوٹ بنے اور اگر رکاوٹ نہ بنے بلکہ برے کاموں میں خرچ کرنے سے رکاوٹ بنے تو وہ بخل محمود ہے۔ بخل ایک بہت بڑا مرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمت میں بخل کرتے ہیں وہ اس کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، بلکہ یہ ان کے لیے نہایت برا ہے۔ کیوں کہ جس میں بخل کریں گے اس کا طوق بنا کر گلے میں ڈالا جائے گا۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

اپنے آپ کو بخل سے بچاؤ کہ اس نے پہلی اُمتوں کو ہلاکت میں ڈال دیا۔

اور چوں کہ بخل مال کی محبّت سے پیدا ہوتا ہے اور مال کی محبّت قلب کو دنیا کی طرف متوجہ کردیتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی محبّت کا تعلّق کمزور ہوجاتا ہے اور بخیل مرتے وقت حسرت بھری نگاہوں سے اپنا جمع کیا ہوا مال دیکھتا اور جبراً و قہراً آخرت کا سفر کرتا ہے۔ اس لیے اس درجہ کی محبّت بھی مذموم ہوئی۔ مال کی محبّت خدا کے ذکر سے غافل بنادیتی ہے۔ یہ مال مسلمانوں کے لیے بڑا فتنہ ہے۔

بخل اور حبِّ مال سے بچنے کا طریقہ

سوال: ان سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: ان کا علاج اور طریقہ یہ ہے کہ نفس پر جبر کرے اور نیک کاموں میں خرچ کرنے کی بہ تکلّف عادت ڈالے۔ ضرورتوں کے وقت خرچ کرنے کی خوبی کا تصور باندھ کر اتنا زور ڈالے کہ خرچ کرنے کی رغبت ہونے لگے۔

حبِّ دنیا

حبِّ دنیا کی حقیقت:

سوال: حبِّ دنیا کیا ہے؟

جواب: دنیا کے تمام جھگڑوں، بکھیڑوں اور مخلوقات اور موجودہ چیزوں کے ساتھ تعلّق رکھنے کا

نام دنیا کی محبّت ہے۔ البتہ علم ومعرفتِ الٰہی اور نیک کام جن کا ثمرہ مرنے کے بعد ملنے والا ہے ان کا وقوع اگرچہ دنیا میں ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ دنیا سے مستثنیٰ ہے، ان کی محبّت دنیا کی محبّت نہیں بلکہ آخرت کی محبّت ہے۔ اور حبِّ دنیا تمام امراض کی اصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں فرمادیا ہے کہ

حُبُّ الدُّنیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ۔ حبِ دنیا تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

حبِّ دنیا کو دل سے نکالنے کا طریقہ

سوال: اس کو کیسے نکالا جائے؟

جواب: اس کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا کے ختم ہونے کو سوچے کہ ایک نہ ایک دن یہ دنیا ختم ہوجائے گی۔ یہ چیز باقی رہنے والی نہیں ہے اس میں فنا ہی فنا ہے اور جس میں فنا ہی فنا ہے وہ محبّت کرنے کے قابل نہیں۔ موت کو کثرت سے یاد کیا کرے۔ اور مدتوں کے منصوبے نہ سوچے اور نہ سامان کرے۔

تکبّر

تکبّر کی حقیقت:

سوال: تکبّر کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: اپنے آپ کو صفاتِ کمال میں دوسرے سے بڑھ کر سمجھے۔ تکبّر سے اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے یہ بہت بُرا مرض ہے اور تمام امراض کی جڑ ہے۔ تکبّر ہی سے کفر پیدا ہوتا ہے۔ تکبّر ہی سے شیطان گمراہ ہوا۔ اسی لیے حدیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبّر ہوگا وہ جنّت میں نہ جائے گا۔ اور فرمایا کہ کبر سے بچو۔

کبر ہی وہ گناہ ہے جس نے سب سے پہلے شیطان کو تباہ کیا۔

تکبّر کو نکالنے کا طریقہ

سوال: اپنے اندر سے تکبّر کیسے دور کیا جائے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی عظمت کو یاد کرے تا کہ اپنے کمالات ہیچ نظر آئیں، اور جس شخص سے اپنے آپ کو بہتر سمجھتا ہے اس کے ساتھ تواضع اور تعظیم سے پیش آئے۔

عُجب

عُجب کی حقیقت:

سوال: عُجب کے معنی اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: عُجب کے معنی خود پسندی کے ہیں اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے کمال کو اپنی طرف منسوب کرنا اور اس کا خوف نہ ہونا کہ شاید یہ سلب ہو جائے۔ عُجب ایسی بری چیز ہے کہ جس وقت کوئی شخص اپنی نظر میں پسندیدہ ہوتا ہے وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی نظر میں ناپسندیدہ ہوتا ہے۔

عُجب سے بچنے کا طریقہ

سوال: اس کو کیسے دور کیا جائے؟

جواب: اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے کمالات کو عطائے خداوندی سمجھے اور اس کی قدرت کو یاد کر کے ڈرے کہ شاید سلب ہو جائے۔

غصّہ

سوال: غصّے کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: بدلہ لینے کے لیے خونِ قلب کا جوش مارنا غصّہ کہلاتا ہے۔ غصّہ کو ضبط کرنے اور پینے والے کی اللہ تعالیٰ تعریف فرماتے ہیں کہ

غصّہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کی تقصیروں سے درگزر کرنے والے، اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ بڑا پہلوان اور طاقت ور وہ نہیں جو لوگوں کو کشتی میں پچھاڑ دے بلکہ قوی اور پہلوان وہ ہے جو غصّہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ قوی وہ ہے جو غصّہ کا مالک ہو یعنی غصّہ پر غالب ہو۔

غصّہ سے بچنے کا طریقہ

سوال: غصّہ کو اپنے اندر سے کیسے نکالا جائے؟

جواب: یہ یاد کریں کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ پر زیادہ قدرت ہے اور میں بھی اس کی نافرمانی کروں اگر وہ مجھ سے یہی معاملہ کریں تو کیا ہو، اور یہ سوچیں کہ بدون ارادۂ خداوندی کے کچھ واقع نہیں ہوتا۔ میں کیا چیز ہوں کہ مشیتِ الٰہی سے مقابلہ کروں۔

غیبت

غیبت کی حقیقت:

سوال: غیبت کسے کہتے ہیں؟

جواب: کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی ایسی بات کہنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار ہو۔ اگر چہ وہ بات اس کے اندر موجود ہی ہو۔ اور اگر وہ بات اس میں نہیں تو وہ بہتان ہے، جو کہ غیبت سے بڑھ کر ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

غیبت زنا سے سخت تر ہے۔ کیوں کہ غیبت جاہی ہے، یعنی حبِّ جاہ سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے بعد ندامت نہیں ہوتی بلکہ فخر کرتا ہے، اور زنا پر ندامت ہوتی ہے اس پر کوئی فخر نہیں کرتا۔ اس لیے غیبت زنا سے بدتر ہوتی ہے۔

غیبت سے بچنے کا طریقہ

سوال: غیبت سے کیسے بچا جائے؟

جواب: بات کرنے سے قبل تھوڑی دیر تأمل کرے اور سوچے کہ اس بات سے اللہ تعالیٰ جو سمیع وبصیر ہے ناخوش تو نہ ہوں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی بات گناہ کی منہ سے نہ نکلے گی۔

حسد

حسد کی حقیقت:

سوال: حسد کسے کہتے ہیں؟

جواب: کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گزرنا اور یہ آرزو کرنا کہ یہ اچھی حالت اس کی زائل ہو جائے، یہ حسد ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

''حسد نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے کہ جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو جلا دیتی ہے''۔

حسد قلبی مرض ہے، اس میں دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی۔

حسد سے بچنے کا طریقہ

سوال: حسد سے کیسے محفوظ رہا جائے؟

جواب: جس سے حسد ہو اس کی خوب تعریف کیا کرو، اور اس کے ساتھ خوب احسان و سلوک و تواضع سے پیش آؤ، ان شاء اللہ تعالیٰ حسد دور ہو جائے گا۔

کینہ

کینہ کی حقیقت:

سوال: کینہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: کینہ اسے کہتے ہیں کہ جب غصّہ میں بدلہ لینے کی قوت نہیں ہوتی اس کے ضبط کرنے سے اس شخص کے دل پر ایک قسم کی گرانی ہوتی ہے، یہ کینہ ہے اور کینہ صرف عیب نہیں بلکہ بہت سے گناہوں کا بیج ہے، کینہ کے متعلق حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

''کینہ پرور بخشا نہیں جائے گا''۔

اور نیز فرمایا کہ

ان دو آدمیوں کی بخشش نہیں ہوگی جن کے درمیان عداوت و کینہ ہو۔

یہاں پر عداوت سے مراد وہ اُمور ہیں جو ناحق ہوں۔

کینہ سے بچنے کا طریقہ

سوال: اسے کیسے دور کیا جائے؟

جواب: اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص سے کینہ ہو اس کا قصور معاف کر دینا اور اس سے میل جول شروع کر دینا گو تکلف ہی سے ہو، اس طریقے سے کینہ دور ہو جائے گا۔

سوال: اپنے اندر اخلاقِ حسنہ پیدا کرنے اور اخلاقِ رذیلہ سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: یوں تو کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے جیسا کہ اس کتاب میں بھی اخلاقِ حسنہ پیدا کرنے اور اخلاقِ رذیلہ سے بچنے کا طریقہ لکھا گیا ہے مگر عادت اللہ یہی ہے کہ یہ چیزیں بغیر استاد کے حاصل نہیں ہوتیں۔ اور یہاں استاد سے مراد مصلح اور شیخ ہے کہ جب تک اپنے آپ کو کسی مصلح اور شیخ کے سپرد نہیں کرے گا اس وقت تک ان کمالات کا حاصل ہونا بظاہر ناممکن ہے۔ مصلح اور شیخ کی پہچان آگے آرہی ہے۔

ولایت کا بیان

ولی کی تعریف:

سوال: ولی کسے کہتے ہیں؟

جواب: جس نے ایمان کی حالت میں حضور ﷺ کو دیکھا اور ایمان پر خاتمہ ہوا وہ صحابی ہے۔ اور ہر صحابی ولی بھی ہوتا ہے، کیوں کہ ولی اسے کہتے ہیں کہ جو خدا تعالیٰ اور حضرت محمد ﷺ کے حکموں کی پوری پوری تابع داری کرے۔ اور کثرت سے عبادت کرے اور ہر قسم کے گناہ سے بچے۔

دنیا کی محبّت، مال کی محبّت، حرص، طمع، کبر، جاہ، عجب، بخل، حسد، ریا، غصّہ، کینہ، لمبی لمبی آرزوئیں، ناشکری، بے صبری، غیبت اور چغلی سے نفس پاک ہو۔ اور توحید، اخلاص، شکر، صبر، قناعت، حلم، یقین، صدق وتسلیم و رضا، تفویض، توکل، محبّتِ الٰہی اور خوفِ الٰہی سے قلب معمور ومزین ہو، یادِ الٰہی قلب میں جمی ہوئی ہو۔ ماسوی اللہ سے قلب منقطع ہو، اگرچہ ظاہراً بادشاہِ وقت ہو اور یہ باتیں ہر صحابی میں ہوتی تھیں۔ لہٰذا ہر صحابی ولی

ہوتا ہے۔ اس سے آپ کو ولی کی تعریف و پہچان کے ساتھ ہر صحابی کا ولی ہونا بھی معلوم ہوگیا ہوگا۔ البتہ کوئی صحابی یا ولی نبی کے برابر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اور نہ کوئی بڑے سے بڑا ولی چھوٹے سے چھوٹے صحابی کے رتبے کو پہنچ سکتا ہے۔

اور اس سے یہ بھی سمجھ گئے ہوگے کہ شریعت کے خلاف کرنے والا ہرگز ولی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا جو شخص عقل و ہوش وحواس رکھنے والا نماز نہ پڑھے اور ڈاڑھی منڈائے اسے ہرگز ولی نہ سمجھنا چاہیے اگرچہ وہ کیسا ہی عجیب وغریب کام دکھائے۔ حتیٰ کہ ہوا میں اڑ کر اور دریا میں چل کر دکھادے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ترجمہ: جس نے پیغمبر کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ ہرگز منزلِ مقصود کو نہیں پہنچ سکتا۔

شیخ و مربی کی ضرورت

سوال: شیخ اور مربی کسے کہتے ہیں اور اس کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: جب آپ کو اخلاقِ حسنہ اور اخلاقِ رذیلہ کا علم ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اخلاقِ حسنہ کے پیدا کرنے کا اور اخلاقِ رذیلہ کے دور کرنے کا حکم ہے، اور اخلاقِ رذیلہ مثل امراضِ ظاہرہ کے ہیں تو جیسے امراضِ ظاہرہ کے علاج کے لیے عقلاً ونقلاً طبیب وڈاکٹر کی ضرورت ہے کہ اس کو نبض دکھائے بغیر اور اس سے علاج کرائے بغیر ظاہری امراض دور نہیں ہوسکتے اور صحت نہیں ہوسکتی اور محض کتابوں سے از خود نسخے تجویز کرکے اور ان کے استعمال سے فائدہ نہیں ہوسکتا، ٹھیک اسی طرح امراضِ باطنی کا حال ہے کہ روحانی طبیب اور ڈاکٹر سے مشورے اور ان سے علاج کرائے بغیر فائدہ نہیں ہوسکتا۔ امراضِ جسمانی کے معالج کو حکیم اور ڈاکٹر کہا جاتا ہے اور امراضِ روحانی وباطنی کے معالج کو شیخ، مربی اور مصلح کہا جاتا ہے۔

دین کے مسائل بقدرِ ضرورت معلوم کرنے کے بعد طالب کا دوسرا کام اور دوسرا قدم یہ ہونا چاہیے کہ اپنے امراضِ روحانی اور باطنی کے اُمور پر رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اپنی مناسبت اور طبعی جوڑ کے لحاظ سے کسی اثر والے صاحبِ نسبت، صاحبِ ارشاد اور اس فن کے جاننے والے کا انتخاب کرے اور اس سے علاج و رہنمائی کی درخواست کرے۔ اسی کا نام ارادت ہے اور یہی مقصد بیعت کا ہے۔

شیخِ کامل کی پہچان

سوال: آپ کے بیان سے اتنا تو معلوم ہوگیا کہ شیخ اور مُربّی کی ضرورت ہے، مگر اتنا اور بتا دیجیے کہ شیخِ کامل اور مُربّی کی پہچان کیا ہے تاکہ کسی غلط آدمی کے پھندے میں نہ پھنس جائیں؟

جواب: شیخِ کامل کی پہچان یہ ہے کہ شریعت کا علم بقدرِ ضرورت ہو، حرص وطمع نہ ہو، کسی شیخِ کامل سے اجازت یافتہ ہو اور اس کی صحبت میں کچھ دن رہا ہو۔ ذاکر و شاغل ہو، متّقی ہو، یعنی عقائد و اعمال و عبادات شریعت کے مطابق ہوں۔ مریدوں کو دل سے تعلیم کرتا ہو اور چاہتا ہو کہ درست ہو جائیں، بدعات و رسومات سے بچتا ہو، مشتبہ مال سے پرہیز کرتا ہو۔ اس کے زمانے کے عُلما، صُلحا، منصف مزاج، سمجھ دار، دین دار حضرات اس کے معتقد ہوں، کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو، اس کی صحبت میں بیٹھنے سے دنیا سے بے رغبتی ہو اور آخرت کی طرف توجہ ہو۔ اس کے اکثر مریدوں کا حال شریعت کے مطابق ہو۔ اپنے مریدوں کو ان کے حال پر نہ چھوڑتا ہو بلکہ روک ٹوک کرتا رہتا ہو۔ جس میں یہ باتیں ہوں وہ شیخِ کامل اور مُربّی ہے۔ کشف و کرامت کو بزرگی اور شیخ ہونے میں کوئی دخل نہیں۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

کرامت کا بیان

سوال: کرامت کیا چیز ہے؟

جواب: جس طرح خلافِ عادت بدوں کسی سبب کے نبیوں سے باتیں ظاہر ہوتی ہیں جس کو

معجزہ کہتے ہیں، ایسے ہی متبعِ رسول پابندِ شریعت سے بھی کبھی خلافِ عادت بدوں سبب باتیں ظاہر ہوجاتی ہیں۔ اس کو کرامت کہتے ہیں۔ مگر معجزہ کا نبی سے ظاہر ہونا لازمی ہے اور کرامت کا ولی سے ظاہر ہونا لازمی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی ولی سے تمام عمر کوئی کرامت ظاہر نہ ہو۔ اور جو لوگ متبعِ شریعت نہ ہوں ان سے بظاہر خلافِ عادت کوئی بات ظاہر ہو اسے استدراج کہتے ہیں، شیطانی دھوکا ہے۔ اور ایسا ہی شخص اگر کسی آئندہ بات کی خبر دے اسے کہانت کہتے ہیں۔ وہ بھی شیطانی دھوکا ہے۔ ایسے لوگوں سے دور رہنا چاہیے۔

سیاست کا بیان

دین کا چھٹا شعبہ سیاست ہے۔ مسلمان جس طرح عقائد و عبادات، معاملات و معاشرت و اخلاق میں دین کی پیروی اور نصرت اور اس کے تمام شعبوں میں اللہ اور اس کے احکام اور اس کی ہدایات پر چلنے کا مکلّف ہے ٹھیک اسی طرح وہ سیاست و حکومت میں بھی اسلام کے ان اصولوں اور احکام کا پابند ہے جو اسلام نے اس شعبہ کے متعلق دیے ہیں۔ سیاست و حکومت ایک حیثیت سے انسانی زندگی کا اہم ترین شعبہ ہے، دنیا کے صلاح و فساد پر سب سے زیادہ اثر اسی کے صلاح و فساد کا پڑتا ہے۔ اس لیے یہ ممکن نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت اور رہنمائی سے اس اہم شعبہ کو بالکل خارج فرما دیتے، اور اس کے بندے بالکل آزاد ہوجاتے کہ سیاست و حکومت کی گاڑی کو وہ جس طرح چاہیں چلائیں، نہیں نہیں! بلکہ وہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح سیاست و حکومت کے بارے میں بھی اسلام کی خاص ہدایات اور منضبط اصول و احکام کے پابند ہیں آزاد نہیں ہیں۔ مثلاً: اسلام میں حکومت شخصی ہے یا جمہوری، امیر و خلیفہ کیسے منتخب ہو، اسلام میں مجلسِ شوریٰ کی کیا حیثیت ہے، اسلام کا حکومتی منشور کیسا ہو، اس میں حکومت کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں، قانون کیسا ہونا چاہیے، اسلامی حکومت میں عہدوں کے طالبوں اور خواہش مندوں کو عہدے دیے جانے چاہییں یا نہیں، اسلامی حکومت کے عہدے داروں کی معاشرت کا معیار بلند ہو یا سادہ، جو غیر مسلم اسلامی حکومت میں رہ رہے ہیں ان کے ساتھ معاملہ اور برتاؤ کیسا ہونا چاہیے، اسلامی حکومت میں حاکم کے کیا کیا فرائض ہیں،

وغیرہ وغیرہ، ان تمام مسائل میں اسلام رہنمائی کرتا ہے۔
تفصیلات کے لیے ان کتابوں کو دیکھا جائے جو خاص اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔[1]

نصائحِ متفرقہ

دوازدہ کلمات

امیر المؤمنین یعسوب الدین امام المشارق والمغارب حضرت علی رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے خدا تعالیٰ کی کتاب ''توریت شریف'' سے بارہ کلمات منتخب کیے ہیں اور ہر روز میں ان میں تین بار غور کرتا ہوں اور وہ کلمات حسبِ ذیل ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو ہر کسی شیطان اور حاکم سے نہ ڈر جب تک کہ میری بادشاہت باقی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو کھانے پینے کی فکر نہ کر جب تک کہ تو میرے خزانے کو پاتا ہے اور میرا خزانہ ہرگز خالی اور ختم نہ ہوگا۔

☆ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! جب تو کسی امر میں عاجز ہو جائے تو مجھے پکار تو البتہ مجھے پائے گا، اس لیے کہ تمام چیزوں کا دینے والا اور نیکیوں کا دینے والا میں ہوں۔

☆ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تحقیق میں تجھ کو دوست رکھتا ہوں پس تو بھی میرا ہی ہو جا اور مجھ کو ہی دوست رکھ۔

☆ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو مجھ سے بے خوف نہ ہو جب تک کہ تو پلِ صراط سے نہ گزر جائے۔

☆ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! میں نے تجھ کو خاک، نطفہ، علقہ، مضغہ سے پیدا کیا۔ اور بہ کمال قدرت پیدا کرنے میں عاجز نہیں ہوا تو پھر تجھے دو روٹی دینے میں کس طرح عاجز ہوں، پس تو دوسرے سے کیوں مانگتا ہے؟

☆ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! میں نے تمام چیزیں تیرے لیے پیدا کی ہیں اور تجھ

[1] مثلاً: اسلام کا نظامِ حکومت، از مولانا حامد انصاری صاحب مدظلہ۔

کو اپنی عبادت کے لیے، لیکن تو اس چیز میں پھنس گیا جو تیرے ہی لیے پیدا کی تھی اور غیر کی وجہ سے مجھ سے دوری اختیار کرلی۔

☆ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو خواہشاتِ نفسانی کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہوجاتا ہے اور کبھی میری وجہ سے اپنے نفس پر ناراض نہیں ہوتا۔

☆ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تجھ پر میری عبادت ضروری ہے اور مجھ پر تجھے روزی دینا، مگر تو اپنے فریضے میں اکثر کوتاہی کرتا ہے اور میں تجھے روزی دینے میں کبھی کمی نہیں کرتا۔

☆ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو آیندہ کی روزی بھی آج ہی طلب کرتا ہے اور میں تجھ سے آیندہ کی عبادت نہیں چاہتا۔

☆ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! جو کچھ میں نے تجھ کو دے دیا ہے اگر تو اس پر راضی ہوجائے تو ہمیشہ آرام وراحت میں رہے گا۔

☆ اور اگر تو اس پر راضی نہ ہوا تو میں تجھ پر دنیا کی حرص مسلّط کردوں گا کہ وہ تجھ کو در بدر پھرائے، کتے کی طرح دروازوں پر ذلیل کرائے اور پھر بھی تو شے مقدر کے علاوہ کچھ نہ پائے گا۔

تعلیماتِ اسلام

جدید

(حصّہ چہارم)

تالیف

مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمّد مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ

مکتبۃ البشریٰ
شعبہ نشرواشاعت
چودھری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرتِ طیبہ

ولادتِ شریفہ ﷺ

سوال: پیغمبرِ اسلام کس سال پیدا ہوئے؟

جواب: عالمِ ارواح میں تو آپ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوچکے تھے، آپ فرماتے ہیں: كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ یعنی ''میں پیدا ہوچکا تھا اور آدم (علیہ السلام) پانی اور مٹی کے درمیان تھے''، یعنی گارا بنے ہوئے تھے۔ اور دنیا میں اس سال پیدا ہوئے کہ جس سال ابرہہ بادشاہ نے خانۂ کعبہ پر چڑھائی کی تھی اور ابابیل پرندوں نے اس کو اور اس کے تمام لشکر کو کنکریوں سے مار ڈالا تھا۔ اس وقت ۵۷۱ء تھا، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے پانچ سو اکہتر سال بعد پیدا ہوئے۔

سوال: آپ کی ولادت کے وقت کوئی خاص بات پیش آئی تھی؟

جواب: تمام بت اوندھے منہ گر گئے۔ فارس کی آگ جو ایک ہزار سال سے بھڑک رہی تھی، خود بہ خود بجھ گئی۔ کسریٰ کے سر سے تاج گر گیا۔ خانۂ کعبہ اس قدر جھک گیا تھا کہ سجدے کے قریب ہوگیا تھا۔ کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے اور مولد شریف منور اور روشن ہوگیا۔

سوال: آپ آدم علیہ السلام کے کتنے سال بعد پیدا ہوئے؟

جواب: چھ ہزار ایک سو پچپن سال بعد پیدا ہوئے۔

سوال: کس عمر میں نبوت عطا ہوئی؟

جواب: چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔

سوال: کیا نبی ہونے سے پہلے آپ کے نبی ہونے کی کسی نے پیشین گوئی کی تھی؟

جواب: ملکِ شام کے عُلما کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا کہ جب نبی آخر الزماں پیدا ہوں گے تو

یحییٰ علیہ السلام کے جبہ شریف سے خون کے تازہ ترین قطرے ٹپکیں گے، چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سات سال کا تھا میں نے دیکھا کہ ایک یہودی مدینہ کی گلیوں میں پکارتا پھرتا تھا کہ اے یہود کے گروہ! آج رات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے طلوع کیا ہے۔ تیرہ سال کی عمر میں آپ نے ابوطالب کے ہمراہ ملکِ شام کا سفر کیا تو راستے میں بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی، اس نے دیکھا کہ آپ پر ابر سایہ کیے ہوئے ہے، درختوں کی ٹہنیاں جھکی پڑتی ہیں، اس نے آپ کو اپنی گود میں لے لیا اور مہرِ نبوت دیکھی، اس نے کہا: یہ نبی آخر الزمان ہیں۔ دوسری مرتبہ ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے تجارت کے لیے پھر ملکِ شام تشریف لے گئے تو نسطورا راہب سے ملاقات ہوئی، اس نے بھی آپ کے نبی آخر الزمان ہونے کی خبر دی۔

سوال: پیغمبرِ اسلام کا نسب نامہ کیا ہے؟

جواب: محمد، بن عبداللہ، بن عبدالمطلب، بن ہاشم، بن عبدمناف، بن قُصیٰ، بن کِلاب، بن مُرّہ، بن کعب، بن لُوئی، بن غالب، بن فہر، بن مالک، بن نضر، بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مدرکہ، بن الیاس، بن مضر، بن نزار، بن معد، بن عدنان، بن ادّ، بن ہُمیسع، بن سلامان، بن نبت، بن حمل، بن قیدار، بن اسماعیل، بن ابراہیم، بن آذر، بن ناحور، بن ساروغ، بن ارغو، بن فالغ، بن عابر، بن شالخ، بن ارفخشذ، بن سام، بن نوح، بن لامک، بن متوشلح، بن اخنوخ، بن بیارد، بن مہلائیل، بن قینان، بن انوش، بن شیث، بن آدم علیہ السلام۔ اور آدم علیہ السلام کے بارہ لڑکے ہوئے تھے اور بارہ لڑکیاں ہوئی تھیں۔

سوال: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس ملک کے رہنے والے تھے؟

جواب: ملکِ عرب میں مکّہ معظمہ کے رہنے والے تھے۔ وہیں سے اسلام نکل کر تمام دنیا میں پھیلا۔

سوال: عرب دنیا کے کس حصے میں واقع ہے؟

جواب: عرب دنیا کے وسط میں واقع ہے اور دنیا کے سب سے بڑے حصے ایشیا میں واقع ہے۔

سوال: ملکِ عرب کو ایشیا کے دوسرے ملکوں سے کس طرح پہچانا جا سکتا ہے؟

جواب: حدودِ اربعہ کے ذریعہ سے، کسی ملک کے چاروں سمتوں کی جانب جہاں جہاں انتہا ہوتی ہے اس کو حدودِ اربعہ کہتے ہیں۔

سوال: ملکِ عرب کا حدودِ اربعہ کیا ہے؟

جواب: شمال میں اُردن و عراق، جنوب میں یمن، مشرق میں متّحدہ عرب امارات، مغرب میں بحرِ احمر۔

سوال: عرب کا طول و عرض کیا ہے؟

جواب: طول پندرہ سو میل اور عرض چھ سو میل اور رقبہ نو (۹) لاکھ مربع میل ہے۔

سوال: خصوصیاتِ عرب کیا ہیں؟

جواب: اس جگہ سب سے بڑا پہاڑ جبلِ سرات ہے جو یمن سے شمال کی جانب دمشق تک چلا گیا ہے، اس کے ریگستانی علاقے میں سونے اور چاندی کی چٹانیں ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی خصوصیات ہیں۔

سوال: مہرِ نبوت کیا چیز ہے؟

جواب: جنّت کے دربان رضوان نے آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر لگائی تھی اس کو مہرِ نبوت کہتے ہیں۔

سوال: پیغمبرِ اسلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں اور کلام بھی کیا ہے یا نہیں؟

جواب: دنیا کے اندر ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ آپ نے بھی نہیں دیکھا، البتہ آپ کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اخیر رات میں اس جسمِ عنصری کے ساتھ جاگتے میں مکّہ معظّمہ سے بیت المقدّس جو کہ ملکِ اردن میں ہے، اور پھر بیت المقدّس سے آسمان پر پہنچایا، اور وہاں تمام آسمانوں اور جنّت و دوزخ وغیرہ کی سیر کرائی جس کو معراج کہتے ہیں، وہاں پر آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا بھی ہے اور اللہ تعالیٰ سے کلام بھی کیا ہے۔

شقِ صدر

سوال: سنا ہے کہ حضور ﷺ کا سینہ مبارک اس عالمِ دنیا میں بذریعۂ فرشتہ چاک کیا گیا، یہ واقعہ کس طرح ہے، ذرا بیان فرمادیں شکرگزار رہوں گا۔

جواب: عزیزمن! شق کہتے ہیں کسی چیز کے چاک کرنے کو، اور شرحِ صدر کہتے ہیں سینہ کے کھولنے کو اور یہ اس شئے کے صاف اور عمدہ کرنے کو مستلزم ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کی چار حالتیں تھیں: اوّل بچپن، دوسرے شباب، تیسرے قربِ نبوت ونزولِ وحی، اور چوتھے معراج کا زمانہ۔ یہ چاروں زمانے مختلف حالات اور قوتِ خصوصیہ کو متقاضی ہیں، چناں چہ بچپن کا زمانہ لہو ولعب کی رغبت اور شوق کی حالت کا زمانہ ہے، اور شباب میں قوتِ غضبیہ وشہویہ کے غلبات ہوتے ہیں، اور زمانۂ نبوت ونزولِ وحی ایک خاص قوت کو متقاضی ہے کہ یہ بار تمام باروں میں سخت بار ہے اور معراج کی حالت ایک نمایاں حالتِ عجیبہ ہے جو خاص الخاص اور خصوصی قوت کو متقاضی ہے، پس ہر زمانہ اور حال کے اعتبار سے جِلا وقوت کے لیے شقِ صدر وشرحِ صدر فرمایا گیا۔ جس کی کیفیت بالتفصیل چاروں زمانوں کے لحاظ سے یہ ہے:

پہلی مرتبہ: جس وقت کہ آپ کی ولادت شریفہ ہوگئی تو عرب کے دستور کے موافق کہ بچوں کو پرورش کے لیے دائیوں کے سپرد کردیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کو بھی اس دستور کے مطابق کسی دائی کے سپرد کرنا تھا، اتفاقِ وقت کہ اس سال جو دائیاں قبیلہ بنی سعد کی آئیں وہ رئیسوں، امیروں اور سرداروں کے بچے تو لے گئیں، مگر آپ کی یتیمی کے سبب کسی نے نہ لیا۔ بالآخر ایک عورت جس کا نام حلیمہ سعدیہ تھا اور یہ بھی ان ہی عورتوں کے ساتھ آئی تھیں، ان کو کوئی بچہ نہ ملا تو یہ خیال کرتے ہوئے کہ خالی ہاتھ جانا تو اچھا نہیں کہ بڑی غیرت اور شرمندگی کی بات ہے، چارو ناچار آں حضرت ﷺ کی پرورش کرنے کی دل میں ٹھانی اور آپ کو ہمراہ لے کر روانہ ہوگئیں۔

حضرت حلیمہ دائی جس اونٹنی پر سوار ہو کر مکّہ آئی تھیں، وہ نہایت کمزور، دبلی اور سست رفتار تھی، مگر جونہی آپ کو گود میں لے کر اس پر سوار ہوئیں تو وہ دبلی اونٹنی قوی ہوگئی، اور سست

رفتار تیز اور سبقت لے جانے والی ہوگئی۔ یہاں تک کہ ان تمام دائیوں کی اونٹنیوں سے جو بہت پہلے روانہ ہوئی تھیں سب سے آگے نکل گئی۔ یہ دیکھ کر سب کو نہایت تعجب ہوا۔ جب حلیمہ بی بی رضی اللہ عنہا اپنے وطن جو کہ نواحِ طائف میں تھا، پہنچیں تو دیکھا کہ اپنی وہ تمام بکریاں جو دبلی اور بے دودھ تھیں، سب موٹی تازہ اور دودھ دینے والی ہوگئیں۔ ان سب باتوں سے حلیمہ دائی کو یقین ہوگیا کہ یہ سب ان صاحب زادے کے قدموں کی برکت ہے۔ پس پھر تو نہایت ہی شفقت و پیار سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کرنے لگیں، یہاں تک کہ آپ کی عمر مبارک جب چار برس کی ہوگئی تو ایک دن آپ حلیمہ دائی کے بیٹوں کے ساتھ بکریاں چَرانے تشریف لے گئے تھے، اتفاقاً حلیمہ دائی کے لڑکے آپ کو جنگل میں بکریوں کے پاس چھوڑ کر اپنی ماں کے پاس کھانا لینے کو گئے ہوئے تھے۔ آپ بکریوں کے پاس کھڑے ہوئے تھے کہ اچانک دو فرشتے دو پرند کی شکل میں نمودار ہوئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ ہیں وہ شخص؟ دوسرے نے کہا کہ ہاں! یہی وہ شخص ہیں، یہ کہہ کر دونوں آپ کی طرف متوجہ ہوگئے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے خوف معلوم ہوا اور آپ وہاں سے بھاگے۔ مگر ان دونوں نے آپ کو پکڑ لیا اور آپ کو زمین پر چت لٹا دیا اور اپنی چونچ سے آپ کے سینہ مبارک کو چاک کیا اور سینہ کے اندر سے دل کو بھی چاک کیا اور اس دل کے اندر سے ایک پُھٹکی جمی ہوئی سیاہ خون کی نکال کر پھینک دی اور کہا کہ یہ خون جما ہوا شیطان کا حصہ ہوتا ہے، اس کے بعد ایک نے دوسرے سے کہا کہ برف کا پانی لاؤ، پھر اس سے آپ کا سینہ مبارک دھویا گیا، پھر اولے کا پانی منگوا کر آپ کے دل کو دھویا گیا، پھر سکینہ منگوایا جو کہ ایک قسم کا ذرور یعنی چھڑکنے کی قسم سے ایک چیز تھی، اس کو آپ کے قلب مبارک پر چھڑکا۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ اب سی دو، پس پھر سی دیا گیا، اور نبوت کی مہر لگا دی، پھر سینہ مبارک کو بھی سی دیا۔

جب وہ لڑکے کھانا لے کر واپس آئے تو آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ زرد اور گھبرائے ہوئے دیکھ کر اپنی ماں سے آکر حال کہہ دیا۔ حلیمہ گھبرائی ہوئی مع اپنے خاوند کے آپ کے پاس آئیں اور تسلی دی۔ شفقت سے گود میں بٹھایا، اور اپنے ساتھ لے گئیں۔ سب حال جو کچھ گزرا تھا آپ نے بیان فرما دیا۔ اس دن سے بی بی حلیمہ خاص حفاظت و نگہبانی رکھنے لگیں،

آیندہ گھر سے باہر نہ جانے دیتیں، یہاں تک کہ ان کے خاوند نے کہا کہ اس بچے کے عجیب و غریب قصّے ہیں، کہیں کوئی اذیت بچے کو نہ پہنچ جائے، ان کو ان کے گھر ان کے دادا عبدالمطلب کے پاس پہنچا دیں۔ چناں چہ آپ کو دادا کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اس شرحِ صدر سے طفولیت کے کھیل کود کی رغبت وشوق وغیرہ نکل گیا۔ آپ کا اُٹھنا بیٹھنا ایک انداز اور تمکین و وقار کے ساتھ ہوتا تھا۔

دوسری مرتبہ کا بیان: یہ ہے کہ جب آپ دس برس کے ہوئے تو ایک دن آپ ایک جنگل میں تھے۔ وہاں دو آدمیوں کو دیکھا، آپ فرماتے ہیں کہ

ایسے نورانی چہرے والے کبھی نہ دیکھے تھے، اور ایسی خوش بو ان سے آتی تھی کہ کسی عطر وغیرہ میں نہ سونگھی تھی، اور ان کے کپڑے ایسے برّاق نفیس اور صاف تھے کہ ایسا کپڑا آج تک میری نظر سے نہیں گزرا، اور وہ دونوں شخص جبرائیل و میکائیل علیہما السلام تھے۔ ان دونوں نے میرے بازو ایسے آہستہ اور نرمی سے پکڑے کہ مجھے ذرا بھی تکلیف محسوس نہیں ہوئی، مجھ کو چت لٹایا کہ کوئی جوڑ بے کل نہ ہوا، اور پھر انھوں نے میرا پیٹ چاک کیا اور اس وقت نہ کوئی درد ہوا اور نہ ہی خون نکلا۔ ایک ان میں سے سونے کی طشت میں پانی لاتا اور دوسرا اندر سے پیٹ دھوتا تھا، پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ ان کے دل کو چاک کر کے کینہ و بدخواہی کو ان سے دور کردو۔ چناں چہ دل چیرا اور ایک پُھٹکی خون کی نکال کر پھینک دی اور شفقت و مہربانی کو دل میں ڈالا گیا۔ جو کہ ایک چیز چاندی کے تل کی طرح تھی۔ پھر ذرور چھڑک دیا، پھر انگوٹھا پکڑ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: جاؤ! ہمیشہ خوش رہو۔ اس مرتبہ کا شرحِ صدر قوتِ غضبیہ اور شہویہ اور لوازماتِ شباب سے گریز ونفور ہونے کے لیے ہوا۔

تیسری مرتبہ کا بیان: یہ ہے کہ جب نبی ہونے کا زمانہ قریب ہوا اور وحی کے نازل ہونے کا وقت نزدیک آیا تو قوتِ قلب اور سہارِ وحی اور جِلا کے لیے صدر مبارک چاک کیا گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ کے اعتکاف کی نذر مانی تھی اور اس اعتکاف

ہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی شریک ہوئی تھیں، اور وہ مہینہ اتفاق سے رمضان المبارک کا تھا اور وہ دونوں ایک غار میں اعتکاف کی نیت سے بیٹھے۔ ایک دن اسی غار میں سے وقت دیکھنے کے لیے غار کے کنارے پر تشریف لائے کہ یکا یک السلام علیکم کی آواز آئی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے خیال کیا کہ یہ آواز جنوں کی جھپٹ کی سی ہے اور اس مکان میں ان کا گذر ہوا ہے، میں یہ سمجھ کر دوڑا اور غار میں پہنچا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو باخبر کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ خوش خبری کی آواز ہے، کیوں کہ ''سلام علیک'' کا لفظ امن وانسیت کا نشان وعلامت ہے، اس آواز سے نہ ڈریے۔ پھر آپ باہر تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک تخت پر جو مثل آفتاب کے چمک دار ہے، بیٹھے ہیں اور اپنا ایک پر مشرق میں اور دوسرا مغرب میں پھیلایا ہوا ہے۔ میں یہ دیکھ کر پھر ڈرا اور چاہا کہ غار میں گھس جاؤں، لیکن جبرائیل علیہ السلام نے اتنی فرصت نہ دی فوراً غار کے دروازہ پر آ گئے۔ یہاں تک کہ ان کی آواز سے اور ان کو دیکھنے سے میری دہشت جاتی رہی اور انسیت حاصل ہوگئی۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے وعدہ لیا کہ فلاں وقت اکیلے آنا۔ میں وعدے کے موافق آ کر دیر تک کھڑا رہا جب بہت دیر ہوئی تو میں نے ارادہ کیا کہ اب گھر جاؤں کہ یکا یک کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت جبرائیل و میکائیل علیہما السلام دونوں آسمان و زمین کے درمیان بڑی عظمت وشان سے آرہے ہیں۔ آتے ہی مجھے زمین پر چت لٹا دیا اور سینہ کو چاک کر دیا اور میرے دل کو نکال کر سونے کے طشت میں زم زم کے پانی سے دھویا اور کوئی چیز اس سے نکال دی، لیکن مجھے کچھ بھی تکلیف معلوم نہ ہوئی، پھر دل کو اپنی جگہ پر رکھ کر درست کر دیا اور پھر دونوں نے مجھے ہاتھ پاؤں پکڑ کر اُلٹا کیا اور ایک مہر میری پشت پر ثبت کر دی۔ یہاں تک کہ اس مہر کرنے کا صدمہ میں نے اپنے دل پر پایا۔

چوتھی مرتبہ: معراج کی رات کو شرحِ صدر ہوا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کا قلب مبارک عالم ملکوت اور عالمِ ارواح کی سیر کے قابل ہو جائے اور ان تجلیات کی روشنی اور چمکتے ہوئے انوار کو دیکھنے کی طاقت پیدا کر سکے کہ جن کے دیکھنے سے دل میں وحشت آ جاتی ہے۔ پس یہ چار مرتبہ شرحِ صدر اس ہیئت سے واقع ہوا جس سے سینہ مبارک کا اس قدر کھلنا اور کشادہ ہونا

معلوم ہوا کہ بے انتہا کمالوں کی گنجایش اس میں ہو سکے۔ اسی کی طرف سورۂ الم نشرح میں بیان فرمایا ہے کہ جس میں نفی کے ساتھ استفہامِ انکاری ہے، جو ثبوت پر دلالت کرنے والا ہے۔ فرمایا: ﴿اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۝﴾ یعنی ’’ہم نے کیا آپ کے سینہ کو نہیں کھولا‘‘؟۔ یعنی ہم نے آپ کے سینہ کو کھولا ہے۔ پس یہ ہے شرحِ صدر وشقِ صدر کی کیفیت جو کہ عزیزِ من! آپ کو بتلائی گئی ہے۔ اُمید ہے کہ آپ اسے یاد کرلیں گے۔

نکاح کا بیان

سوال: آپ نے کتنی شادیاں کیں اور ازواجِ مطہرات کے کیا نام ہیں؟

جواب: آپ نے گیارہ نکاح کیے، دو آپ کے سامنے ہی انتقال کر گئیں، ایک تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور دوسری حضرت زینب رضی اللہ عنہا، اور نو ازواجِ مطہرات آپ کے انتقال کے وقت موجود تھیں۔ اور ان گیارہ ازواجِ مطہرات کے نام یہ ہیں:

حضرت خدیجہ، حضرت زینب بنتِ خزیمہ، حضرت سودہ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت اُمِّ سلمہ، حضرت زینب بنتِ جحش، حضرت اُمِّ حبیبہ، حضرت جویریہ، حضرت میمونہ اور حضرت صفیّہ رضی اللہ عنہن۔

سوال: پہلا نکاح کس سے اور کس عمر میں ہوا؟

جواب: پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا اور ان کی عمر اس وقت چالیس برس کی تھی اور بیوہ تھیں۔ باقی ان کے بعد دس نکاح اور ہوئے اور بیک وقت نو بیویاں آپ کے عقد میں رہیں۔ جن کا انتقال آپ کی وفات کے بعد ہوا۔

تعددِ ازواج پر شبہات کا رد

سوال: بعض مذاہبِ باطلہ آپ کو اس قدر نکاح کرنے پر شہوت رانی کا (العیاذ باللہ) الزام لگاتے ہیں۔ اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: جب ایمان نہیں ہوتا تو منہ سے ایسی بات نکلتی ہے کہ وہ خود اسی پر اس کے اقرار کے موافق داغ ڈالنے والی بن جاتی ہے۔ جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں اس سے تو ان کے

ہی اوتاروں پر اعتراض لازم آتا ہے کہ انھوں نے متعدد بیویاں کر رکھی تھیں۔ دو دو سو، پانچ پانچ سو، ہزار ہزار تھیں۔

چناں چہ سری کرشن جو بڑے معظّم اوتار مانے جاتے ہیں، ان کی سینکڑوں بیویاں تھیں۔

منوجی جو ایک مسلّم پیشوا مانے جاتے ہیں، دھرم شاستر میں لکھتے ہیں:

اگر ایک آدمی کی چار پانچ عورتیں ہوں اور ایک کے اولاد ہو تو باقی بھی صاحبِ اولاد کہلاتی ہیں۔

انبیائے سابقین میں بھی کثرتِ ازواج کا معمول رہا ہے، چناں چہ حضرت داود علیہ السلام کے لیے ننانوے ازواج کا ہونا مشہور ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کثرتِ ازواج کے متعلق بائیبل میں ہے کہ سات سو بیویاں تھیں۔

اسلام سے قبل تمام مذاہب میں متعدد بیویاں رکھنا جائز تھا۔ عرب، ایران، یونان، مصر، آسٹریا، ہندوستان وغیرہ میں ہر قوم کے اندر کثرتِ ازواج مروّج تھا۔

مسٹر دیون پورٹ، پادری فاکس، جان ملٹن، اور آئزک ٹیلر نے پُر زور الفاظ میں اس کی تائید کی ہے، اور انجیل کی متعدد آیات نقل کر کے لکھا ہے کہ تعددِ ازواج صرف پسندیدہ ہی نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ نے اس میں خاص برکت رکھی ہے۔

عیسائیوں کے پادری کثرتِ ازدواج کے عادی تھے۔ سولھویں صدی عیسوی تک جرمنی میں اس کا عام رواج تھا۔

ویدک کی تعلیم غیر محدود تعدادِ ازواج کو جائز بتاتی ہے۔

جہاں تک مذاہب اور ممالک کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کسی مذہب کسی قانون نے اس پر حد نہیں لگائی تھی۔ حتیٰ کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں بھی بعض صحابہ کے نکاح میں چار سے زائد بیویاں تھیں۔

لیکن جب کثرتِ ازواج سے عورتوں کی حق تلفی ہونے لگی تو قرآنِ کریم کا ابدی قانون جو دنیا سے ظلم و جور و جفا مٹانے کے لیے آیا، اس نے ایک حد مقرر کر دی۔

چناں چہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور احکام کا نفاذ ہوا تو بحکمِ قرآنِ کریم

شرع نے ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے تعددِ ازواج کو بالکل منع تو نہ کیا، مگر اس کی خرابیوں کی اصلاح ایک تحدید کے ذریعے کردی کہ اب صرف چار عورتوں تک نکاح کر سکتے ہو اور وہ بھی اس شرط سے کہ تم چاروں کے حقوق برابر ادا کرسکو، اگر اتنی ہمت نہ ہو اور سب کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو تو پھر ایک سے زیادہ رکھنا ظلم ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾[1]

عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کرلو دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے۔ پس اگر تم کو احتمال ہو کہ عدل نہ رکھو گے، تو پھر ایک ہی بیوی پر بس کرو۔

مگر ساتھ ہی اس کے محمد ﷺ کے لیے کچھ خصوصی مصالح چار سے زائد کے متقاضی تھے، اس لیے آپ اس قانون سے مستثنٰی رہے۔ چناں چہ ارشاد ہوا:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾[2]

اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

اس لیے بہ حکمِ خداوندی چار سے زائد کا رکھنا حضور ﷺ کی خصوصیّت ٹھہری۔ آپ کی خانگی زندگی کے حالات جو تمام اُمت کے لیے دین و دنیا کے معاملات میں دستور العمل اور مشعلِ راہ ہیں، صرف ازواجِ مطہرات ہی کے ذریعے ہم تک پہنچ سکتے تھے۔

نیز غور کرنے کی بات ہے کہ جس وقت تمام عرب وعجم آپ کی مخالفت پر کمر بستہ تھا، قتل کے منصوبے بنائے ہوئے تھے، طرح طرح کے عیب لگاتے، بہتان باندھتے (توبہ توبہ) مجنون کہا، کذاب بتایا، ساحر کہہ کر پکارا، غرض سب ہی کچھ کیا مگر خواہشِ نفسانی اور شہوت رانی کا الزام کبھی کسی نے نہ لگایا۔

جناب معترض کو شرم آنی چاہیے کہ نفسانی خواہش کا پورا کرنا کیا اس کو کہتے ہیں کہ زمانۂ شباب کا ایک حصّہ محض تجرد اور خلوت گزینی میں گزارا اور بہ عمر پچیس سال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ان کی درخواست پر جب کہ وہ صاحبِ اولاد ہونے کے ساتھ ساتھ چالیس کی عمر کی تھیں،

[1] النساء: ۳ [2] الأحزاب: ۳۲

عقد کیا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ایک ایک ماہ غارِ حرا میں عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔

نیز بعدِ نبوت خود کفارِ عرب اور خصوص رؤسائے قریش اپنی چیدہ اور منتخب لڑکیاں حسینہ وجمیلہ آپ کے قدموں میں نثار کرنے کے لیے تیار تھے۔ جیسا کہ سب تواریخ اس پر شاہد ہیں، علاوہ ازیں خود مسلمانوں کی جمعیّت اس عرصہ میں لاکھوں کی تعداد تک پہنچ چکی تھی۔ ہر عورت آپ کے عقد میں داخل ہونے کو اپنے لیے باعثِ صد افتخار اور فلاحِ دارین سمجھتی تھی۔

نیز آپ کی قوت اس قدر تھی کہ ایک ہزار عورتیں رکھنے کی طاقت تھی، جیسا کہ کتبِ سیر سے ثابت ہے۔ ان تمام اُمور کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں پچاس سال تک صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جن کی عمر بہ وقتِ نکاح چالیس سال تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد دوسرے عقد ظہور میں آئے اور وہ بھی سب کی سب بیوہ تھیں سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے۔ اور یہ بھی خاص خاص شرعی ضرورتوں کے لحاظ اور منافع کے اعتبار سے، ورنہ وہ احکام جو عورتوں کے ذریعہ سے اُمت کو پہنچ سکتے تھے مخفی رہ جاتے۔

عزیزمن! ان حالات کے پیشِ نظر کوئی سلیم الطّبع صحیح الحواس انسان ایسا ہوگا جو آپ کے اس تعددِ ازواج کو معاذ اللہ! کسی نفسانی خواہش کا نتیجہ بتا سکے، اگر کوئی چمگادڑ جیسی آنکھ آفتابِ نبوت کی عظمت و جلالتِ شان کو بھی نہ دیکھ سکے اور آپ کے اخلاق و اعمال، تقویٰ و طہارت، زہد و ریاضت اور مقدس زندگی کے حالات سے بھی آنکھ چرالے، تو خود ان متعدد نکاحوں کے حالات و واقعات ہی اس معترض کو یہ کہنے پر مجبور کریں گے کہ یہ تعددِ ازواج یقیناً کسی نفسانی خواہش پر مبنی نہ تھا۔

پس کس قدر بے حیائی اور حق کُشی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تعددِ ازواج کو نفسانی خواہش پر محمول کیا جائے۔ اگر باطل پرستی نے عقل و حواس کو اندھا نہ کر دیا ہو تو کوئی کافر بھی ایسا نہیں کہہ سکتا۔ ورنہ تو وہ اسی کا مصداق ہوگا کہ

وہ الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اور

خود بدی کے مرتکب اور تہمتیں ابلیس پر
میری غیرت کو ہے ایسی زندگی سے انحراف

سوال: آپ کے کتنے صاحب زادے اور کتنی صاحب زادیاں تھیں؟

جواب: آپ کے تین صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں تھیں۔ صاحب زادوں کے نام یہ ہیں: حضرت قاسم، حضرت عبداللہ (''زادالمعاد'' میں لکھا ہے کہ طاہر وطیب حضرت عبداللہ کے لقب تھے)۔ حضرت ابراہیم۔ صاحب زادیوں کے نام یہ ہیں: حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت اُمِّ کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن۔

سوال: صاحب زادیاں کن سے پیدا ہوئیں اور صاحب زادے کن سے؟ صاحب زادوں میں سے کوئی زندہ رہا یا نہیں؟

جواب: صاحب زادیاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئیں، اور صاحب زادوں میں سے حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔ اور حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے مدینہ طیّبہ میں پیدا ہوئے اور صغر سنی میں ہی وفات فرما گئے اور بقیع شریف میں مدفون ہوئے۔ حضرت عبداللہ نبوت کے بعد پیدا ہوئے اور مکّہ میں ہی انتقال ہوگیا۔ باقی صاحب زادے نبوت سے پہلے پیدا ہوئے اور نبوت سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔

سوال: صاحب زادیوں کا نکاح کن کن سے ہوا؟

جواب: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے ہوا اور ان سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوئی مگر آگے نسل نہ چلی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ کے ساتھ ہوا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا اور ایک لڑکا پیدا ہوا، چھ سال کا ہو کر انتقال کر گیا۔ حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح پہلے ابولہب کے بیٹے عتیبہ سے ہوا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا، ان سے کچھ اولاد نہ ہوئی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا جن سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ اور آپ قیامت کے دن جنّت میں تمام بیبیوں کی سردار ہوں گی۔ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما سے بہ کثرت اولاد ہوئی، ان حضرات سے جو اولاد ہوئی وہی سادات کہلائے جاتے ہیں۔ اور جو اولاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن کے علاوہ ہیں ان کو علوی کہتے ہیں۔

افضلیتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت پر چند دلائل:

سوال: کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں اور اس پر کیا دلیل ہے؟

جواب: پہلی دلیل: جی ہاں! ہمارے نبی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق حتی کہ انبیا اور ملائکہ سب سے افضل ہیں۔ کیوں کہ یہ ثابت ہے کہ نور مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام موجودات سے پہلے پیدا ہوا اور عبادت آپ کی سب سے زیادہ اور جامع ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے: کُنْتُ نَبِیًّا وَآدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ. کہ ”میں اس وقت نبی تھا جس وقت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں ہی تھے“۔

اور فرمایا کہ أَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ. کہ ”میں سردار ہوں تمام اولادِ آدم کا اور میں اس پر فخر نہیں کرتا“۔

اور فرمایا کہ أَنَا سَیِّدُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ. کہ ”تمام عرب و عجم کا سردار ہوں“۔ اور سردار وہ ہوتا ہے جو اپنی قوم میں سب سے افضل ہو۔

دوسری دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور آسمانوں، زمینوں، عرش و کرسی، لوح و قلم، بہشت، دوزخ اور تمام مخلوق اور تمام انبیا علیہم السلام سے چار ہزار چار سو بیس برس پہلے پیدا ہو گیا تھا۔ اور بارہ ہزار برس تک وہ نور مقدس سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰی وَبِحَمْدِهٖ کہتا رہا۔

تیسری دلیل: تواریخ و سیر عجم و عرب سے ثابت ہے کہ کوئی بھی مثل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عبادت، ہیبت، شجاعت، رفعت و عظمت و منزلت و سعادت، ہدایت و کرامت، شفاعت و منقبت، فضائل و خصائل، معجزات و کمالاتِ ذاتی و صفاتی، علم و حلم، خلق و کرم اور سخاوت میں نہ تھا اور نہ ہوا۔ اور جو ایسا جامع کمالات اور صاحبِ فضل ہو وہ تمام سے ہر حیثیت میں بڑھ چڑھ کر ہوگا، اور یہ کون نہیں جانتا کہ اس کو سب پر فضیلت اور افضلیت حاصل ہوگی۔ بس آپ ان تمام وجوہات کی بنا پر تمام ملائکہ اور نبیوں سے افضل ہوئے۔

چوتھی دلیل: فرمایا اللہ تعالیٰ نے شان میں آں حضرت ﷺ کے: "لَوْ لَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ" یعنی اگر وجود مبارک رسالت مآب ﷺ مقصود و مطلوب حق تعالیٰ کو نہ ہوتا تو موجودات میں سے کوئی بھی وجود میں نہ آتا۔ نہ عرش و فرش، نہ جمادات و نباتات، نہ حیوانات اور نہ انسان، حتیٰ کہ باقی انبیا و رسل بھی وجود میں نہ آتے۔ جیسا کہ اہلِ علم اور اصحابِ تاریخ و سیر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ تو پس جس ہستی کو یہ اقدمیت و فوقیت حاصل ہو حتیٰ کہ جمیع مخلوقات کے وجود کا موقوف علیہ بھی ہو تو پھر اس سے زیادہ کسی دوسرے کو کس طرح فوقیت حاصل ہو سکتی ہے؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ ہمارے پیغمبر احمد مجتبیٰ ﷺ کو سب پر حتیٰ کہ تمام انبیا پر فضیلت حاصل ہے۔ آپ افضل الخلائق والرسل ہیں۔

پانچویں دلیل: اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کی اُمت کو تمام اُمتوں پر افضلیت دی ہے۔ فرمایا کہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ کہ تم بہترین اُمت ہو۔ تو جب آپ کی اُمت تمام اُمتوں پر بہتر ٹھہری تو اس سے یہ خود بہ خود لازم آ گیا کہ آپ بھی سب نبیوں سے زیادہ افضل ہیں، کیوں کہ یہ فضیلت اُمت میں بہ متابعتِ آں حضرت ﷺ کے آئی اور تابع کی فضیلت سے متبوع کی فضیلت ظاہر ہے۔ لہٰذا جب آپ کی اُمت تمام نبیوں کی اُمت سے افضل ہوئی تو تمام نبیوں پر آپ کی فضیلت ثابت ہوئی۔ پس آپ سب سے افضل ہوئے۔

چھٹی دلیل: تمام نبیوں کی بعثت خاص خاص جگہوں اور خاص خاص مقاموں کی طرف ہوئی اور آپ کا مبعوث ہونا تمام جہان والوں (عرب و عجم) کی طرف ہوا۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ "آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے" آپ جمیع عرب و عجم کی ہدایت کے لیے مکلّف بنائے گئے جیسا کہ تواریخ و سیر سے بھی ثابت ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کی مشقّت اور مجاہدہ سب سے بڑھ گیا۔ نہ کوئی ساتھی نہ مددگار، تنِ تنہا اور تمام انسانوں حتیٰ کہ جنات کی طرف بھی بعثت ہوئی۔ پھر دعوت بھی اللہ احد کی تھی جو سب کے خلاف تھی، لہٰذا سب دشمن ہو گئے۔ رنج و اذیت دعوتِ حق میں آپ برداشت کرتے رہے اور مشغولِ ہدایت رہے جو کہ زیادتِ ثواب کو لازم ہے، اور زیادتِ ثواب لازم ہے زیادتِ فضیلت کو، پس ثابت ہوا

کہ آپ کا فضل بھی اور نبیوں سے زیادہ ہے۔ لہٰذا آپ سب سے زیادہ افضل ہوئے۔

ساتویں دلیل: جو شخص آپ پر ایک بار درود شریف بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود ورحمت بھیجتا ہے۔ اور خود اللہ تعالیٰ بھی حضور ﷺ پر درود ورحمت بھیجتے ہیں۔ اور بندوں کو بھی حکم فرمایا اپنے اس ارشاد میں کہ

﴿اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا O﴾[1]	تحقیق اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے حضور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، لہٰذا اے مؤمنو! تم بھی حضور ﷺ پر صلاۃ وسلام بھیجو۔

پس اس سے خاص الخاص فضیلت تمام نبیوں پر ثابت ہوئی۔

آٹھویں دلیل: آپ خاتم الانبیاء ہیں اور جو خاتم الانبیاء ہوگا اس کا مذہب تمام مذاہبِ سابقہ کا ناسخ ہوگا، اور جو ناسخ ہوگا وہ منسوخ سے افضل ہوگا، اور جب آپ کا مذہب سب سے افضل ہوا تو آپ کا بھی سب سے افضل ہونا بالضرور ثابت ہوگا۔ کیوں کہ آپ اگر مفضول ہوں تو یہ خلافِ عقل ہوگا، اس لیے کہ مفضول کے ذریعے افضل کا نسخ عقلاً قبیح ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ تمام نبیوں سے افضل ہیں۔

معراج

معراج کب اور کیسے ہوئی؟

سوال: معراج کی مختصر کیفیت بیان کیجیے۔

جواب: اِکاون سال کی عمر میں آپ ایک رات اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کے مکان میں سو رہے تھے کہ ایک فرشتہ چھت کھول کر مکان میں آیا اور آپ کو بیدار کیا اور مسجد الحرام میں لے گیا، پھر مسجد سے لے جانے کے بعد ایک مقام پہنچ کر آپ کے سینہ مبارک کو شق کیا اور قلب نکال کر سونے کی طشت میں آبِ زم زم سے دھویا اور پھر ایمان وحکمت سے مزین کر کے قلب کو اسی طرح رکھ دیا۔ اس کے بعد ایک سواری آپ کے لیے لائی گئی جو

[1] الأحزاب: ٥٦

نہایت ہی سفید تھی اور اس قدر تیز تھی کہ اس کا ایک قدم وہاں پڑتا جہاں اس کی نگاہ جاتی تھی، اس کو بُراق کہتے ہیں۔ اس پر سوار کر کے جبرائیل علیہ السلام لے چلے۔ آپ بیت المقدس پہنچے، وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ آپ امام تھے اور تمام انبیا علیہم السلام مقتدی۔ پھر وہاں سے آسمان کی طرف روانہ ہوئے یہاں تک کہ آسمان دنیا پر پہنچے اور دروازہ کھول دیا گیا، آپ آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں پر آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور سلام ہوا، پھر اسی طرح ساتویں آسمان تک تشریف لے گئے۔ دوسرے آسمان پر عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام سے۔ تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام سے، چوتھے آسمان پر ادریس علیہ السلام سے، پانچویں آسمان پر ہارون علیہ السلام سے، چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام سے، ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا دیے گئے۔

''سدرہ'' ایک بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور ''منتہیٰ'' جہاں آپ کے سفر کی انتہا ہوئی۔ اس درخت کے پتے مثل ہاتھی کے کان کے برابر ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ سے چار نہریں جاری ہیں: ایک سلسبیل، دوسری کوثر، تیسری دریائے نیل، چوتھی فرات۔ اور پھر وہاں سے بیت المعمور پہنچا دیے گئے۔ بیت المعمور خانہ کعبہ کے مقابل ایک مسجد ہے جو طوفانِ نوح کے زمانے میں مکّہ معظمہ سے اُٹھا کر ساتویں آسمان پر رکھ دی گئی تھی۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ سے کلام کیا اور پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے واپسی پر ملاقات ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے کم کرانے کے لیے کہا، تب آپ کی کئی مرتبہ آمد و رفت کے بعد کم کراتے کراتے پانچ وقت کی نماز فرض رہی مگر ثواب وہی پچاس وقت کا ملتا ہے۔ اللہ اکبر! یہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر انعام ہے کہ نماز پڑھنے کو کہا پانچ وقت اور ثواب دینے کو کہا پچاس وقت کا۔

آہ! ہم سے اتنا بھی نہیں ہوسکتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنَ التَّکَاھُلِ وَالتَّکَاسُلِ. اے اللہ! محفوظ رکھ ہم کو کاہلی اور سستی سے۔

سوال: معراج کب ہوئی؟

جواب: مکّہ معظّمہ میں نبوت کے بارہ سال اور تین ماہ بعد ستائیسویں رجب کو۔

ثبوتِ معراج شریف

ثبوتِ معراج پر چند دلائل:

سوال: معراج کے ثبوت کے لیے دلائلِ عقلی بیان کیجیے جس سے معلوم ہو کہ جسم کا بلندی کی طرف جانا، کرۂ نار[1] اور طبقۂ زمہریری[2] سے گزرنا ممکن ہے؟

جواب: عزیزمن! کسی چیز کے ثبوت کے لیے ہر جگہ دلیلِ عقلی تو ضروری نہیں، مخبرِ صادق کی خبر دلیلِ عقلی سے کہیں زیادہ قابلِ اعتبار ہے، مگر خیر! دلائلِ عقلی ثبوتِ معراج پر پیش کرتا ہوں۔ ذرا غور سے سنیے:

پہلی دلیل: عقل جس طرح کرۂ ارض سے عرش پر ایک جسمِ کثیف وخاکی کے چڑھ جانے کو جائز نہیں رکھتی، اسی طرح عقل جسمِ لطیف وروحانی کا زمین پر اتر آنا محال خیال کرتی ہے کیوں کہ جسمِ لطیف کا مرکز علو ہے، لہٰذا غیر مرکز یعنی اسفل کی طرف آنا محال ہوگا۔ پس اگر محمد ﷺ کی معراج شب کے ایک حصّہ میں واقع ہونا عقل کے نزدیک ممتنع ہے تو جبرائیل علیہ السلام کا عرش سے زمین پر ایک لحظہ میں اتر آنا بھی ممتنع ہوگا۔ لہٰذا جو لوگ کہتے ہیں کہ اس تیزی کے ساتھ حرکت کا واقع ہونا مستبعد[3] ہے تو ان کی اس رائے سے لازم آتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کا نزول بھی انبیا کے پاس ایک لحظے میں عرش سے ممتنع ہے۔ حالاں کہ یہ غلط اور باطل ہے۔ جب یہ باطل ہے تو معراج کا انکار بھی باطل ہے۔

دوسری دلیل: اکثر اہلِ مذاہب جنات وشیاطین کے وجود کے قائل ہیں اور ان کو ذی جسم جانتے ہیں اور ان کے لیے یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کو انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی قدرت ہے اور یہ بھی مانتے ہیں کہ شیطان کو اتنی قوت حاصل ہے کہ مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق میں بہت جلد پہنچ سکتا ہے، پس جب ایسے بدترین ذی جسم مخلوق سے یہ سُرعت ظہور میں آسکتی ہے تو اس کا بہترین مخلوق سے ایک

[1] آگ [2] ٹھنڈک سردی [3] استاذ صاحب سے درخواست ہے کہ طالب علم کو ممتنع اور مستبعد کے فرق کو آسان الفاظ میں سمجھا دیں۔

آن میں زمین سے عرش تک سفر طے کرنے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

تیسری دلیل: حضرت سلیمان علیہ السلام جب سیر کا ارادہ فرماتے تو یہ صبح کے وقت ملکِ شام سے روانہ ہوتے اور ہوا ان کے تخت کو چاشت کے وقت بقدر ایک مہینہ کی راہ ملکِ اصطغر میں پہنچا دیتی، اور عصر کے وقت ملکِ اصطغر سے روانہ ہوتے تو شام کا کھانا کابُل کھاتے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ﴿غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ج﴾ فرمایا ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ حرکتِ سریع اس قسم کی امکان میں داخل ہے۔

چوتھی دلیل: آصف بن برخیا جو کہ سلیمان علیہ السلام کے وزیر اعظم تھے، پلک جھپکنے اور آنکھ کھولنے کے عرصہ میں تختِ بلقیس سبا سے جو کہ حدودِ یمن میں تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں جو شام میں تھا، اُٹھا لائے، جیسا کہ قرآنِ پاک میں یہ قصّہ موجود ہے۔ پس جب کہ ایسے شخص کو حرکتِ سریع پر اتنی قدرت تھی تو حضرات انبیا علیہم السلام میں حرکتِ سریع کا پیدا ہونا کیوں کر مستحیل ہوسکتا ہے۔

پانچویں دلیل: آنکھ سے دیکھنے کی کیفیت میں علمائے ریاضی اس بات کے قائل ہیں کہ آنکھ سے جسم شعاعی مخروطی شکل، یا جسم شعاعی دقیق بہ شکل خط مستقیم نکلتا ہے، اور مبصر پر پہنچ کر ختم ہوجاتا ہے اس کے بعد سطح مبصر پر نہایت سریع حرکت طولاً و عرضاً کرتا ہے۔ تو لہٰذا اس مذہب کے مطابق نہایت سریع حرکت کا وقوع ممکن ہے۔ کیوں کہ آنکھ کھولتے ہی نورِ باصرہ سیارات و کواکب کا احساس کرلیتا ہے اور آنکھ کی شعاع ان مبصرات تک ایک ادنیٰ نظر میں منتقل ہوجاتی ہے، پھر جسم پاک محمدی کو کہ نور دیدۂ فلک اور قرۃ العین انس و ملک ہے اور لاکھ درجے روشنائِ چشم سے الطف ہے، اگر ایک آن میں زمین و آسمان کی مسافت طے فرمائے تو کیا محال ہے۔

یعنی جب انسان کی آنکھ کے دیکھنے کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ آنِ واحد میں زمین سے ستاروں تک پہنچ جاتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات جو نگاہ سے بھی زیادہ لطیف اور نورانی ہے، کیوں نہ اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ مسافت قطع کر سکے گی۔

چھٹی دلیل: آفتاب زمین سے باوجودیکہ کچھ زیادہ تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ذرا

سی دیر میں طلوع ہو جاتا ہے اور لمحہ میں اتنی مسافت طے کرتا ہے، تو یہ بات صاف دلالت کرتی ہے کہ حرکت کا اس تیزی کے ساتھ وقوع میں آ جانا اتنے فاصلے تک ممکن ہے۔ پس جب ایسے بڑے جسم سے سُرعتِ سیر عندالعقل بعید نہ ہو تو وہ آفتابِ فلکِ رسالت کہ سو ہزار اجرامِ فلکی اور اجسامِ نورانی ملکی اس کے وجود سے استفادۂ نور کرتے ہیں، بامداد ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی﴾ اگر حصۂ شب میں بامِ ہفت آسمان سے گزر کر بمقام ﴿دَنَا فَتَدَلّٰی ۝﴾ ترقی فرمائے تو کیا عجب ہے۔

پس جب ان تمام دلیلوں سے بہ خوبی ثابت ہو گیا کہ ایک ایسی حرکت کا وقوع جو اپنی سرعت میں اس حد تک ہو، نفس الامر میں ممکن ہے، تو لہٰذا محمد ﷺ کے جسم میں اس کا پایا جانا ممتنع نہیں۔ لہٰذا معراج کا ہونا ممتنع نہیں۔

سوال: جناب آپ نے تو دوسرے اجسام کی سُرعتِ سیر پر سُرعتِ جسمِ آں حضرت ﷺ کو قیاس کر کے حکم لگا دیا، سو یہ قیاس کس طرح صحیح ہوا؟

جواب: میرے محترم! خیال کرنے کا مقام ہے کہ اجسام تمام کے تمام ماہیت میں متماثل ہیں، اور چوں کہ ایسی حرکت کی بعض اجسام صلاحیت رکھتے ہیں تو سارے اجسام میں اس کا حاصل ہو سکنا واجب ہوا، اور جب تمام اجسام میں اس کا حاصل ہونا واجب ہے تو ثابت ہوا کہ ایسی سریع حرکت کا جسمِ محمدی میں ہونا ممکن ہے، اور خالقِ عالَم تمام ممکنات پر قادر ہے اور ایسی حرکت پر قادر ہونا واجب ہے۔ بس لازم آیا کہ معراج کا وقوع ممکن ہے، کوئی محال اور ممتنع نہیں ہے۔

سوال: آپ نے دلائل سے مسئلۂ معراج کو خوب ذہن نشین کرا دیا اور سمجھ میں آیا کہ واقعی معراج کا ہونا محالات میں سے نہیں مگر تحیر و تعجب سے خالی نہیں۔

جواب: عزیزِ من! ایسے تعجبات معراج کے ساتھ ہی کیا خاص ہیں بلکہ تمام معجزات میں پیدا ہوتے ہیں، بھلا عصا سے دریا کو مارنے سے دریا پھٹ جائے اور بارہ راستے بنی اسرائیل کے خاندان کے شمار کے موافق بن جائیں اور باقی بارہ طاقوں کی طرح مانند ہوا کے قائم ہو جائیں۔ یہ قیاس میں آنے والی بات ہے؟

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے جب عصا کو پھینکا تو وہ اژدہائے عظیم بن گیا اور ستر ہزار شعبدوں کو نگل گیا اور ان کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ وہ رعد کی طرح گرجتا تھا۔ بعد ازاں حسبِ سابق عصا ہو گیا۔ اسی طرح پہاڑی سے اونٹنی کا پیدا ہونا اور پیدا ہوتے ہی اپنے برابر بچے کا جننا، قیاس میں آنے والی بات ہے؟ مادرزاد اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر بینا کرنا، مٹی کا جانور بنا کر جاندار کرنا معراج کے قصّے سے زیادہ تعجب انگیز ہیں۔

عزیز من! اگر محض تعجب معراج کے انکار کا باعث ہے تو دیگر معجزات سے بھی انکار ہوسکتا ہے۔ حالاں کہ نبوت کے دعوے کے تسلیم کے بعد نبی سے کسی بھی ایسی چیز کا انکار جائز نہیں۔ کیوں کہ معجزات کا ثبوت متفرع ہے نبوت پر، اور نبوت کے تسلیم پر معجزات کا انکار باطل ہے۔ کیوں کہ معجزات نبی کے لیے لازم ہیں، اور جو چیز مستلزم ہو کسی باطل کو وہ خود باطل ہے۔ لہٰذا معجزات کا انکار یا معراج کی نفی باطل ہے۔ پس معراج کا تعجب خیز ہونا نفئ معراج کی دلیل نہیں بن سکتی۔ پس معراج ثابت ہے۔

عزیز من! خیر یہ تو بڑی باتیں ہیں۔ تعجب تو ہر ایسی چیز سے ہوتا ہے کہ جس سے کوئی شخص ناواقف ہو۔ مثلاً: آپ کسی جاہل سے کہیں کہ تار برقی کی حرکت سات منٹ میں چوبیس ہزار میل ہے۔ دیکھیے! اس جاہل کا اس خبر کو سن کر کیا حال ہوگا۔ فوراً کہہ دے گا کہ سب کہنے کی بات ہے، بھلا ایسا کب ہوسکتا ہے، سب جھوٹ ہے۔ اور کہے گا کہ چوبیس ہزار میل کون گیا ہے اور کون دیکھ کر آیا ہے، یوں ہی واہی تباہی باتیں ہیں۔ اسی طرح روشنی کی تیز رفتاری جو ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ثابت ہوئی ہے، اس کی نسبت بھی جاہل اور عوام کا یہی حال ہوتا ہے۔

میرے عزیز! یہ دلائل اور تخیلات ظاہر بینوں کے واسطے ہیں۔ اہلِ باطن کے واسطے اس کی کچھ حاجت نہیں۔ ان کو ایسے واقعات خود مشاہد ہوتے ہیں۔

علاؤالدین سنائی رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ اکثر میں بعد نمازِ صبح اذکار سے فارغ ہو کر مراقبہ کرتا ہوں اور اس عالم سے گزر کر دوسرے عالم میں جاتا ہوں، وہاں سو سو برس دو دو سو برس ہزار ہزار سال مشغولِ عبادت رہتا ہوں۔ ہر دن پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہوں، ہر سال رمضان شریف کے روزے رکھتا ہوں پھر جب مراقبہ سے سر اُٹھاتا ہوں تو آفتاب طلوع ہوتا ہے اور

اشراق کی نماز یہیں ادا کرتا ہوں۔ اسی سے بزرگانِ طریقت نے فرمایا ہے کہ ایک سانس اصحابِ باطن کا ہزار سالہ عباداتِ عامہ سے بہتر ہے۔ ایک ساعت میں سو بار ختمِ قرآنِ پاک کرتے ہیں۔ آیت آیت حرفاً حرفاً تلاوت کرتے ہیں۔

عزیز من! جب حضور کی اُمت کے خواص کا یہ مقام ہے تو اس فخرِ اوّلین و آخرین کی معراج میں کیا کلام ہے۔ پس معراج آپ کے لیے عقلاً ممکن اور نقلاً ثابت ہے۔

چند نظائر

سوال: معراج میں طبقۂ زمہریریہ اور طبقۂ ناریہ سے گزرنا کس طرح ہوگا؟ اس کے کچھ نظائر پیش کیجیے؟

جواب: عزیز من! آپ کو شبہ اس لیے ہوا کہ ان طبقات سے گزرنا ہو اور برودت اور ناریت کا اثر نہ ہو، یہ کیوں کر ممکن ہوگا؟ سو آں عزیز کو معلوم ہونا چاہیے کہ گرم و سرد کا اثر اس محل میں مکث اور ٹھہرنے سے ہوتا ہے، اگر اس میں سے گزر جائیں تو کوئی اثر نہ ہوگا۔ جیسے چراغ کی لو میں انگلی کو جلد جلد حرکت دیتے رہیں تو نہ جلے گی۔ اسی طرح برف میں جلد جلد ہاتھ بدلتے رہیں تو سردی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ اور جب یہ معلوم ہے کہ معراج میں آپ کی سیر نہایت سریع واقع ہوئی تھی لہٰذا آپ بہ سرعت ان سے گزر گئے تھے۔ اس طرح طبقۂ زمہریری اور طبقۂ ناری کا آپ پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

دوسری نظیر: نمرود کے زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور آگ نے اثر نہ کیا تو اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طبقۂ نار سے گزرنے سے کوئی اثر نہ ہوا۔

تیسری نظیر: جب یہاں بعض مصالحہ ایسے ہیں کہ ان کو لگا کر آگ میں گھس جاتے ہیں تو آگ کچھ اثر نہیں کرتی، تو اللہ تعالیٰ کے بلائے ہوئے پر آگ کیوں اثر کرے گی۔

چوتھی نظیر: جب یہاں بادشاہ نے کسی راہ سے گزرنا ہوتا ہے تو راہ کے ہر قسم کے کھنڈرات، اتار چڑھاؤ۔ موذی و مضر اشیا سے راستہ صاف کر دیا جاتا ہے اور ان راہوں پر لوگوں کو مقرر کیا جاتا ہے کہ کوئی تکلیف نہ ہو۔ تو کیا پوچھنا ہے شانِ علو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ

جن کو اللہ تعالیٰ نے بلایا ہے، پھر راستہ کے نقصان دہ ایذا رساں حالات کا کیوں کر پیش آنا ممکن ہوسکتا ہے۔

پس آں حضرت ﷺ بخیر و عافیت ہر طبقہ سے گزر کر لقائے ربّ سے اور سیر سے محظوظ ہو کر واپس تشریف لے آئے۔

مدینہ میں اسلام

مدینہ طیّبہ میں اسلام اور بیعتِ عقبہ اولیٰ:

سوال: مدینہ میں اسلام کیسے پھیلا؟

جواب: دس سال تک برابر آں حضرت ﷺ مکّہ سے جا جا کر عرب کے مختلف قبیلوں کو اعلان کے ساتھ اسلام کی دعوت دیتے رہے اور عرب کی کوئی مجلس اور کوئی مجمع نہیں چھوڑا جس میں جا کر آپ نے تبلیغ نہ فرمائی ہو۔ حج کے موسم میں، مختلف بازاروں میں، گھر گھر تشریف لے جا کر لوگوں کو حق کی طرف بلاتے رہے، مگر وہ اس کے جواب میں آپ کو ہر قسم کی تکلیفیں پہنچاتے اور مذاق اڑاتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ پہلے اپنی قوم کی تو اصلاح کیجیے ان کو تو مسلمان بنائیے پھر ہماری ہدایت کے لیے آئیے۔ اسی حالت پر آپ کو ایک مدت گزر گئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اسلام کی اشاعت ہو تو قبیلۂ اوس کے چند آدمی مدینہ طیّبہ سے آپ کی خدمت میں بھیج دیے جس میں اس سال دو شخص اسعد بن زُرارہ اور ذکوان بن عبد قیس مشرف با سلام ہوئے اور پھر آیندہ سال ان میں سے کچھ اور آدمی آئے جن میں سے چھ یا آٹھ آدمی مسلمان ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم پیغامِ خداوندی کی تبلیغ میں میری مدد کرو گے؟ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ابھی ہمارے آپس کی اوس اور خزرج کی خانہ جنگیاں ہو رہی ہیں۔ اگر اس وقت آپ مدینہ طیّبہ تشریف لائے تو آپ کی بیعت پر سب کا اجتماع نہ ہو سکے گا۔ ابھی آپ ایک سال اس ارادے کو ملتوی فرما دیں۔ ممکن ہے کہ ہماری آپس میں صلح ہو جائے اور پھر ہم سب مل کر اسلام قبول کر لیں، آیندہ سال پھر ہم حاضر ہوں گے، یہ کہہ کر مدینہ واپس آ گئے۔

خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ مدینہ طیّبہ میں اسلام پھیلے۔ اسی سال بھر کے عرصے میں اوس و خزرج کے اکثر جھگڑے ختم ہو گئے۔ اور سالِ آئندہ حج کے موقع پر حسبِ وعدہ بارہ آدمی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں دس قبیلہ خزرج کے اور دو قبیلہ اوس کے تھے۔ ان میں جو لوگ سالِ گزشتہ مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ اب مسلمان ہو گئے، اور سب نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ یہ بیعت چوں کہ سب سے پہلے عقبہ کے پاس ہوئی تھی اس لیے اس کا نام بیعتِ عقبہ اولیٰ رکھا گیا۔ یہ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ طیّبہ واپس آئے تو مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا تھا اور ہر مجلس میں یہی ایک بات رہ گئی۔

سب سے پہلا مدرسہ

سوال: اسلام میں سب سے پہلے مدرسے کی بنیاد کہاں رکھی گئی؟

جواب: اوس اور خزرج کے لوگ جب مدینہ طیّبہ واپس آئے تو ان کے ذمہ دار لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خط لکھا کہ یہاں بحمد اللہ اسلام کی اشاعت ہو چکی ہے۔ اب کسی شخص کو ہمارے ہاں بھیج دیجیے جو ہمیں قرآن شریف پڑھائے اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت اور ہمیں احکامِ شرعیہ کی تعلیم دے اور نماز میں ہمارے لیے امام بنے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو جو ایک جوان مسلمان تھے اور دینِ محمدی کے احکام و مسائل سے خوب واقف تھے، مدینہ طیّبہ بھیج دیا۔ اس طرح اسلام میں سب سے پہلے مدرسے کی بنیاد مدینہ طیّبہ میں پڑ گئی۔[1]

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے وعظ و نصیحت سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ ان دنوں سعد بن معاذ مدینہ کا سردار تھا۔ جب اس نے اپنے لوگوں کے متعلق سنا کہ وہ مسلمان ہو رہے ہیں تو خفا ہوا اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس دو آدمیوں کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ آئندہ وعظ مت کہو اور کسی کو مسلمان نہ بناؤ۔ جب یہ دونوں شخص مصعب رضی اللہ عنہ کے

[1] سیرتِ طیّبہ

پاس آئے اور قرآنِ مجید سنا تو وہ خود ہی مسلمان ہو گئے۔ یہ سن کر سعد سخت غصہ کی حالت میں مصعب کے پاس خود آیا اور کہنے لگا کہ تم کیوں ناحق ہمارے لوگوں کو بہکاتے ہو اور اپنے دین سے پھیرتے ہو؟ سعد کی پھوپھی کے بیٹے اسعد جو مسلمان ہو چکے تھے، بولے: بھائی! ذرا ٹھہرو اور جو کچھ یہ پڑھتے ہیں تم بھی سن لو پھر جو مرضی ہو کرنا۔ ان کے کہنے پر سعد بن معاذ وہاں بیٹھ گیا اور مصعب رضی اللہ عنہ نے قرآن پڑھنا شروع کیا، قرآنِ مجید سنتے ہی سعد کے دل کی حالت کچھ سے کچھ ہو گئی اور سچے دل سے ایمان لے آیا، اور چوں کہ یہ اپنی قوم کا سردار تھا اس لیے اپنی قوم کے تمام لوگوں کو بلا کر پوچھنے لگا: بتاؤ تم مجھے کیسا آدمی سمجھتے ہو؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ تم بڑے سمجھ دار اور لائق آدمی ہو اور ہمارے سردار ہو، جو کچھ تم کہو ہم سب ماننے کو تیار ہیں۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکا ہوں۔ یہ سن کر اس کے قبیلے کے سب لوگ مسلمان ہو گئے۔

ہجرت

ہجرت کے اسباب:

سوال: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کیوں فرمائی؟

جواب: نبوت کے تیرھویں سال حج کے دِنوں میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ مدینہ کے پچھتر آدمی بھی تھے جو مسلمان ہو چکے تھے۔ ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر مدینہ میں لے چلیں اور اپنا مال اور جان آپ پر قربان کریں۔

ایک رات سارے مسلمان پوشیدہ طور پر مکے سے باہر ایک پہاڑی پر جمع ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، آپ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر تشریف لائے۔ حضرت عباس اگرچہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر آپ کے خیر خواہ اور مددگار رہتے تھے۔ پہلے حضرت عباس نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ

تم جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں کیسے عزیز ہیں۔ آج کل قریش مذہبی معاملے کے سبب ان کے جانی دشمن ہورہے ہیں۔ اگر تم ان کا ساتھ دینا چاہتے ہو تو اپنی جان جوکھوں میں ڈالنی ہوگی۔ اب سوچ لو! ایسا نہ ہو کہ پھر کوئی خرابی پیدا ہو اور تم عہد کو توڑ کر ہمیں اپنا دشمن بنالو۔

یہ سن کر لوگوں نے عرض کیا کہ جو کچھ تم نے کہا ہم نے سنا۔ ہم اپنے پاک پروردگار اور اس کے رسول کے ساتھ پکا عہد کرنے کو تیار بیٹھے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے جو عہد لینا چاہیں لے لیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے قرآنِ مجید کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں پھر ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ کا عہد یہ ہے کہ اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ جانو، اور میرا عہد یہ ہے کہ اس دینِ اسلام کے پھیلانے میں جان اور مال سے میری مدد کرو۔ اور جب تمہارے شہر میں آؤں تو میری اور میرے ساتھیوں کی ایسی حمایت کرو جیسی اپنے اہل وعیال کی کرتے ہو۔

سب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اس عہد پر قائم رہیں گے۔ اور پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر ہم نے اس عہد کو پورا کیا تو ہمیں اس کی کیا جزا ملے گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا اور جنّت۔ یہ سن کر سب نے عرض کیا کہ اپنا دستِ مبارک دیجیے کہ ہم بیعت کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھایا اور سب نے بیعت کی۔

جب یہ عہد و پیماں ہورہے تھے تو قریش کا کوئی آدمی چھپ کر یہ سب کارروائی دیکھ رہا تھا۔ جس نے قریش کے سامنے یہ تمام قصّہ بیان کردیا۔ یہ لوگ سنتے ہی طیش میں آگئے اور کئی سردار جمع ہوکر مدینے کے قافلے میں گئے اور لوگوں کو بہتیرا ڈرایا دھمکایا۔ مگر رات کے معاملہ کا کچھ پتا نہ چلا۔ آخر جب ان لوگوں کا اور کچھ بس نہ چلا تو مسلمانوں پر پہلے سے زیادہ سختیاں کرنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر ڈالنے کی تجویز ٹھہرائی۔

ہجرتِ مدینہ کی ابتدا

سوال: مختصر طریقے سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی کیفیت بیان کیجیے۔

جواب: قریش کو جب اس بیعت کی خبر ہوئی تو ان کے غیظ و غضب کی کچھ انتہا نہ رہی، اس وقت حضور ﷺ نے صحابۂ کرام کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ صحابہ نے آہستہ آہستہ قریش سے خفیہ ایک ایک دو دو کرکے مکّہ معظمہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ مکّہ میں آں حضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اور تھوڑے سے غیر مستطیع لوگوں کے علاوہ کوئی مسلمان باقی نہ رہا۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا تھا مگر آپ ﷺ نے ان کو فرمایا کہ ابھی ٹھہرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ہجرت کی اجازت دے دے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اس کے انتظار میں رہے اور دو اونٹنیاں اس سفر کے لیے مہیّا کیں۔ ایک اپنے لیے اور ایک حضور ﷺ کے لیے۔[۱]

کفارِ قریش کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو دار الندوہ (کمیٹی گھر) میں جمع ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جس قدر لوگ اس مشورہ کے لیے جمع ہوئے تھے اتنے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کے متعلق سوچنے لگے کہ کیا کرنا چاہیے؟ کوئی کہتا تھا کہ شہر بدر کیے جائیں، کسی نے رائے دی کہ قید میں رکھے جائیں، ابوجہل نے کہا کہ سب سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ آپ کو قتل کردیا جائے مگر اس طریق سے کیا جائے کہ بہت سے جوان جو ہر قبیلہ سے منتخب شدہ ہوں، یک دم آپ پر ٹوٹ پڑیں اور کام تمام کردیں، تاکہ بنی ہاشم کسی خاص شخص سے بدلہ نہ لے سکیں۔ اس کمیٹی میں ابلیس بھی ایک بوڑھے شخص کی صورت میں موجود تھا، اس نے کہا کہ بس یہی رائے سب سے اچھی ہے۔

رات کے وقت جب آپ اپنے دولت خانہ پر تشریف رکھتے تھے، کئی جوان ہاتھوں میں تلواریں لے کر باہر کھڑے ہوگئے اور تیار تھے کہ جب آپ گھر سے نکلیں تو آپ کو

[۱] سیرت مغلطائی

فوراً شہید کر دیا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اسی وقت اس سارے معاملے کی اطلاع مل گئی اور حکم ہوا کہ مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیے، آپ نے اسی وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی چار پائی پر چادر اوڑھ کر سونے کو ارشاد فرمایا، تاکہ کفار کو آپ کے گھر میں نہ ہونے کا علم نہ ہو۔

اس کے بعد آپ گھر سے باہر تشریف لائے تو دروازے پر قریش کا میلا لگا ہوا تھا۔ آپ سورۂ یٰسین شریف پڑھتے ہوئے باہر نکلے جب آیت ﴿فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴾ پر پہنچے تو اس کو کئی مرتبہ دہرایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ آپ کو دیکھ نہ سکے، اور آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ پہلے ہی سے تیار تھے، ادھر دشمن کبھی کبھی کواڑ کی درزوں میں سے دیکھتے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لیٹے پایا تو مارے غصّے کے دیوانے ہوگئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہتیرا ڈرایا دھمکایا اور اذیت بھی دی کہ بتاؤ تمہارا پیغمبر کہاں ہے مگر وہ اس کے سوا کچھ نہ کہتے تھے کہ اپنے رسول کا حال اللہ ہی جانے۔

غارِ ثور کا قیام

سوال: کیا آپ نے مدینہ طیّبہ ہجرت کرتے ہوئے راستے میں قیام بھی فرمایا تھا؟

جواب: جی ہاں! آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دن بھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں کاٹا، رات کے وقت دونوں مکے سے نکلے اور شہر سے دور شمال کی طرف ایک غار ہے جس کو غارِ ثور کہتے ہیں، اس میں چھپ جانے کا ارادہ کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس غار میں داخل ہوئے اور اسے صاف کر کے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اندر لے گئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زانوں پر سر رکھ کر سو گئے۔ دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں زمین کے چپے چپے پر پھر نکلے، عرب کے لوگوں کو کھوج لگانے میں بڑی مہارت ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کے نشان ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے منہ تک آ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو اندر سے ان لوگوں کے پاؤں نظر پڑے تو وہ ڈر گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ا...

کو تسلّی دی اور فرمایا کہ کچھ خوف نہیں ہم دونوں اکیلے نہیں بلکہ ہمارا تیسرا رفیق اللہ ہے جو سب سے بڑھ کر زورآور اور سب سے بڑا بااختیار ہے۔ اللہ تعالیٰ جو اس وقت بھی اپنے رسول کا نگہبان اور مددگار بنا، اس کی قدرت دیکھو کہ آں حضرت ﷺ غار میں داخل ہو گئے تو مکڑی نے دروازہ پر جالا تان لیا اور جنگلی کبوتر نے ایک کنارہ پر انڈے دینے کے لیے گھونسلا بنالیا،[۱] دشمنوں نے یہ دونوں نشانیاں دیکھ کر قیاس کیا کہ کوئی آدمی اس غار کے اندر نہیں گیا اور نااُمید ہو کر واپس آ گئے۔

آں حضرت ﷺ مع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تین دن رات غار میں رہے، ان تینوں دنوں میں برابر صدیقِ اکبر کے صاحب زادے عبداللہ رات کو خفیہ آپ کے پاس آتے اور صبح سے پہلے ہی مکّہ پہنچ جاتے تھے۔ دن بھر قریش کی خبریں سن کر رات کو آپ کے سامنے بیان کرتے تھے اور ان کی بہن اَسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا ہر رات میں کھانا آپ کے پاس پہنچاتی تھیں۔ چوں کہ عرب کے لوگ نشانِ قدم کو بہت پہچانتے تھے اس لیے عبداللہ نے اپنے غلام سے کہہ رکھا تھا کہ روزانہ بکریاں چرانے کے لیے اس غار تک لے جایا کرو تاکہ ان کے نشاناتِ قدم مٹ جائیں۔

غارِ ثور سے مدینے کی طرف روانگی: غارِ ثور کے قیام کے تیسرے دن ماہِ ربیع الاوّل ۱ھ بروز پیر صدیقِ اکبر کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ دونوں اونٹنیاں لے کر پہنچے جو اس سفر کے لیے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے مہیّا کی تھیں اور ان کے ساتھ عبداللہ بن اریقط بھی پہنچے جن کو راستہ بتانے کے لیے اجرت دے کر ساتھ لے لیا تھا۔

نبی کریم ﷺ ایک ناقہ پر سوار ہو گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دوسری پر۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ عامر بن فہیرہ کو بھی خدمت کے لیے بٹھا لیا اور عبداللہ بن اریقط آگے آگے راستہ دکھانے کے لیے چلے۔

سراقہ بن مالک کا راستہ میں پہنچنا: ایک شخص سراقہ نامی جو کہ اس وقت مشہور شہسوار تھا۔

---

[۱] حضرت سہیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حرم کے کبوتروں کی نسل اسی کبوتر سے چلی ہے۔

آپ کے کھوج پر آ رہا تھا، جس وقت آپ کے قریب آیا تو قدرتِ الٰہی نے اپنا کام دکھایا اور گھوڑے کے چاروں پاؤں زمین کے سخت اور خشک ہونے کے باوجود گھٹنوں تک اندر اتر گئے اور سراقہ زمین پر گر پڑا، سراقہ سمجھ گیا کہ جس شخص کا حامی و مددگار خدا ہے اس سے مقابلہ کرنا نادانی ہے، مجبور ہو کر حضور ﷺ سے پناہ مانگی تو آپ ﷺ ٹھہر گئے اور آپ کی برکت سے گھوڑا وہاں سے نکل آیا اور وہ واپس لوٹا (اس واقعہ میں قدرے تفصیل ہے غور فرما لیا جاوے) راستہ میں جس قدر پتا لگانے والے ملتے گئے ان کو بھی پھیر لایا۔

جب حضور ﷺ مدینہ کو جا رہے تھے تو راہ میں ایک بڑی بی اُمّ معبد کے گھر پر آپ کا گزر ہوا، ان کے پاس ایک دبلی پتلی سی بکری بندھی ہوئی تھی۔ اس بڑی بی سے پوچھا کہ اجازت ہو تو میں اس بکری کا دودھ دوہ کر پی لوں؟ اس نے کہا کہ قربان جاؤں، میں تو اجازت دیتی ہوں مگر اس کے تھنوں میں دودھ کہاں؟ آپ اللہ کا نام لے کر اس کو دوہنے لگے تو اس قدر دودھ نکلا کہ سب نے پیٹ بھر کر پیا اور اس بڑی بی کے گھر کے سارے برتن بھی بھر گئے، یہ حال دیکھ کر وہ بڑی بی اُمّ معبد اور ان کا خاوند مشرف با یمان ہو گئے۔ اس کے علاوہ راستے میں عجیب و غریب واقعات پیش آئے جو طوالت کی وجہ سے چھوڑے جاتے ہیں۔

مدینہ طیّبہ میں داخل ہونا: مدینہ طیّبہ کے لوگ آپ کی تشریف آوری کا سن کر ہر روز آپ کے استقبال کے لیے مکّہ معظّمہ کی راہ پر آتے اور دوپہر کے قریب لوٹ جاتے۔ جس روز آپ پہنچے اس روز بھی آپ ﷺ کا انتظار کر کے لوٹ کر جا رہے تھے کہ یک بارگی ایک یہودی نے ایک ٹیلے پر آپ کی سواری دیکھی اور چلّا کر ان پھرنے والوں سے کہا:

يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ، هٰذَا جَدُّكُمْ. اے گروہِ عرب! تمہارا حظ یعنی خوش نصیبی کا سامان آ پہنچا۔

لوٹنے والے اس یہودی کی آواز سن کر واپس آئے اور آپ ﷺ کے ساتھ ہو کر مدینہ طیّبہ میں داخل ہوئے۔ اس روز اہلِ مدینہ کی خوشی کا اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں شوق میں نظمیں پڑھتی تھیں۔

آپ مکّہ سے سوموار کے روز ربیع الاوّل کے مہینہ میں (اور بقول بعض علما کے صفر کے مہینہ میں) ترپین سال کی عمر میں چلے تھے اور سوموار ہی کے دن بارھویں ربیع الاوّل کو مدینہ طیّبہ پہنچے، اور پہنچ کر محلّہ قبا میں جو کہ شہر کے کنارے پر ذرا فاصلہ سے ہے، منازل بنی عمرو بن عوف میں چودہ روز ٹھہرے، اور تیسرے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی امانتیں واپس کر کے آ ملے۔ پھر آپ نے شہرِ مدینہ کے اندر تشریف رکھنے کا ارادہ فرمایا۔ ہر ایک کی آرزو تھی کہ فخرِ دو عالم ہمارے محلے میں قیام فرمائیں۔ جب آپ سوار ہوئے تو ہر قبیلہ کے لوگ آپ کے ساتھ تھے اور وہی آرزو برزبان تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اونٹنی مامور ہے جہاں بھی بیٹھ جائے گی وہاں ہی مقیم ہو جاؤں گا۔ اونٹنی چلتے چلتے وہاں آ بیٹھی جہاں اب منبرِ مسجد نبوی ہے، اسی کے متّصل حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر تھا وہاں آپ کا اسباب اتارا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر ٹھہرے۔ پھر آپ نے وہ زمین جہاں اونٹنی بیٹھی تھی، خریدی اور مسجدِ نبوی کی تعمیر شروع کی۔ اس کے بعد آپ کی باقی عمر مبارک مدینہ طیّبہ ہی میں گزری، جن صحابۂ کرام نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور بعد میں ہجرت فرمائی ان کو مہاجر اور اہلِ مدینہ جنھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی جان و مال سے امداد کی ان کو انصار کہتے ہیں۔

احادیث میں مہاجرین وانصار کے بے شمار مناقب بیان فرمائے گئے ہیں ہم یہاں پر کچھ مختصراً مناقب کا ذکر کرتے ہیں۔

مہاجرین وانصار کے مناقب

سوال: مہاجرین وانصار کے فضائل اور مناقب بیان کیجیے۔

جواب: مہاجرین جنّت میں سب لوگوں سے چالیس سال قبل جائیں گے کہ وہاں لطف اُٹھا رہے ہوں گے اور باقی لوگ حساب کے لیے رُکے ہوئے ہوں گے، مہاجرین کی قوتِ ایمان اور محبّتِ رسول کا اس سے اندازہ کیجیے کہ آج سنتِ رسول کی خاطر ایک قومی رسم کا چھوڑنا محض اس لیے کہ نکو بنیں گے، ان کو بھی دشوار ہے جو پشت ہا پشت سے مسلمان ہیں اور مہاجرین نے تو کوئی سی محبوب چیز بھی ایسی نہ چھوڑی جس کو محبّتِ رسول کی خاطر

چھوڑ نہ دیا ہو۔ ہجرت کی چوں کہ ایک خاص شان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی گروہ میں داخل ہیں اس لیے تقدیم دخول جنّت کے مستحق ہیں۔

فرمایا: انصار سے محبّت نہ رکھے گا مگر مؤمن، اور ان سے بغض نہ رکھے گا مگر منافق۔ پس جو شخص انصار سے محبّت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبّت رکھے گا۔ اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھے گا۔

نصرتِ اسلام و پیغمبر ثمرہ بنا کمالِ ایمان کا، اس لیے کہ اَلْجِنسُ يَمِيلُ إِلَى الْجِنسِ کے تقاضے کی بنا پر مؤمن کو لامحالہ ان حضرات کی طرف کشش ہوگی۔ اور منافق کو نفرت و گریز۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (انصار کی) کچھ عورتوں اور بچوں کو آتے ہوئے دیکھا (جو) غالباً کسی تقریبِ شادی سے فارغ ہو کر آرہے تھے پس آپ کھڑے ہوگئے اور فرمایا: بار خدایا! تم لوگ سب آدمیوں سے زیادہ مجھے محبوب ہو۔ تین مرتبہ یہی فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں یہ خطبہ پڑھا بعد حمد و صلاۃ۔ اے لوگو! اور آدمی تو بڑھتے جائیں گے مگر انصار کم ہوتے جائیں گے، حتیٰ کہ ایسے رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک، پس جو شخص تم میں کسی ایسے کام کا مالک ہو جس میں کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے تو اس کو چاہیے کہ ان میں سے نیکوکار کی نیکی کو قبول کرے اور خطاوار کی خطا سے درگزر کرے۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر: اس وقت مدینہ میں کوئی مسجد موجود نہیں تھی، جس جگہ موقع ملتا نماز ادا کی جاتی تھی۔ اس کے بعد وہ جگہ خریدی گئی جس جگہ ناقہ بیٹھی تھی۔ اس جگہ میں مسجدِ نبوی کی تعمیر کی گئی جس کی دیواریں کچی اینٹوں کی اور ستون کھجور کے درخت کی لکڑی کے اور چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی اور قبلے کا رُخ بیت المقدّس کی طرف رکھا گیا جو اس وقت مسلمانوں کا قبلہ تھا۔ مسجد کے ساتھ دو حجرے بھی بنائے گئے: ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے اور دوسرا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے لیے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مکّہ بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آل و عترت کو مدینہ طیّبہ لے آئے، اس وقت حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی سب اہل و عیال کو مدینہ بلوالیا۔

چناں چہ اُمّ المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور صاحب زادیاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا مدینہ طیّبہ آ گئیں، تیسری صاحب زادی زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے خاوند ابو العاص نے (جو اس وقت مسلمان نہ ہوئے تھے) نہ آنے دیا اور ادھر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ اور دونوں بہنوں عائشہ اور اسما رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے کر مدینہ طیّبہ پہنچے۔ اور اب مکّہ مکرمہ میں چند مسلمان رہ گئے تھے جن کو سفر کی طاقت نہیں تھی بلکہ بعض ایسے لوگ وہاں سے چل بھی پڑے تھے اور راستہ ہی میں ان کی وفات ہوگئی۔

مدینہ طیّبہ میں اسلام کیسے پھیلا؟

سوال: مدینہ منورہ میں پہنچ کر کس طرح اسلام پھیلا؟

جواب: جب آپ نے مکّہ معظّمہ میں توحید یعنی خدائے معبود کا ایک ہونا اور اپنا رسول ہونا ظاہر کیا تو اس کی خبر مدینہ منورہ پہنچ چکی تھی، جس سے مدینہ والے سمجھے گئے تھے کہ نبی آخر الزمان نے پیدا ہو کر تبلیغ شروع کردی ہے۔ اس خبر سے مدینہ کے بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے اور مکّہ کے حالات معلوم کرتے رہے اور منتظر تھے کہ کب آپ ادھر کا رُخ فرمائیں، چناں چہ آپ ۵۳ سال کی عمر میں مدینہ طیّبہ تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگ راستے ہی میں زیارت کے لیے حاضر ہونا شروع ہوگئے اور آپ کو مدینہ طیّبہ لے گئے اور آپ کے اخلاق کو دیکھ دیکھ کر لوگ گرویدۂ اسلام ہوگئے اور جوق در جوق مسلمان ہونا شروع ہوگئے۔ مدینہ والوں نے آپ سے جنگ نہیں کی۔ جب مدینہ طیّبہ میں آپ کو دو سال ہوگئے تو مکّہ والوں نے آپ کے مقابلے کی تیاری کی۔ چناں چہ مقامِ بدر میں جو مدینہ سے اسّی میل کے فاصلے پر ہے، وہاں آپ اور آپ کے اصحاب کے ساتھ لڑائی کی۔ اس میں کفار ایک ہزار اور مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے۔ مسلمانوں کو کامیابی اور فتح حاصل ہوئی۔ غرضے کہ اس طرح سے آپ کے زمانے میں تیئیس لڑائیاں ہوئیں اور ہر مرتبہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے فتح ہوتی رہی اور کفارِ مکّہ وغیرہ مسلمان ہوتے رہے۔

مشروعیتِ جہاد

سوال: جہاد کا کیوں حکم ہوا اس سے تو بزورِ تلوار اسلام پھیلانا معلوم ہوتا ہے؟

جواب: اسلام میں اسلام قبول کرنے کے لیے نہایت آزادی دی گئی ہے، کسی پر زور نہیں ڈالا گیا۔ ببانگ دہل اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ارشاد فرمایا:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ﴾[1] دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ﴾[2] جس کا دل چاہے ایمان لائے اور جس کا دل چاہے کافر رہے۔

پھر بھلا اس قدر صاف حکم ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا، کس قدر ظلم کی بات ہے اور سراسر اسلام پر تہمت ہے۔ رہی یہ بات کہ پھر جہاد کا حکم کیوں ہوا، اس کی کئی وجوہ ہیں:

محافظت، مدافعت، اصلاحِ عوام، تذللِ باغیان ہر عاقل و شجاع حتی الامکان مظالمِ غیر سہتا ہے۔ لسانی اور سنانی تلوار و بندوق سے کسی طرح سے حملہ آور نہیں ہوتا۔ خاموش زندگی حلیمانہ گزارتا ہے، جب زائد حملے دشمنوں کے دیکھتا ہے تو حکیمانہ و مدبرانہ طرز اختیار کرتا ہے، اس پر بھی دشمن باز نہ آئے تو ناصحانہ و خیر خواہانہ فہمایش سے کام لیتا ہے، اس کے بعد بھی اگر دشمن کی دشمنی نہ خفیف ہوئی نہ ختم تب جارحانہ طریقِ عمل اپنی محافظت کے لیے عمل میں لاتا ہے۔ اور اگر دشمن کا فساد عام ہے تو قیامِ امن کے لیے شمشیر زنی کر کے چند افراد کو موت کے گھاٹ اتار کر امن عام قائم کرتا ہے اور سب کو سکھ کی نیند سلاتا ہے۔ وہ محافظتِ شخصی تھی تو یہ محافظتِ عام ہے۔ جس طرح ڈاکٹر حتی الامکان اوّلاً کسی سفوف سے زخم کو مندمل کرنے کی فکر کرتا ہے اس سے کام نہ چلے تو مرہم سے، ورنہ بڑھتا ہوا زخم اور پورے جسم پر حملہ کرنے والا بدنی گلاؤ لائقِ آپریشن ہی ہوا کرتا ہے اور ماہر ڈاکٹر تمام اعضا کو باقی رکھنے کے لیے ایک عضو کو الگ کر دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ کرے تو وہ ڈاکٹر اپنے فن کا ماہر نہیں جو صرف مرہم لگانا جانتا ہے مگر گلے سڑے اعضا کا آپریشن کرنا نہیں جانتا۔

---

[1] البقرۃ: ۲۵۶ [2] الکہف: ۲۹

ٹھیک اسی طرح جب کہ مخالفینِ اسلام نے تیرہ سال مکّہ کی زندگی کو مسلمانانِ مکّہ اور سرورِ دو عالم ﷺ پر سخت پریشان کن واقعات اور ظالمانہ برتاؤ و جانی مالی عزت و آبرو ہر قسم کے صدمات اور نقصانات میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا، کتے چھوڑے گئے، پتھر برسائے گئے، کانٹے بچھائے گئے، اونٹ کی اوجھڑی آں حضرت ﷺ کی گردن پر عین حالتِ سجدہ میں رکھی گئی، تین سال تک مع متعلّقین آں حضرت ﷺ کو محصور رکھا، مکمّل مقاطعہ کیا گیا، مسلمان غلام صحابہ کو نہایت بے دردی سے عربستان جیسی تپتی ہوئی زمین پر لٹایا جاتا، چاروں طرف زمین دہکائی جاتی، اسی پر بس نہ تھا بلکہ اوپر سے پتھر سینے پر رکھ کر کھینچا جاتا، لوہے کی زنجیروں سے مارا جاتا، باوجود ان تمام تر مصائب کے بجز تحمّل و بردباری کے کوئی جواب نہ تھا حتیٰ کہ گھر سے بے گھر ہونا منظور ہوا، جب مظالم کی حد نہ رہی، کفار آئے دن طرح طرح بے چین کرنے لگے، کفر کے زہریلے اثر، شرک کے فاسد زخم بڑھانے میں کوشاں اور تندرست اعضا اور صلاحیت اور قلوب کو کفر و شرک کی طرف کھینچنے میں برابر ساعی رہے جو کہ فسادِ عام تھا اور کسی طرح صلاح پر نہ آئے تو رحمتِ خداوندی نے اس کو دفع کرنے اور محافظتِ عالم کے لیے مثل آپریشن جہاد کا حکم نازل فرمایا، اور یہ بھی صرف اُن ہی کے لیے جو اسلام کو مٹانے کی انتھک کوشش کرنے میں برسرِ پیکار ہوتے۔ ان کے متعلّقین عورتیں بچے اور بوڑھے اور مذہبی علما جو لڑائی میں حصّہ نہ لیتے وہ مامون تھے، ان پر مسلمان تلوار نہ اُٹھاتے۔ یہ حقیقت ہے جہاد کی، اور یہی ہے جارحانہ مدافعانہ محافظانہ غزوات کا مقصد۔ نیز ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ وہ تیرہ سالہ زندگی مکّہ کی جس میں بجز غربت و مسکنت، ناداری و کمزوری کے کچھ نہ تھا، ہادیٔ اسلام میں ظاہری شان و شوکت، ریاست و سلطنت، فوج و سپاہ نہ ہونے کے باوجود جو ہزاروں اشخاص مسلمان ہوئے ان پر کس نے تلوار اُٹھائی؟

یہی فرماتے ہیں تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

ذرا یورپ کی تاریخ سامنے رکھیں، بالخصوص اندلس کے حالات تو ان کی تہذیب و تمدن کی قلعی کھل جائے۔ خود مؤرخین یورپ کے اقرار و بیان کے موافق نویں صدی عیسوی سے

سترھویں صدی عیسوی تک قتل و غارت گری اور طرح طرح کے مصائب ڈال کر مسلمانوں کو عیسائیت کی طرف مجبور کیا گیا۔ سینکڑوں بندگانِ خدا کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ ہزاروں کو قتل کیا گیا۔ سینکڑوں کو قید کر کے ان کے سامنے ان کے بچوں کو ذبح کیا گیا۔ لاکھوں مسلمان اپنے دین کی حفاظت کے لیے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ غرناطہ کے میدان میں مسلمانوں کی اسّی ہزار قلمی نادر و نایاب کتابوں کا بے نظیر ذخیرہ جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔ سولھویں صدی میں ملک فلیپ نے اپنی قلم رَو میں عربی زبان کا ایک بھی جملہ بولنے کو جرم قرار دے دیا۔

مسلمانوں کے آثار کو ایک ایک کر کے مٹایا۔ قرطبہ کی یکتائے روزگار بے نظیر جامع مسجد میں متعدد گرجا بنائے۔ قصرِ حمرا اور رہزا (زہرا) جو عالم میں بے نظیر اور بارہ ہزار برجوں پر مشتمل اور "أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کی صداؤں سے گونجنے والے تھے، ان میں صلیب قائم کی گئیں۔ گرجے بنائے گئے جو آج تک قائم ہیں۔ ان حالات کی قدرِ قلیل کوئی مثال بھی جہاد میں ہوئی۔ حیف صد حیف! دن دھاڑے آفتاب پر غبار ڈالنا ہے۔ یہ کہہ کر کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے اور اسلام میں مسلمان کرنا اور لوٹ مار کر اپنی معاش مہیّا کرنا ہے۔ حالاں کہ اسلام نے کفر پر قائم رہتے ہوئے لوگوں کی وہی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی جس طرح ایک مسلمان کی کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ عین مقابلے کے وقت ان لوگوں کو بھی بچایا جاتا تھا جن کی حسین معاشرت، حسنِ اخلاق کی خبریں آں حضرت ﷺ کو پہنچتی رہتی تھیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے بنی مدلج پر حملہ کرنے سے اس لیے منع کر دیا کہ وہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔

الغرض مدافعانہ اور جارحانہ جہاد کا مقصد صرف مکارمِ اخلاق کی اشاعت، اسلام کا تحفّظ اور کفر و نفاق کے زہریلے اثر پھیلتے ہوؤں کا دفعیہ ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ وہ ڈاکٹر اپنے فن کا ماہر نہیں ہوسکتا جو صرف مرہم لگانا جانتا ہو مگر سڑے ہوئے فاسد اعضا کا آپریشن کرنا نہیں جانتا۔ اسی طرح وہ مذہب بھی کامل نہیں جس میں سیاست نہ ہو اور وہ سیاست مکمّل نہیں جس میں کفر و شرک کے باغیانہ طرز کے لیے زہر ہلاہل کا تریاق تلوار نہ ہو۔ وہ مذہب کامل نہیں جس میں سیاست نہ ہو اور وہ سیاست نہیں جو مذہب کے ماتحت نہیں۔

غزوات کا بیان

سوال: غزوہ کسے کہتے ہیں؟
جواب: غزوہ اسے کہتے ہیں کہ جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بہ نفسِ نفیس شرکت فرمائی ہو۔
سوال: غزوات کی مجموعی تعداد کتنی ہے؟
جواب: مجموعی تعداد تیئیس ہے جن میں سے نو میں جنگ کی نوبت آئی باقی میں نہیں۔
سوال: ان کے نام بھی بتا دیجیے تاکہ معلومات میں اضافہ ہو سکے؟
جواب: ان کے نام یہ ہیں: غزوۂ بدر، غزوۂ ابواء، غزوۂ بُواط، غزوۂ بنی قینقاع، غزوۂ سویق، غزوۂ غطفان، غزوۂ اُحد، غزوۂ حمراء الاسد، غزوۂ بنی نضیر، غزوۂ بدر صغریٰ، غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ دومتہ الجندل، غزوۂ بنی مصطلق، غزوۂ خندق، غزوۂ بنی لحیان، غزوۂ غابہ، غزوۂ حدیبیہ، غزوۂ خیبر، غزوۂ موتہ، غزوۂ فتحِ مکّہ، غزوۂ حنین، غزوۂ طائف، غزوۂ تبوک۔
سوال: چند غزوات کا حال بیان کیجیے؟
جواب: من جملہ غزوات میں سے ایک غزوۂ بدر ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

غزوۂ بدر ۲ھ

بدر ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے اسّی (۸۰) میل کے فاصلے پر ہے، یہ غزوہ غزواتِ اسلام میں سب سے پہلا غزوہ ہے۔ اس لیے کہ اسلام کی عزت و شوکت کی ابتدا اور کفر و شرک کی ذلت و رسوائی کی ابتدا اسی غزوے سے ہوئی، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اسلام کو بلا ظاہری اور مادی اسباب کے محض غیب سے قوت حاصل ہوئی، اور کفر و شرک کے سر پر ایسی کاری ضرب لگی کہ کفر کے دماغ کی ہڈی چور چور ہو گئی۔ میدانِ بدر جس کا شاہد عدل اب تک موجود ہے اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس دن کو قرآنِ پاک میں یوم الفرقان فرمایا ہے، یعنی حق و باطل میں فرق اور امتیاز کا دن۔ بلکہ یہ مہینہ ہی فرقان کا تھا، یعنی رمضان المبارک کا، جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید نازل فرما کر حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کا فرق واضح فرمایا اور پھر

ماہِ رمضان کے مہینہ میں روزے فرض کیے، تاکہ محبین و مخلصین و عاشقین کا امتحان فرمائے کہ کون اس کا محبِّ صادق ہے کہ صبحِ صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک اس کی محبّت میں بھوک پیاس وغیرہ کے شدائد برداشت کرتا ہے اور کون محبِّ کاذب ہے کہ اپنے پیٹ اور جبڑوں کا زرخرید غلام ہے۔

آغازِ قصّہ

سوال: غزوۂ بدر کا آغاز کیسے ہوا؟

جواب: صورت اس کی یہ ہوئی کہ کفارِ مکّہ اپنی سرمایہ داری کے بل بوتے پر مکّہ کے مسلمانوں کو ہراساں اور پریشان کرتے تھے اور اسلام کے مٹانے کے درپے رہتے۔ تو سیاسی اصولوں کے موافق حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرمایہ داری جو کہ ان کی مایہ ناز شوکت کا سبب بنی ہوئی تھی، اس کو ختم کرنا چاہا، چناں چہ معلوم ہوا کہ ایک تجارتی قافلہ کفارِ مکّہ قریش کا شام سے آرہا ہے، آپ نے اس کی اطلاع پا کر بارہ رمضان المبارک ۲ھ میں ۳۱۳ صحابہ مہاجر و انصار کو لے کر مدینہ سے باہر چالیس میل کے فاصلہ پر اس قافلے کی گزرگاہ پر پڑاؤ ڈال دیا، مگر ادھر قریشی قافلے کو معلوم ہوگیا تو ان کا سردار ابو سفیان ان کو دوسرے راستے سے لے گیا۔ اور ایک سوار مکّہ کی طرف دوڑا دیا کہ قریش اپنی جمعیّت لے کر امداد کو پہنچیں۔

چناں چہ ایک ہزار نوجوان مکّہ سے مسلمانوں کے مقابلے میں چل کھڑے ہوئے جن میں سو گھوڑے اور سات سو اونٹ اور بڑے بڑے سردار متمول لوگ شامل تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی اطلاع پا کر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا صحابہ کرام نے ہر طرح جان و مال سے جاں نثاری کا اظہار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر آگے بڑھنے کا حکم فرمایا۔ لشکرِ اسلام آگے بڑھا مگر جو جگہ لڑائی کے لیے موزوں اور بہتر تھی اس پر قریش کا لشکر پہلے سے قابض ہو چکا تھا کہ پانی کے مواقع اور پاؤں جمنے کی صورت اسی طرف تھی، لیکن رحمت کے صدقہ کہ ایسی بارش ہوئی کہ مسلمانوں کی طرف بارش ہو کر پانی کا

ہوگئے۔ مسلمانوں میں سے صرف حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوئے مبارک پر جامِ شہادت پیا۔ سبحان اللہ! کیا خوب شہادت عطا ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو قبر میں اتر کر دفن کیا، یہ امتیازی فضیلت حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا حصّہ تھا۔ اس کے بعد گھمسان کی جنگ شروع ہوئی اور ادھر آپ سجدے میں سر رکھ کر نصرت و فتح کی دُعا میں مشغول ہوگئے، یہاں تک کہ آپ کو مطمئن کر دیا گیا۔ اور حضرت معوّذ اور معاذ رضی اللہ عنہما دونوں بھائیوں نے ابوجہل کو موت کے گھاٹ اتار دیا، ادھر ایک مٹھی بھر کنکریوں کا معجزہ کہ لشکرِ دشمن تک کنکریاں پہنچیں، اور ملائکہ سے امدادِ الٰہی ہوئی۔ قریش کے بڑے بڑے سردار عتبہ، شیبہ، ابوجہل، اُمیہ بن خلف، عقبہ مارے گئے۔ باقی بھاگ پڑے۔ ان کا پیچھا کیا گیا تو بعض قتل کیے گئے، بعض کو گرفتار کرلیا گیا۔ اس طرح ستّر مقتول اور ستّر گرفتار ہوئے اور ادھر مسلمانوں سے صرف چودہ مسلمان شہید ہوئے: چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے۔

اسیرانِ جنگِ بدر کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک

سوال: جو کفار گرفتار ہوئے ان کے ساتھ مسلمانوں نے کیا سلوک کیا؟

جواب: جناب! اسلام نے حتی الامکان سب کے ساتھ مروّت، نیک سلوک کا معاملہ کرنے کو فرمایا ہے، چناں چہ ان دشمنانِ اسلام کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا کہ دوسری قوموں میں اس کی نظیر نہیں ہے۔ جس وقت اسیرانِ جنگ مشرکین مدینہ طیّبہ پہنچے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو، چار چار کر کے صحابہ میں تقسیم کر دیے اور حکم فرمایا کہ ان کو آرام سے رکھا جائے۔ چناں چہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے برتاؤ کا یہ حال تھا کہ صحابہ ان قیدیوں

کو کھانا کھلاتے تھے اور خود صرف کھجوروں پر رہتے تھے اور بعد مشورہ ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ فدیہ بھی قلیل یعنی چار ہزار درہم فدیہ مقرر کیا گیا۔

مساوات اس درجہ کہ حضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو ابھی مسلمان نہ تھے، ان سے بھی یہی معاملہ کیا گیا۔ حالاں کہ انصار نے خدمتِ نبوی میں عرض بھی کیا کہ معاف فرما دیا جائے، مگر اسلامی مساوات میں بحقِ جرم عزیز و قریب، دوست و دشمن سب برابر ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کے داماد ابوالعاص بھی گرفتار ہو کر آئے تھے اور فدیہ لے کر چھوڑ دیے گئے، مگر یہ فدیہ آپ کی صاحب زادی حضرت زینب کا ہار تھا جس کو نکاح میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس ہار کو واپس کر دیا۔ پھر ابوالعاص بھی بعد کو بہ خوشی مکّہ معظّمہ سے شُرکا کا حساب بے باق کر کے حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

بدر کے قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے، آں حضرت ﷺ نے سب کو کپڑے دلوا دیے، مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد لمبا تھا کسی کا کرتا جسم پر نہ آیا تو عبداللہ بن اُبی نے اپنا کپڑا دے دیا۔ چوں کہ عبداللہ مسلمان نہ تھا، بڑا منافق تھا اس کا احسان بار معلوم ہوا، اس کا آپ ﷺ نے یہ بدل کیا کہ اپنا کُرتا عبداللہ بن اُبی کے کفن میں عنایت فرما دیا۔

سوال: یہ فدیہ ہر شخص سے لینا تو سخت حکم معلوم ہوتا ہے غریب آدمی کے لیے بھاری مصیبت ہے؟

جواب: آپ نے سوال میں جلدی کی۔ متکلّم کا کلام پورا ہونے پر سوال کرنا چاہیے۔ ابھی اس کا کچھ حصّہ باقی ہے۔ وہ یہ کہ ان اسیروں میں جو غریب تھے ان سے فدیہ نہ لیا گیا بلکہ ان میں جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے ان سے کہا گیا کہ تم دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو، تمہارا یہی فدیہ ہے۔ حضرت زید بن ثابت جو وحی کے کاتب رہے انھوں نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔

اب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ کس قدر مروّت و انصاف کے ساتھ فدیہ کا حکم دیا گیا کہ جو زیادہ مال دار تھے ان سے چار ہزار درہم سے بھی زیادہ لیا گیا، چناں چہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے زیادہ لیا گیا۔ حضرت عباس بعد میں اسلام لے آئے تھے۔

غزوۂ اُحد ۳ھ

سوال: غزوۂ اُحد کا حال بیان کیجیے؟

جواب: اُحد مدینہ کے قریب ایک پہاڑ ہے، جہاں حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر ہے۔ وہاں ماہِ شوال ۳ھ میں جہاد ہوا۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ مشرکین غزوۂ بدر میں شکست کھا کر جوشِ انتقام سے بھرے بیٹھے تھے۔ مدینہ طیّبہ پر چڑھائی کا ارادہ کرلیا اور تین ہزار نوجوان پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ کی طرف چڑھ آئے، جن میں تین ہزار اونٹ اور دو سو گھوڑے سات سو زرہیں تھیں۔ حتیٰ کہ مشرکین نے چودہ عورتیں بھی ہمراہ لیں تاکہ اپنے اشعار سے مردوں کو غیرت دلاسکیں اور بھاگنے پر ملامت کریں۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو ایک ہزار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ مدینہ سے باہر تشریف لائے جن میں عبداللہ بن اُبی منافق بھی تھا، مگر یہ راستے ہی سے واپس ہوگیا، اور اس کے ساتھ تین سو آدمی بھی واپس ہوگئے۔ اب تین ہزار کفار کے مقابلے میں مسلمان صرف سات سو تھے جن میں بعض بچے بھی تھے ان کو واپس ہونے کو کہا تو ایک بچہ رافع بن خدیج پنجوں کے بل کھڑے ہوگئے۔ یہ شوق دیکھ کر وہ داخل کر لیے گئے۔ یہ دیکھ کر دوسرا بچہ سمرہ بن جندب نے کہا: یا رسول اللہ! میں تو اس کو پچھاڑ دیتا ہوں۔ اگر وہ جہاد میں لیے جائیں تو مجھے بھی داخل فرمالیجیے۔ چناں چہ کُشتی ہوئی اور کامیاب ہوئے۔ ان کو بھی شریکِ لشکر کیا گیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس آدمی اُحد پر پہرے کے لیے مقرر فرمادیے اور فرمایا کہ یہاں سے نہ ہٹنا، لڑائی شروع ہوئی اور دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوئی، مسلمان فاتح تھے اور کفار شکست کھا کر بھاگتے ہوئے نظر آئے تو مسلمانوں نے مالِ غنیمت جمع کرنا شروع کردیا۔ یہ دیکھتے ہی وہ لوگ اپنی جگہ چھوڑ کر یہاں آگئے جن کو عقب کی جانب پہاڑی پر نگرانی کے لیے مقرر فرمایا گیا۔ ان کے امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بہت منع کیا، مگر وہ یہ سمجھ کر کہ اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں رہی یہاں سے ہٹ گئے نہ

رُکے، اور یہاں صرف چند صحابہ رہ گئے۔ اس جگہ کا چھوڑنا تھا کہ جنگ کا نقشہ بدل گیا، خالد بن ولید جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے، انھوں نے موقع کو غنیمت جانا اور پہاڑی کی طرف سے اچانک حملہ کر دیا۔ پہاڑی والے سب شہید ہو گئے۔ بس راستہ صاف ہو گیا اور ایسی لڑائی ہوئی کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ صحابہ میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے اور چوں کہ یہ آں حضرت ﷺ کے ساتھ ایک گونہ مشابہت رکھتے تھے اس لیے ان کی شہادت سے یہ شہرت ہو گئی کہ آں حضرت ﷺ شہید ہو گئے۔

اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن جانباز لوگ اس وقت بھی سرگرم تھے۔ اور نگاہیں برابر قبلۂ مقصود رسول اللہ ﷺ کو اشتیاق کے ساتھ ڈھونڈ رہی تھیں کہ آپ پر نظر پڑ ہی گئی، شور ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ بخیر و عافیت یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ بس یہ سننا تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی طرف دوڑ پڑے مگر ساتھ ہی کفار بھی اس طرف لپکے اور ادھر ہی سب کا زور ہو گیا حتیٰ کہ کئی مرتبہ آپ پر حملہ ہوا مگر آپ ﷺ محفوظ رہے۔

ایک مرتبہ جب کفار نے ہجوم کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو میری حفاظت کرے گا؟ حضرت زیاد بن سکن مع چار صحابہ رضی اللہ عنہم حاضر ہوئے اور وہ سب کے سب شہید ہو گئے۔

آپ ﷺ کے چہرۂ انور کا زخمی ہونا: ایک کافر عبداللہ صفوف کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور آں حضرت ﷺ کے چہرۂ انور پر تلوار کا ایک وار کیا جس سے خَود کی دو کڑیاں آپ کے چہرۂ انور میں گھس گئیں اور ایک دندان مبارک شہید ہو گیا۔ خَود کی کڑیاں نکالنے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے مگر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے قسم دے کر ان کو ہٹایا اور خَود کی کڑیاں دانت سے نکالیں، مگر اس کے ساتھ دو دانت بھی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے گر گئے۔ آپ ﷺ قریب کے ایک گڑھے (جس کو کفار نے مسلمانوں کے گرنے کے لیے بنایا تھا) میں گر گئے۔

قابلِ غور! اللہ رے صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ ہمدردی کہ یہ دیکھ کر آپ پر چھا گئے۔ ادھر کفار کی طرف سے تیروں اور تلواروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی، ادھر یہ سب صحابہ بوچھاڑ اپنے اوپر لے رہے تھے۔ ابودجانہ صحابی آپ کی پشت مبارک پر مثل ڈھال بن گئے جو تیر آتا وہ آپ کی پشت

پر لگتا تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے تیروں اور تلواروں کو اپنے اوپر روکا جس سے ہاتھ کٹ کر گر گیا اور حضرت طلحہ کے بدن پر ستّر سے زیادہ زخم آئے۔ قریش بد بخت سخت بے رحمی سے آپ پر تلواریں برسا رہے تھے مگر رحمت للعالمین کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ. کہ اے میرے پروردگار! میری قوم کو بخش دے وہ مجھے جانتے نہیں۔

یہ کہتے جاتے تھے اور چہرۂ انور سے خون جاری تھا اس کو کپڑے وغیرہ سے پونچھتے جا رہے تھے اور فرمایا کہ اگر اس خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گر جاتا تو سب پر عذابِ خداوندی نازل ہو جاتا۔

بفضلہٖ تعالیٰ کفار ہارے اور مسلمان فتح یاب ہو کر مدینہ طیّبہ واپس آئے۔ اس غزوے میں کفار صرف بائیس تیئیس مارے گئے اور مسلمانوں میں ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔

غزوۂ خندق ۵ھ

سوال: غزوۂ خندق کب واقع ہوا اس کا بھی حال بیان کیجیے؟

جواب: ذیقعدہ ۵ھ میں غزوۂ خندق واقع ہوا۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب آپ مدینہ طیّبہ تشریف لے گئے وہاں کے یہود سے جو سردار مانے جاتے تھے، معاہدہ مصالحت کا ہو گیا تھا، جس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفا کرتے رہے مگر یہودی مسلمانوں کی کامیابی اور ترقئ اسلام روزانہ بڑھتی دیکھ کر اندر اندر حسد کے مارے جلے جا رہے تھے اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کے درپے ہوتے تھے۔ بالآخر کم ظرفی ظاہر ہوئی اور ۲ھ میں یہود بنی قینقاع نے اعلانِ جنگ اور پھر بنی نضیر نے عہد شکنی کی بغاوت شروع کر دی۔ تب آپ نے بھی جنگ کی تیاری شروع کر دی اور مقابلہ ہوا، یہ سب قلعہ میں بند ہو گئے۔ اور کچھ عرصہ بعد جلا وطن ہو کر مدینہ طیّبہ سے چلے گئے۔ بنی قینقاع شام کی طرف اور بنی نضیر خیبر وغیرہ چلے گئے۔ ادھر کفارِ قریش ان کو بہکا رہے تھے، چناں چہ یہ لوگ قریش سے جا ملے اور پھر اپنی اجتماعی قوت کے بھروسے پر مسلمانوں کے مقابلے کے

لیے تل کھڑے ہوئے اور چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ذات الرقاع محرم ۵ھ اور پھر غزوۂ دومتہ الجندل ربیع الاوّل ۵ھ میں ہوا۔ غزوہ بنی مصطلق شعبان ۵ھ میں ہوا۔ اس کے بعد بڑی جنگ غزوۂ خندق ذیقعدہ ۵ھ میں واقع ہوئی کہ کفارِ مکّہ اور یہودِ مدینہ، بنی قینقاع و بنی نضیر سب نے مل کر مدینہ طیّبہ پر حملہ کرنا چاہا اور دس ہزار کی جمعیّت لے کر مدینہ طیّبہ پر چڑھائی کردی۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تیاری فرمائی، مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ باہر نکل کر لڑنا مناسب نہیں اس لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کے اردگرد خندق کھود دی جائے۔ چناں چہ آپ نے تین ہزار صحابہ کو لے کر چھ دن میں پانچ گز گہری خندق تیار کرائی جس میں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہ نفسِ نفیس شریک تھے۔ ایک مقام پر سخت پتھر کی چٹان نکلی، سب صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو توڑنے سے عاجز ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ایک پھاوڑا مارا تو اس کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ خندق تیار ہوگئی، اسی وجہ سے اس کو غزوۂ خندق کہتے ہیں۔

ادھر کفار نے پہنچ کر مدینہ کا محاصرہ کرلیا اور قریب پندرہ روز کے مسلمانوں کو محصور ہونا پڑا۔ اس عرصہ میں بنی قریظہ بھی عہد شکنی کر کے کفار کے ساتھ جا ملے۔

محاصرے کی وجہ سے مسلمانانِ مدینہ بے چین ہوئے کہ تین دن فاقہ سے گزر گئے۔ یہاں تک کہ پیٹ سے پتھر باندھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیٹ دکھلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنا شکم مبارک دکھلایا جس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

کفار پر ہوا کا طوفان اور نصرتِ الٰہی: جب مخالفینِ اسلام خندق کی وجہ سے اندر نہ گھس سکے تو باہر ہی سے پتھر برسانے لگے دونوں طرف سے برابر تیر اندازی ہوتی رہی اور اس قدر مہلت نہ مل سکی کہ نماز ادا کرسکتے۔ چار نمازیں قضا ہوگئیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی رحمت وعدۂ نصرت و فتح کا ظہور ہوا، وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہوا کا طوفان لشکرِ کفار پر مسلّط فرمایا کہ خیمے اکھڑ گئے، دیگچیاں چولھوں پر سے الٹ گئیں، سارے لشکرِ کفار کے پاؤں اکھڑ گئے، حواس جاتے رہے، ان کا سامانِ رسد ختم ہوگیا۔ نیز ایک صحابی نعیم رضی اللہ عنہ نامی نے ایسی تدبیر چلائی کہ

جس سے کفار کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ چناں چہ کفار ٹھہر نہ سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان صاف ہوگیا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

فائدہ جلیلہ: خندق کھودنا یہ اہلِ عرب کا طریقہ نہ تھا۔ بلکہ فارس کا طریقہ تھا۔ شاہانِ فارس میں سب سے پہلے منوشہر بن ابیرج بن افریدون نے خندقیں کھود کر جنگ کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔[1]

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے اس طریق کو اپنایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں کفار کے طریقۂ جنگ کو اختیار کرنا درست ہے۔ اور علیٰ ہذا کفار کے ایجاد کردہ آلاتِ حرب کا استعمال بھی درست ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ طائف میں منجنیق کا استعمال فرمایا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تستر میں ابوموسیٰ اشعری کو منجنیق قائم کرنے کا حکم دیا۔ اور عمرو بن العاص نے جب اسکندریہ کا محاصرہ کیا تو منجنیق کا استعمال کیا اور علی ہذا زہر آلود تیر اور تلواروں کا استعمال بھی درست ہے۔ لیکن تدخین[2] کا استعمال صرف اس وقت جائز ہے کہ جب دشمنوں کے زیر کرنے کی اور کوئی صورت باقی نہ رہے۔

شریعتِ اسلامیہ کسی صنعتی اور حرفتی ترقی کو منع نہیں کرتی، بلکہ اس صنعت اور حرفت کو جس سے ملک کو ترقی ہو، فرض علی الکفایہ قرار دیتی ہے۔ جیسا کہ تمام فقہائے کرام کا اجماع ہے۔ البتہ شریعتِ اسلامیہ یورپ کی بے حیائی اور بے شرمی اور شہوانی اور نفسانی تہذیب کی شدید مخالف ہے۔ اس لیے کہ شہوانی اور نفسانی اُمور میں آزادی اخلاق اور معاشرے کو تباہ و برباد کرتی ہے جو ملکی تنزلی کا باعث ہے۔

صلحِ حدیبیہ ۶ھ

سوال: صلحِ حدیبیہ کب اور کیسے ہوئی؟

جواب: غزوۂ احزاب کے بعد جس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ میں عمرہ کر رہا ہوں۔ صبح کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اشتیاق ظاہر کیا اور

[1] روض الانف، ج ۵ ص: ۱۸۷ [2] یعنی دھواں پھیلا دینا جس سے لوگ مر جائیں جس کو آج کل زہریلی گیس کہتے ہیں۔

اصرار کیا کہ یارسول اللہ! تشریف لے چلیے۔آپ نے غلبۂ شوق دیکھ کر یکم ذیقعدہ بروزِ دوشنبہ ۶ھ کو مکّہ معظّمہ کا ارادہ فرمایا اور عمرے کا احرام باندھا اور تقریباً چودہ پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی احرام باندھا، جس وقت حدیبیہ کے مقام پر جو کہ مکّہ معظّمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے تو وہاں قیام فرمایا۔ وہاں ایک کنواں تھا جو پانی سے خشک تھا، آپ کے معجزے سے اس قدر پانی اس میں آیا کہ سب کے سب سیراب ہوگئے۔

بیعتِ رضوان: یہاں سے آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکّہ معظّمہ بھیجا کہ جا کر اہلِ مکّہ سے کہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صرف زیارتِ بیت اللہ کے لیے تشریف لا رہے ہیں کوئی سیاسی غرض نہیں ہے۔ جب یہ پیغام لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکّہ معظّمہ پہنچے تو کفار نے ان کو روک لیا اور یہاں یہ مشہور ہوگیا کہ کفار نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جہاد پر بیعت لی۔اس بیعت کو ''بیعتِ رضوان'' کہتے ہیں۔جس کا ذکر قرآنِ پاک میں بھی سورۂ فتح کے اندر فرمایا گیا ہے۔لیکن بعد میں جب معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر غلط تھی تو پھر آپ نے جہاد کا ارادہ ملتوی فرما دیا۔

ادھر جب قریش کو اس بات کا علم ہوا تو مرعوب اور خوف زدہ ہوگئے اور صلح نامے کے لیے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کر دیا اور سہیل بن عمرو کو شرائط طے کرنے کے لیے بھیجا، چناں چہ حسبِ ذیل شرائط طے ہو کر دس سال کے لیے باہمی صلح ہوگئی۔

شرائطِ عہد نامہ: مسلمان اس وقت واپس جائیں، آیندہ سال صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔تلوار ساتھ ہو تو میان میں رکھیں۔مکّہ سے کسی مسلمان کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں، اگر کوئی مسلمان مکّہ میں رہنا چاہے تو اسے منع نہ کریں۔اگر کوئی شخص مکّہ سے مدینہ چلا جائے تو آپ واپس کر دیں، اگر مدینہ سے کوئی آجائے تو ہم اسے واپس نہ کریں گے۔

یہ شرائط بظاہر مغلوبانہ صلح پر مشتمل تھیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گرانی بھی ہوئی، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض بھی کر دیا کہ یارسول اللہ! ایسی مغلوبانہ صلح کیسی؟ آپ نے فرمایا

کہ اسی طرح حکمِ الٰہی ہے اور اسی میں ہمارے مستقبل کی فلاح مضمر ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کو سورۂ فتح میں فتحِ مبین کے نام سے موسوم فرمایا۔ ارشاد ہے کہ ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝﴾ (بے شک ہم نے اس حدیبیہ سے آپ کو ایک کھلّم کھلا فتح دی) چناں چہ بعد کے واقعات نے اس راز کو کھول دیا کہ اس صلح سے مسلمانوں اور کفار میں آمد و رفت آزادی کے ساتھ شروع ہوگئے اور بہ کثرت لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس صلح کی وجہ سے جب راستہ صاف ہوگیا تو حضور ﷺ نے حق کی آواز تمام جہان کے بادشاہوں تک پہنچانے کا ارادہ فرمایا اور سلاطین کو خطوط جاری کیے۔

غزوۂ خیبر ۷ھ

غزوۂ خیبر، عمرے کی قضا، فتحِ فدک:

سوال: غزوۂ خیبر کا کچھ حال بیان کیجیے؟

جواب: مدینہ منورہ کے یہودی بنی نضیر جب خیبر جا کر آباد ہوئے تو خیبر یہودیت کا مرکز بن گیا۔ یہ یہودی تمام اطراف کے عرب کو اسلام کے خلاف بھڑکاتے تھے، اس لیے ضرورت ہوئی کہ ان کو متنبہ کیا جائے۔ پس ۷ھ میں آں حضرت چھ سو سپاہ کے ساتھ جن میں دو سو سوار اور چار سو پیادہ تھے، بنی نضیر یہودیوں پر خیبر کی طرف جہاد کے لیے تشریف لے گئے۔ قتل و قتال کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور یہودیوں کے تمام قلعے مسلمانوں کے ہاتھ آگئے۔ اس جہاد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زیادہ حصّہ لیا، یہاں تک کہ بابِ خیبر کو تنہا ہاتھ سے اکھاڑ دیا۔ حالاں کہ ستّر آدمی اس کے ہلانے سے عاجز تھے، اور اس دروازہ کو بجائے ڈھال استعمال کیا جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔

اس سال آں حضرت ﷺ نے اس عمرے کی قضا کی جو صلحِ حدیبیہ میں چھوڑ دیا گیا تھا اور کفارِ قریش سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ آئندہ سال عمرہ کریں گے اور تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں گے چناں چہ مع رُفقا شرائط کی پوری پابندی کے ساتھ عمرہ ادا کیا اور تین دن قیام فرما کر مدینہ طیّبہ تشریف لائے۔

خیبر فتح ہونے کے بعد حضور ﷺ نے یہودِ فدک کی طرف ایک رسالہ بھیجا، انھوں نے صلح کر لی اس طرح فدک بھی فتح ہو گیا۔

فتحِ مکّہ معظّمہ ۸ھ

سوال: مکّہ معظّمہ کی فتح کا کچھ حال بیان کیجیے؟

جواب: حدیبیہ میں جو صلح نامہ لکھا گیا تھا اس پر مسلمان اپنی عادت کے مطابق پوری پابندی کے ساتھ قائم رہے۔ لیکن قریش نے اپنی عادت کے موافق عہد شکنی کی۔ نبی کریم ﷺ نے قاصد بھیج کر تجدیدِ صلح کے لیے کچھ شرطیں پیش فرمائیں اور تحریر فرمایا کہ شرطیں منظور نہ ہوں تو حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ جائے گا۔

قریش نے نقضِ معاہدہ کو پسند کیا۔ جب معاہدہ نہ رہا تو پھر آپ ﷺ نے جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں اور رمضان المبارک ۸ھ بدھ کے روز عصر کے بعد آپ دس ہزار کی جمعیّت کے ساتھ مدینہ طیّبہ سے تشریف لے چلے اور راستے میں بعد غروبِ آفتاب روزہ افطار فرمایا۔

مکّہ معظّمہ کے قریب پہنچ کر آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ دے کر روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ اوپر کی جانب سے مکّہ میں داخل ہوں، اور فرمایا کہ جو تم سے مقابلہ نہ کرے تم بھی مقابلہ نہ کرنا۔ اور دوسری جانب سے خود نبی کریم ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جو شخص بیت اللہ میں داخل ہوگا وہ مامون ہوگا، اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ بھی مامون ہے، اور جو شخص ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر داخل ہو جائے گا اس کو بھی امن دیا جائے گا۔ اس طرح بدونِ جنگ مکّہ معظّمہ فتح ہو گیا، موقع جنگ کا نہ آیا اور جو چند اشخاص فتنہ پرداز بھاگ گئے تھے وہ مکّہ معظّمہ فتح ہونے کے بعد مدینہ طیّبہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔

۲۰ رمضان المبارک جمعہ کے دن نبی کریم ﷺ نے طواف فرمایا۔ اس وقت بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں ایک

لکڑی تھی، اس سے بت کے پاس گزرتے ہوئے اشارہ فرماتے وہ بت منہ کے بل گر پڑتا اور آیت شریفہ زبان مبارک پر ہوتی تھی:

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝﴾[۱] اور آپ یوں کہہ دیجیے کہ) حق آ گیا اور باطل چلا گیا۔ بلاشبہ باطل جانے ہی والا ہے۔

فتح کے بعد قریش کے ساتھ مسلمانوں کا حسنِ سلوک: ذرا اس موقع پر بھی آں حضرت ﷺ کا خلقِ عظیم اور مسلمانوں کا حسنِ سلوک ملاحظہ ہو کہ قریش اس وقت سب لرزہ براندام تھے، کانپ رہے تھے کہ آج ہم کو قرار واقعی سزا دی جائے گی۔ ہمارے بیوی بچے ہمارے سامنے ذلیل اور مارے جائیں گے۔ مگر اللہ اکبر! اسلام کا حسنِ اقبال اور سراپا ترحّم کہ رحمت للعالمین ﷺ نے قریش کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم ہر طرح سے آزاد اور مامون ہو اور کنجی بھی خانہ کعبہ کی ان ہی کو واپس فرما دی۔ سبحان اللہ!

ادھر ابوسفیان جو قریش کے بڑے عَلَم بردار تھے اور تقریباً لڑائیوں کے تمام مواقع میں ان کی فوج کے افسر بھی ہوتے تھے۔ یہ جس وقت قید ہو کر حاضر ہوئے تو دربارِ نبوی سے معافی کا حکم صادر ہو گیا۔ اسی کا یہ اثر ہوا کہ فوراً ابوسفیان اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ فتحِ مکّہ کے بعد ایک شخص کانپتا ہوا خدمتِ مبارک میں حاضر ہوا، فرمایا: اطمینان رکھو ڈرو نہیں، میں کوئی بادشاہ نہیں ایک معمولی عورت کا بیٹا ہوں۔

اس کے بعد پندرہ روز مکّہ معظّمہ میں قیام فرما کر عتاب بن اُسید کو امیرِ مکّہ مقرر فرمایا اور مدینہ طیّبہ واپس تشریف لے آئے۔

غزوۂ حنین ۸ھ

سوال: غزوۂ حنین کا حال بیان کیجیے؟

جواب: فتحِ مکّہ کے بعد جوق در جوق فوج در فوج عام طور سے لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہونے لگے اور وہ لوگ جو اسلام کی حقانیت کا یقین رکھنے کے باوجود محض قریش کے رُعب

[۱] الإسراء: ۸۱

سے مسلمان ہونے سے رُکے ہوئے تھے اور مکّہ معظّمہ کی فتح کا انتظار کر رہے تھے، سب کے سب اسلام میں داخل ہوگئے۔ البتہ دو قبیلے ہوازن اور ثقیف آمادۂ جنگ ہو کر مکّہ معظّمہ کی طرف سے مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے، حضور ﷺ نے خبر پا کر بارہ ہزار کا لشکر مقابلے میں روانہ فرمایا جن میں دس ہزار مہاجرین وانصار تھے اور دو ہزار نومسلم جو حال ہی میں مکّہ معظّمہ میں مسلمان ہوئے تھے۔

۶ شوال ۸ھ کو یہ خدائی لشکر روانہ ہو کر وادیٔ حنین میں پہنچا جو کہ مکّہ معظّمہ سے تین منزل طائف کے قریب ایک مقام ہے، وہاں دشمن پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپے ہوئے تھے فوراً مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، مسلمانوں کا اگلا حصّہ صف بندی نہ ہونے کی وجہ سے پسپا ہونے لگا، مگر درحقیقت اس پسپائی اور ہار کا سبب باطنی عجب اور خود پسندی تھی جو مسلمانوں میں اپنی کثیر جماعت دیکھ کر پیدا ہوگئی تھی، اس لیے تنبہ کے لیے تھوڑی دیر کے لیے یہ تدبیر کی گئی اور بتلایا گیا کہ فتح وشکست کثرت اور محض تیروں اور تلواروں سے ہی نہیں بلکہ اس میں کسی اور کا ہی ہاتھ ہے۔

کب سلیقہ ہے فلک کو یہ ستم گاری میں
کوئی محبوب ہے اس پردہ زنگاری میں

آج کا دن ایسا دن تھا کہ حضور ﷺ بھی دو زرہ پہنے ہوئے تھے اور ایک سفید دلدل پر سوار تھے۔ جب آگے کا حصّہ پسپا ہوتے ہوئے دیکھا تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ایک بلند اور دلیرانہ آواز دلوائی جس سے صحابہ کے اکھڑے ہوئے پاؤں جم گئے اور قتل وقتال شروع ہوگیا۔ اور ادھر آں حضرت ﷺ نے ایک مٹھی مٹی لے کر غنیم کے لشکر کی طرف پھینکی جو حکم خدا سے دشمن کے لشکر کے ہر سپاہی کی آنکھوں میں جا پڑی اور آخر کار دشمن مرعوب ہو کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے جوشِ انتقام میں دشمنوں کے بچوں اور عورتوں کی طرف ہاتھ بڑھائے تو حضورِ اکرم ﷺ نے منع فرما دیا۔ اس غزوے میں مسلمان صرف چار شہید ہوئے اور کفار کے ستر سے زائد آدمی مارے گئے۔

غزوۂ طائف ۸ ھ

سوال: غزوۂ طائف کا حال بیان کیجیے؟

جواب: غزوۂ حنین کے بعد آں حضرت ﷺ طائف روانہ ہوئے کیوں کہ طائف ہوازن اور ثقیف کا مرکز تھا۔ یہاں پہنچ کر برابر اٹھارہ دن تک طائف کا محاصرہ کیا، لیکن فتح نہ ہوا، آپ ﷺ واپس ہوگئے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ طائف سے ایک جماعت ہوازن کی حاضرِ خدمت ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے وہ آدمی جو حنین میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہیں ان کو چھوڑ دیا جائے۔ آپ ﷺ نے یہ منظور فرما کر رہا فرما دیے اور مکّہ معظّمہ میں عمرہ فرماتے ہوئے ٦ ذیقعدہ ۸ ھ کو مدینہ طیّبہ تشریف لے آئے اور پھر طائف کے لوگ مدینہ طیّبہ حاضر ہو کر اسلام میں داخل ہوگئے۔ اس طرح طائف بھی فتح ہوگیا۔

غزوۂ تبوک ۹ ھ

سوال: غزوۂ تبوک کا حال بیان کیجیے؟

جواب: غزوۂ موتہ میں جو جماعت رومیوں کی شکست کھا چکی تھی اس نے پھر مسلمانوں سے جنگ کرنے کی تیاری کی اور مقامِ تبوک میں جو مدینہ طیّبہ سے چودہ منزل کے فاصلے پر ہے، پوری تیاری کے ساتھ پہنچ گئی۔ حضورِ اکرم ﷺ نے بھی جہاد کی تیاری شروع کر دی۔ اس وقت اگرچہ قحط کی وجہ سے سخت تنگ دستی اور افلاس تھا اور زمانہ بھی سخت گرمی کا تھا لیکن واہ رے جان نثاری کہ اس کے باوجود جہاد کی تیاری شروع ہوگئی اور چندہ کیا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا تمام سامان حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نو سو اونٹ سو گھوڑے وغیرہ حضور کے دربار میں لا کر رکھ دیے۔ آخر کار ماہِ رجب ۹ ھ میں جمعرات کے روز تیس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کی جمعیّت لے کر آں حضرت ﷺ تبوک کی طرف تشریف لے چلے جس وقت تبوک پہنچے تو وہاں کوئی نہ تھا۔ شاہ ہرقل حمص چلا گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت خالد کو اکیدر نصرانی کی طرف بھیجا

اور پیشین گوئی کے طور پر فرمایا کہ رات کے وقت اس سے ملوگے جب کہ وہ شکار کر رہا ہوگا۔ خالد پہنچے تو وہاں ٹھیک یہی واقعہ پیش آیا اور اس کو گرفتار کر لائے۔ آپ ﷺ پندرہ بیس روز وہیں مقیم رہے، لیکن کوئی مقابلے کو نہ آیا تو واپسی کا قصد فرمایا اور رمضان المبارک ۹ھ میں مدینہ طیّبہ واپس تشریف لے آئے۔

جب مدینہ طیّبہ واپسی ہوئی تو آپ نے وہ مکان جو معاندین نے مسلمانوں کے خلاف مشورے کے لیے مدینہ طیّبہ میں مسجد کے نام سے بنایا تھا، اس کو جلانے کا حکم دے دیا اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے اس کا نام مسجد رکھ دیا تھا اس کا لقب مسجدِ ضرار تھا وہ درحقیقت مسجد نہ تھی۔ یہ غزوہ آں حضرت ﷺ کا آخری غزوہ تھا اس کے بعد تمام جوانب میں اسلام کا سکّہ بیٹھ گیا اور دور دراز سے وفد کے وفد آکر برضا و رغبت اسلام کے حلقہ بگوش ہونے لگے اور جان و مال ہر وقت فدا کرنے کے لیے تیار تھے۔

لوگوں کا اسلام میں داخلہ

سوال: صلحِ حدیبیہ کے بعد لوگوں کے اسلام میں داخلے کا مختصر حال بیان کیجیے؟

جواب: صلحِ حدیبیہ کے بعد راستے مامون ہوئے تو اشاعتِ اسلام جس کو امن و امان کی ضرورت تھی ایک حد تک وسیع پیمانے پر ہوئی اور اسی لیے اس صلح کا نام آسمانی دفتروں میں فتح رکھا ہوا تھا، لیکن پھر بھی کچھ لوگ قریش کے دباؤ کی وجہ سے اسلام میں داخل نہ ہو سکے تھے فتحِ مکّہ نے اس قصّہ کو بھی تمام کر دیا۔ اب قرآنِ عظیم نے تمام عرب میں گھر گھر پہنچ کر اپنے اعجازی تصرف سے سب کے قلوب پر سکّہ بٹھا دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی لوگ جو کسی طرح اسلام اور مسلمانوں کی صورت نہ دیکھنا چاہتے تھے آج جوق در جوق آں حضرت ﷺ کی خدمت میں دور دراز کے سفر طے کرتے ہوئے وفود کی صورت میں پہنچتے ہیں اور برضا و رغبت اسلام کے حلقہ بگوش بن کر اپنا جان و مال فدا کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، اور یہ وفود اکثر ۹ھ میں حاضرِ اقدس ہوئے۔

وفود کا بیان

تبوک سے واپسی کے بعد پے در پے وفود آنے شروع ہو گئے جن کی تعداد ستر تک نقل کی جاتی ہے۔

سوال: جو وفود حاضرِ خدمت ہو کر مسلمان ہوئے ان میں سے کچھ کے نام اور مختصر حالات بتائیے۔

جواب: وہ وفود یہ ہیں۔ وفدِ ثقیف، وفدِ بنی فزارہ، وفدِ بنی تمیم، وفدِ بنی سعد بن بکر، وفدِ کندہ، وفدِ بنی عبدِ قیس، وفدِ بنی حنیفہ، وفدِ بنی قحطان اور وفدِ بنی حارث۔

اب ان وفود کے مختصر حالات بھی پڑھیے:

وفدِ ثقیف: تبوک سے واپسی کے بعد ہی مدینہ طیّبہ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔

وفدِ بنی فزارہ: پہلے ہی مسلمان ہو کر آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

وفدِ بنی تمیم: آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ مکالمات کے بعد سب کے سب مسلمان ہو کر وطن کو لوٹ گئے۔

وفدِ بنی سعد بن بکر: اس وفد کے امیر ضمام بن ثعلبہ تھے۔ انھوں نے حضور ﷺ سے بہت سے سوالات کیے آپ نے سب کے شافی جواب دیے اور پوری تحقیقِ مذہب اور شرحِ صدر کے بعد مشرف بہ اسلام ہو کر اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے اور قوم میں تبلیغ کی جس کی وجہ سے ان کی ساری قوم مسلمان ہو گئی۔

وفدِ کندہ: سورۂ صافات کی ابتدائی آیات سنتے ہی ان کے قلوب میں اسلام نے گھر کر لیا۔

وفدِ بنی عبدالقیس: اس وفد کے لوگ سارے پہلے نصاریٰ تھے، سب کے سب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ آپ نے ضروری اُمورِ اسلامی ان کو تعلیم فرمائے۔

وفدِ بنی حنیفہ: اس وفد کے لوگ بھی حاضرِ خدمت ہو کر مسلمان ہو گئے۔ ان میں مسیلمہ بھی شامل تھا۔ بعد میں نبوت کا دعویٰ کر کے مسیلمہ کذاب کے نام سے پکارا گیا اور محض اس دعوائے نبوت کی بنا پر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں مع اپنے رُفقا کے قتل کیا گیا۔

فائدہ: مسیلمہ کذاب بوقتِ دعوائے نبوت بھی حضور ﷺ اور قرآن اور اسلام کا منکر نہیں تھا۔ چناں چہ امام الحدیث والتفسیر شیخ ابوجعفر طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ مسیلمہ نے اپنے مؤذن کو حکم دیا تھا کہ اذان میں برابر ''أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کہا کرے۔ لیکن حضور ﷺ کے بعد کسی قسم کا نبوت کا دعویٰ جائز نہیں، بلکہ مطلقاً دعوائے نبوت بھی بہت سی نصوصِ قرآنی اور احادیثِ متواترہ اور اجماعی عقیدۂ ختمِ نبوت سے انکار ہے۔ اس لیے بہ اجماع صحابۂ کرام مسیلمہ کا غیر تشریعی نبوت کا دعویٰ بھی کفر وارتداد سمجھا گیا اور بہ اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے خلاف جہاد کیا گیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی اذان ونماز وتلاوتِ قرآن نے اس کو کافر کہنے سے نہیں روکا۔

وفدِ بنی قحطان: جس کے امیر زید الخیل تھے۔ یہ بھی سب کے سب حاضر ہو کر مسلمان ہوگئے۔

وفدِ بنی حارث: ان میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے جو مع اپنے رفقا کے مسلمان ہوگئے تھے۔ اسی طرح بنی اسد، بنی محارب، ہمدان، غسان وغیرہ کے وفود کچھ حاضری سے پہلے اور کچھ بعد میں مسلمان ہوئے۔

سلاطین کے نام دعوت نامے

سوال: کن کن سلاطین کو خطوط لکھے؟

جواب: مندرجہ ذیل سلاطین کو دعوت نامے جاری فرمائے:

۱۔ شاہِ حبش

۲۔ شاہِ روم

۳۔ شاہِ فارس

۴۔ سلطانِ مصر واسکندریہ مقوقس

۵۔ شاہِ عمان

سوال: ان بادشاہوں میں سے کس کس نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کی اور کس نے رد؟ اور آپ کے دعوت ناموں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ مختصر طریقہ سے ان کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: **پہلا دعوت نامہ:** شاہِ حبش (جس کا نام اصحمہ تھا اس) کے پاس عمرو بن امیہ کے ہاتھ خط

بھیجا، اس نے آپ کے دعوت نامے کو دونوں آنکھوں پر رکھا اور تخت سے نیچے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور بہ خوشی اسلام قبول کرلیا اور آں حضرت ﷺ کے زمانۂ مبارک ہی میں انتقال کر گیا۔

دوسرا دعوت نامہ: دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے ہرقل نامی بادشاہ روم کے پاس بھیجا۔ اسے بھی دلائلِ قاطعہ اور کتبِ سابقہ سے آپ کا نبی برحق ہونا ثابت ہوگیا تھا۔ چناں چہ اس نے اسلام لانے کا ارادہ بھی کرلیا تھا مگر جب رعایا کو اس ارادے کا پتا چلا تو تمام لوگ برہم ہوگئے اور اس کو اپنی سلطنت سے معزولی کا پورا یقین ہوگیا تھا کہ اگر میں اسلام لایا تو قوم مجھے سلطنت سے معزول کردے گی تو وہ اسلام لانے سے رُک گیا۔

تیسرا دعوت نامہ: حضرت عبداللہ بن حذافہ کے ذریعے شاہِ ایران خسرو پرویز کی طرف بھیجا۔ اس بدبخت نے آپ ﷺ کے اس دعوت نامہ مبارک کو گستاخی کے ساتھ پارہ پارہ کردیا۔ جب حضورِ اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی آپ نے اس کے لیے بددُعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کی سلطنت کو بھی اسی طرح پارہ پارہ کردے۔ بھلا آپ کی بددُعا اور خالی جائے! چناں چہ تھوڑے ہی عرصے بعد خسرو پرویز خود اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھ سے نہایت بے دردی کے ساتھ مارا گیا۔

چوتھا دعوت نامہ: حاطب بن ابی بلتعہ کے ذریعے سلطانِ مصر واسکندریہ مقوقس کی طرف بھیجا۔ اس کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حقانیت اور آپ کی صداقت ڈال دی۔ چناں چہ اس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کیا اور آں حضرت ﷺ کے لیے چند تحفے بھیجے جن میں ایک کنیز ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا اور ایک سفید خچر جس کا نام دُلدل تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک ہزار دینار اور بیس جوڑے بھی ہدیہ میں تھے۔

پانچواں دعوت نامہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ذریعے شاہِ عمان کے پاس بھیجا۔ ان کو بھی ذاتی تحقیق اور کتبِ سابقہ کے ذریعے سے آپ ﷺ کی نبوت کا پورا یقین ہوگیا تھا اس لیے مسلمان ہوگیا۔

حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کا اسلام

سوال: حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کے اسلام لانے کے واقعے کو مختصر طریقے سے بیان کیجیے؟

جواب: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ تک مسلمانوں کے مقابلے میں جنگ کرتے رہے، اکثر جہاد میں خاص کر غزوۂ اُحد میں کفار کے اکھڑے ہوئے پاؤں ان ہی کے سبب جمے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد خود ہی مکّہ معظّمہ سے بخوشی مسلمان ہونے کو مدینہ طیّبہ روانہ ہوئے اور راستے میں عمرو بن العاص سے ملاقات ہوئی، معلوم ہوا کہ وہ بھی اسی مقصد سے جا رہے ہیں۔ دونوں حضرات ہمراہ ہو کر دربارِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

سرایا کا بیان

سوال: سریہ کسے کہتے ہیں اور ان کی کتنی تعداد ہے؟

جواب: جس جہاد میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس شریک نہیں ہوئے اس کو سریہ کہتے ہیں۔ ان کی تعداد پینتالیس ہے جن کی تفصیل طوالت کے خوف سے چھوڑتے ہیں۔ صرف چند ایک کا حال بیان کرتے ہیں۔

سریہ امارتِ حمزہ رضی اللہ عنہ: پہلا سریہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں بھیجا گیا ہجرت کے سات مہینے بعد ماہِ رمضان المبارک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تیس مہاجرین پر امیرِ لشکر بنا کر ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا اور قریش کے ایک قافلے کی طرف روانہ کیا۔ لیکن جب یہ حضرات دریا کے کنارے پہنچے اور باہمی مقابلہ ہوا تو مجدی بن عمرو جہنی نے درمیان میں بڑھ کر جنگ کو روک دیا اور صلح کر لی۔

سریہ عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ: پھر شوال ۱ھ میں حضرت عبیدہ بن الحارث کو ساٹھ آدمیوں کا امیرِ لشکر بنا کر بطنِ رابغ کی طرف ابو سفیان کے مقابلے کے لیے روانہ فرما دیا۔ اس جہاد میں اوّل تیر سعد بن ابی وقاص نے کفار پر پھینکا اور یہ سب سے پہلا تیر ہے

جو اسلام میں سب سے پہلے کفار پر چلایا گیا تھا۔
سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ: ۲ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ مہاجرین پر حضرت عبداللہ بن جحش کو امیر بنا کر ماہِ رجب میں مقامِ نحلہ میں ایک قریشی قافلے کے لیے روزانہ فرمایا۔ جس روز قافلہ سامنے آیا تو اتفاقاً ماہِ رجب کی پہلی تاریخ تھی۔ اور رجب ان مہینوں میں سے ہے جن میں ابتدائے اسلام میں قتل و قتال حرام تھا، لیکن حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اس تاریخ کو جمادی الثانیہ کی تیسویں تاریخ سمجھ رہے تھے اس لیے مشورہ کے بعد یہی قرار پایا مقابلہ کرنا چاہیے۔ بالآخر مقابلہ ہوا تو رئیسِ قافلہ مارا گیا اور دو آدمی گرفتار ہوئے باقی بھاگ گئے اور مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا جو امیرِ سریہ نے شرکائے جہاد میں تقسیم کر دیا اور پانچواں حصّہ بیت المال کے لیے نکال دیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ کل مالِ غنیمت لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ میں نے تمھیں شہرِ حرام یعنی رجب میں مقاتلہ کا حکم نہ دیا تھا۔ بالآخر یہ مالِ غنیمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر سے فارغ ہونے کے بعد اس کے مالِ غنیمت کے ساتھ تقسیم کر دیا۔ اس واقعے سے عرب میں یہ چرچا ہو گیا کہ آپ نے اشہرِ حُرم میں قتال کو جائز قرار دے دیا۔ اس وقت یہ آیتِ کریمہ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ ان کے جواب کے لیے نازل ہوئی۔

سریہ موتہ

سوال: سریہ موتہ کیا ہے اس کو بیان کیجیے؟
جواب: موتہ ملکِ شام میں شہر بلقاء کے قرب و جوار میں بیت المقدّس سے تقریباً دو منزل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے یہاں مسلمانوں اور رُومیوں کے درمیان اوّل جنگ ہوئی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ شرحبیل بن عمرو نے جو شاہِ روم کی طرف سے بصرہ کا گورنر تھا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ کے نصف میں تین ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کا لشکر اس کی طرف روانہ فرمایا، جب لشکر

موتہ کے قریب پہنچا تو رومیوں کو اطلاع ہوئی وہ ڈیڑھ لاکھ کا لشکر مقابلے کے لیے لے آئے۔ چند روز تک جنگ ہونے کے بعد خدا تعالیٰ نے ڈیڑھ لاکھ کفار پر تین ہزار مسلمانوں کا رُعب اس طرح ڈال دیا کہ پسپا ہونے لگے اور سوائے بھاگنے کے اور پیچھے ہٹنے کے کوئی صورت نجات کی ان کو نہ ملی، مسلمان کامیاب اور فاتح ہو کر واپس آئے۔

سریہ اُسامہ

سوال: سریہ اُسامہ کیا ہے؟

جواب: مکّہ معظّمہ سے واپسی کے بعد ۲۶ صفر ۱۱ھ دوشنبہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت روم کے لیے تیار فرمائی جس میں بڑے بڑے صحابۂ کرام حضرت صدیقِ اکبر، حضرت فاروقِ اعظم اور ابو عبیدہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے حضرات موجود تھے مگر اس کا افسر حضرت اسامہ کو مقرر فرمایا، اس لیے اس کا نام سریہ اسامہ ہے۔

یہ بالکل آخری لشکر تھا جس کے روانہ کرنے کا خود بہ نفسِ نفیس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظام فرمایا تھا۔ مگر یہ ابھی روانہ نہیں ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار ہو گیا اور اسی میں وفات پائی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں یہ لشکر روانہ کیا گیا اور فتح یاب ہو کر واپس ہوا۔ الحمد للہ تعالیٰ

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے سرایا واقع ہوئے ہیں، طوالت کی وجہ سے ان کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں۔

مرضِ وفات

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات کا کچھ مختصر حال بیان کیجیے؟

جواب: ۲۸ر صفر المظفر ۱۱ھ چہار شنبہ کی رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان بقیع غرقد میں تشریف لے جا کر اہلِ قبور کے لیے دُعائے مغفرت کی، اور فرمایا: اے اہلِ مقابر! تمھیں اپنا یہ حال اور قبروں کا قیام مبارک ہو، کیوں کہ اب دنیا میں تاریک فتنے ٹوٹ پڑے ہیں۔ جب وہاں سے تشریف لائے تو سر میں درد تھا، اور پھر بخار ہو گیا، اور یہ

بخار صحیح روایات کے موافق تیرہ روز تک متواتر رہا اور اسی حالت میں وفات ہوگئی۔ اسی عرصے میں آپ ﷺ اپنے دستور کے مطابق ہر روز ازواجِ مطہرات کے حجروں میں منتقل ہوتے رہے۔ جب آپ کا مرض طویل اور سخت ہوگیا تو ازواجِ مطہرات سے اجازت لی کہ ایامِ مرض میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہیں۔ سب نے اجازت دے دی۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت: رفتہ رفتہ مرض اتنا بڑھ گیا کہ آپ مسجد تک بھی تشریف نہ لا سکے تو ارشاد فرمایا کہ صدیقِ اکبر سے کہیں کہ نماز پڑھائیں۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے تقریباً سترہ نمازیں پڑھائیں اور پھر ایک روز اتفاقاً صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ انصار کی ایک مجلس پر گزرے تو وہ سب رو رہے تھے۔ سبب پوچھا تو کہا کہ آں حضرت ﷺ کی مجلس کو یاد کرکے رو رہے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ خبر آپ ﷺ کو پہنچا دی۔ یہ سن کر آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فضل رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہوئے باہر تشریف لائے۔ حضرت عباس آگے آگے تھے۔ آپ ﷺ منبر پر چڑھے لیکن نچلی سیڑھی پر جلوہ افروز رہے اور اوپر نہ چڑھ سکے اور بلیغ خطبہ دیا۔ جس کے بعض کلمات یہ ہیں:

آخرالانبیاء کا آخری خطبہ: اے لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے ڈر رہے ہو، کیا مجھ سے پہلے کوئی نبی ہمیشہ رہا ہے جو میں رہتا؟ ہاں! میں اپنے پروردگار سے ملنے والا ہوں اور تم مجھ سے ملنے والے ہو۔ ہاں! تمہارے ملنے کی جگہ حوضِ کوثر ہے، پس جو شخص یہ پسند کرے کہ روزِ قیامت اس حوض سے سیراب ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے ہاتھ اور زبان کو لایعنی اور باضرر باتوں سے روکے۔ میں تمہیں مہاجرین کے ساتھ حسنِ سلوک اور اتحاد کی وصیّت کرتا ہوں اور ارشاد فرمایا کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو ان کے حکام اور بادشاہ ان کے ساتھ انصاف کرتے ہیں، اور جب اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتے ہیں تو وہ ان کے ساتھ بے رحمی کرتے ہیں۔[1]

اس کے بعد مکان میں تشریف لے گئے، اور وفات سے پانچ یا تین روز پہلے پھر ایک

[1] دروس السیرۃ المحمدیۃ

بار باہر تشریف لائے سر مبارک بندھا ہوا تھا۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے[1] وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے منع فرمایا اور خود ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بیٹھ گئے۔[2] نماز کے بعد ایک مختصر خطبہ دیا جس کے دوران فرمایا:

ابوبکر سب سے زیادہ میرے محسن ہیں اور اگر میں خدا کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ لیکن چوں کہ خلیل خدا کے سوا کوئی نہیں اس لیے ابوبکر میرے بھائی اور دوست ہیں۔

اور فرمایا کہ مسجد میں جتنے لوگوں کے دروازے ہیں وہ سب سوائے ابوبکر کے بند کردیے جائیں۔[3]

محدث ابنِ حبان نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اس حدیث میں صاف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ ہیں۔[4]

اس کے بعد دوسری مرتبہ ربیع الاوّل دوشنبہ کے روز لوگ صبح کی نماز حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھ رہے تھے کہ یکایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ کھول کر لوگوں کی طرف دیکھا اور تبسم فرمایا۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے اور خوشی کے وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب نماز میں منتشر ہونے لگے۔

در نمازم خم آبروئے تو چوں یاد آمد
حالتِ رفت کہ محراب بفریاد آمد

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ نماز پوری کرو اور خود اندر تشریف لے گئے اور پردہ چھوڑ دیا، اور اس کے بعد پھر باہر تشریف نہیں لائے۔ اسی روز ظہر کے بعد اس عالم سے انتقال فرما کر رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ واصل ہوئے۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ
صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تریسٹھ برس تھی۔

[1] صحیح یہ ہے کہ ظہر کی نماز تھی (فتح الباری: ص: ۱۰۶، ہندی) [2] صحیح روایت کے موافق اس وقت آپ ہی امام تھے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور تمام جماعت آپ کی مقتدی تھی۔ البتہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ بلند آواز سے تکبیر کہتے جاتے تھے۔ (مشکاۃ المصابیح، باب ما علی بن المتابعة اللإمام [3] صحیح بخاری مع فتح: ۳۵۶/۱ [4] فتح الباری پ ۲۴: ص: ۳۵۶

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس مرض کے دوران میں کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے چادر اُٹھاتی تو فرماتے تھے کہ یہود و نصاریٰ پر اس لیے خدا کی لعنت آئی ہے کہ انھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ہے۔ غرض یہ تھی کہ مسلمان اس سے بچیں۔[1]

آہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری لمحات میں جس چیز سے ڈرایا تھا وہ بھی آج مسلمانوں نے نہ چھوڑی اور اولیا و صُلحا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا ڈالا۔ (نعوذ باللہ)

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قریبِ وفات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھت کی طرف دیکھتے اور فرماتے تھے:

یا اللہ! میں رفیقِ اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں۔ بعض روایات میں ہے کہ آخری لمحاتِ حیات میں زبانِ رسالت پر ''الصلاۃ الصلاۃ'' کے کلمات جاری رہے۔[2]

وفات

سوال: پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کس سال اور کس عمر میں ہوئی اور کہاں دفن ہوئے؟

جواب: آپ ۲۸ / صفر ۱۱ھ بدھ کے دن بیمار ہوئے، بارہ دن بیمار رہ کر ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ پیر کے دن چاشت کے وقت تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پاگئے اور منگل بعد دوپہر یا رات کو مدینہ طیّبہ میں اپنے حجرۂ شریف میں دفن کیے گئے۔

وفات کی خبر صحابہ میں شائع ہوئی تو گویا سب کی عقلیں اُڑ گئیں۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی فرطِ غم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا انکار کرنے لگے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اس وقت تشریف لائے تو ایک مختصر سا خطبہ دیا جس میں لوگوں کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو سن لے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو سمجھ لے وہ حی و قیوم آج بھی زندہ ہے۔ یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو کچھ ہوش آیا۔

[1] بخاری: ص: ۱۰۵ [2] خصائصِ کبریٰ

پھر چوں کہ آپ ﷺ کے بعد خلیفہ کا قائم کرنا سب سے پہلا اور مقدم کام تھا کیوں کہ دوسرے دینی و دنیوی معاملات کے خلل اور بیرونی و اندرونی دشمنوں کے حملے کے علاوہ آپ کی تجہیز و تکفین سے پہلے ہی خلیفہ کا قائم کرنا ضروری سمجھا اور اس قضیہ کے طے ہونے میں کچھ دیر ہوئی اور اسی لیے پیر کے دن سے منگل کی رات تک توقف ہوا۔ منگل کی رات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے آپ کو غسل و کفن دیا اور نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ قبر شریف حدیث شریف کے موافق صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اسی جگہ کھودی گئی جہاں وفات ہوئی تھی۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے قبر کھودی اور حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما نے قبر میں رکھا۔ آپ ﷺ کی قبر شریف ایک بالشت اونچی رکھی گئی۔ تدفین سے قبل باتفاقِ آراء تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔

سیرتِ نبوی کو مختصراً بیان کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمہ کا کچھ حصّہ مختصراً پیش کر دیا جائے تو شاید خداوندِ کریم ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

آپ ﷺ کے اخلاق و خصائل

اخلاق شریفہ: آپ سب سے زیادہ شجاع و بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے۔ جب کبھی آپ ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا جاتا تو فوراً عطا فرما دیتے تھے۔ سب سے زیادہ حلیم اور بردبار تھے۔ یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کفار کی ایک قوم کے متعلق آپ سے عرض کیا کہ ان کے متعلق بد دُعا فرمایئے، آپ نے فرمایا کہ میں رحمت بن کر آیا ہوں عذاب بن کر نہیں آیا۔ جب آپ کا دندان مبارک شہید کیا گیا تو اس وقت بھی ان کے لیے دعائے مغفرت ہی فرماتے تھے۔

آپ سب سے زیادہ حیادار تھے۔ آپ ﷺ کی نگاہ کسی کے چہرے پر نہ ٹھہرتی تھی۔ اپنے ذاتی معاملات میں کسی سے انتقام نہ لیتے تھے اور نہ غصّہ ہوتے تھے۔ ہاں! جب حدودِ خداوندی پر دست اندازی کی جاتی تھی تو غصّہ آتا تھا، اور جب غصّہ آتا تھا تو پھر آپ کے سامنے کوئی نہ ٹھہر سکتا تھا۔ جب کبھی آپ ﷺ کو دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو ہمیشہ ان میں

سے اَہون کو اختیار فرمایا تا کہ اُمت کے لیے سہولت ہو۔ آپ نے کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا، البتہ اگر مرغوب ہوتا تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ آپ ﷺ تکیہ لگا کر نہ کھاتے اور نہ میز پر بیٹھ کر کھاتے تھے، نہ سینی پر اور نہ کبھی آپ کے لیے پتلی چپاتی پکائی جاتی۔ ککڑی، خربوزہ کو کھجور کے ساتھ کھایا کرتے تھے۔ شہد اور تمام شیریں چیزوں کو طبعًا پسند فرماتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ آں حضرت ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور کبھی آپ ﷺ نے اور آپ کے اہلِ بیت نے جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ آپ کے گھر والوں پر دو دو مہینے سالم اس طرح گزر جاتے تھے کہ چولہے میں آگ جلانے کی نوبت نہ آتی تھی بلکہ صرف چھواروں اور پانی پر گزر ہوتی تھی۔

آپ اپنا جوتا خود سی لیتے اور کپڑے میں بھی پیوند خود لگا لیتے تھے۔ اپنے اہلِ بیت کے کام کاج میں رہتے تھے۔ مریضوں کی عیادت کرتے تھے۔ جب کوئی آدمی آپ ﷺ کو دعوت دیتا خواہ وہ امیر ہوتا یا مفلس، اس کے یہاں تشریف لے جاتے تھے۔ کسی مفلس کو اس کے فقر کی وجہ سے حقیر نہ جانتے تھے، اور کسی بڑے سے بڑے بادشاہ سے اس کے ملک کی وجہ سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ اپنے پیچھے اپنے غلام وغیرہ کو سوار کر لیتے تھے۔ موٹے کپڑے پہنتے تھے اور گٹھے ہوئے جوتے پہن لیتے تھے۔ سفید کپڑے سب سے زیادہ آپ کو پسند تھے۔

کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور بیکار باتوں سے اجتناب فرماتے تھے۔ نماز کو طویل اور خطبہ مختصر پڑھتے تھے۔ غلاموں اور مفلسوں کے ساتھ چلنے پھرنے سے پرہیز نہ فرماتے تھے۔ کبھی کبھی ہنسی اور خوش طبعی کی باتیں فرماتے تھے لیکن اس وقت بھی واقعہ کے خلاف نہ بولتے تھے۔

تمام انسانوں سے زیادہ خوش خُلق تھے۔ عذر خواہ کا عذر قبول فرما لیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کا خُلق قرآنِ مجید تھا، یعنی جس چیز کو قرآن پسند کرتا اس کو آپ ﷺ بھی پسند فرماتے تھے۔ اور جس کو قرآن پسند نہ کرتا تھا اس کو آپ بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے کہ میں نے آپ کی خوشبو سے بہتر کبھی کوئی خوشبو نہیں سونگھی۔

خلافت

سوال: آپ ﷺ کی وفات کے بعد کون کون خلیفہ ہوا؟

جواب: اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، پھر ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، پھر ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، پھر ان کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔

سوال: حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت یعنی شہید ہونے کے وقت کہاں تک حکومتِ اسلام پھیل چکی تھی؟

جواب: خراسان، نیشاپور، طوس، سرخس، طرابلس، رے، قوس، کرمان، سجستان اور اصبہان تک پہنچ چکی تھی۔ (اور بزمانہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سوڈان، قیقان، کوہستان فتح ہوا)۔

سوال: ان پانچوں صحابہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کتنی مدت تک رہی؟

جواب: کل مدت ان اصحاب کی خلافت کے تیس سال تین ماہ چودہ دن ہیں۔

خلیفہ اوّل: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۲ سال، ۳ ماہ، دس دن خلیفہ رہے۔

خلیفہ دوم: حضرت عمر رضی اللہ عنہ دس سال، ۶ ماہ، ۴ دن خلیفہ رہے۔

خلیفہ سوم: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بارہ سال خلیفہ رہے۔

خلیفہ چہارم: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پانچ سال تک خلیفہ رہے۔

خلیفہ پنجم: حضرت حسن رضی اللہ عنہ ۶ ماہ تک خلیفہ رہے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہو گئے۔

سوال: خلفائے بنواُمیہ کون کون سے گزرے ہیں؟

جواب: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بنواُمیہ کی خلافت ۴۱ھ میں قائم اور شروع ہوئی اور آخری بادشاہ بنواُمیہ کا مروان الحماز تھا جو کہ ۱۲۷ھ میں تخت نشین ہوا اور ۱۳۲ھ تک بادشاہت قائم رہی۔ کل مدتِ خلافتِ بنوامیہ اکانوے سال ہے۔ خلفائے بنی اُمیہ کے نام یہ ہیں:

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، یزید بن معاویہ، معاویہ بن یزید، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما،

عبدالملک بن مروان، الولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک بن مروان، ہشام بن یزید بن عبدالملک، الولید بن یزید بن عبدالملک، یزید ناقص ابوخالد بن الولید، ابراہیم بن ولید بن عبدالملک، مروان الحمار۔

بالآخر مروان الحمار کو عبداللہ بن علی سفاح کے چچا نے فوج کشی کر کے موصل شہر کے قریب شکست دی۔ مروان شام کو لوٹا۔ عبداللہ نے تعاقب کیا۔ ملکِ شام سے مروان مصر کی جانب بھاگا۔ وہاں صالح عبداللہ کے بھائی نے قصبہ بوصبر کے قریب مقابلہ کر کے مروان کو ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں قتل کر دیا۔

اور اس کے بعد خلافتِ بنی عباس کا دور شروع ہوگیا۔ اوّل خلیفہ بنو عباس کا سفاح ہے۔ ۱۳۲ھ میں خلافت قائم ہوئی اور آخری بادشاہ بنو عباس کا المتوکل علی اللہ ابو العز ہے جو کہ ۸۸۴ھ میں تخت نشین ہوا اور ۹۰۳ھ میں انتقال کر گیا۔ المتوکل علی اللہ ابو العز نے اپنے بیٹے یعقوب کو المتمسک باللہ کا لقب دے کر ولی عہد بنا دیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد خلافتِ بنو عباس بھی ختم ہوگئی، اور قریب آٹھ سو سال کے خلافتِ عباسیہ رہی۔

خلفائے بنی عباس کے نام یہ ہیں:

السفاح المنصور، المهدي، الهادي، هارون الرشيد، الأمين، المأمون، المعتصم بـاللّٰـه، الـواثـق بالله، المتوكل على الله، المنتصر با لله، المستعين بالله، المعتز بالله، المتهدي بالله، المعتمد على الله، المعتضد بالله، المكتفي بالله، المقتدر بالله، القاهر بـاللّٰـه، الراضي بالله، المتقي بالله، المتكفي بالله، المطيع لِله، الطائع لله، القادر بالله، الـقـائـم بـأمـر الله، المقتدي بأمر الله، المستظهر بالله، المسترشد بالله، الراشد بالله، الـمـقـتـفـي لأمـر الـلّٰـه، المستنجد بالله، المستضي بأمر الله، ناصر لدين الله، الظاهر بـأمـر الـلّٰـه، الـمـسـتـنـصـر بـالـلّٰـه، الـمستصم بالله، المستصر بالله الحاكم بأمر الله، الـمـسـتـكـفـي بالله، الواثق بالله، الحاكم بأمر الله، المعتضد بالله، المتوكل على الله، الـواثـقِ بالله، المستعصم بالله، المستعين بالله، المعتضد بالله المستكفى بالله، القائم بأمر الله المستنجد بأمر الله، أبو العز المتوكل على الله، المستمسك بالله.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان

صحابی کی تعریف:

سوال: صحابی کسے کہتے ہیں؟

جواب: جس نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی حالت میں دیکھا ہو اور اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو، اسے صحابی کہتے ہیں۔ ان کی بڑی بڑی بزرگیاں آئی ہیں۔ ان سب سے محبت اور اچھا گمان رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی جھگڑا آپس میں ان کا سننے میں آئے تو اس کو بھول چوک سمجھے۔ ان کی برائی ہرگز نہ کرے۔

فضائلِ صحابہ رضی اللہ عنہم

سوال: صحابہ کے مشترک فضائل جن میں کسی کی خصوصیت نہ ہو بیان کیجیے؟

جواب: سنیے: ا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ جو اس کے متّصل ہوں گے اور پھر وہ لوگ جو ان کے متّصل ہوں گے۔ عمران بن حصین (روایت بیان کرنے والے) فرماتے ہیں کہ یہ ٹھیک یاد نہیں رہا کہ دو زمانے فرمائے یا تین۔ اس کے بعد وہ لوگ آئیں گے جو گواہیاں دیں گے، حالاں کہ ان سے گواہی طلب نہ کی جائے گی اور خیانت کریں گے اور امین قرار نہ دیے جائیں گے۔ اور منّتیں مانیں گے مگر پوری نہ کریں گے۔ اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔

جس مدت میں اہلِ زمانہ ختم ہو جائیں وہ قرن کہلاتا ہے۔ زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے بھی قرن سطح زمین پر ہوئے ان میں بہترین قرن (زمانہ) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے کہ وجود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سطح زمین پر جلوہ فرما ہوا۔ اور یہ مبارک قرن (زمانہ) ۱۰۰ھ میں ختم ہوا جب کہ آخری صحابی حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ نے بہ عمر اٹھانوے سال وفات پائی۔ اور چوں کہ مجموعہ قرن (زمانہ) کا کہ اس میں سید الانبیاء بھی شامل ہیں، تمام قرون سے افضل ہونا مراد ہے، نہ کہ ہر ہر فرد کا افضل ہونا، لہٰذا حضراتِ صحابہ کی گزشتہ انبیا پر فضیلت لازم نہ آئی۔

اور قرنِ صحابہ کے بعد افضل ترین قرن تابعین کا ہے۔ اور پھر تبع تابعین کا کہ افضلیتِ محمدیہ کی وجہ سے آپ کی اُمت کو دیگر اُمم پر افضلیتِ کلیہ حاصل ہے اور جتنا قرب کسی کو نورِ آفتاب سے ہوگا اسی قدر اس میں روشنی زیادہ ہوگی۔ پھر چوتھے قرن میں وہ نورانیت نہ رہی اسی وجہ سے گواہی میں بے باکی اور جرأت پیدا ہوگئی۔

دوسری حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آگ نہ چھوئے گی اس مسلمان کو جس نے مجھ کو دیکھا یا میرے صحابہ کو دیکھا۔

اس میں صحابہ اور تابعین کے مغفور اور جنتی ہونے کی بشارت ہے کہ حسنِ خاتمہ کے ساتھ نوازے جائیں گے۔ اس لیے کہ محبّت کے ساتھ سید الانبیاء کے چہرۂ انور پر ایک نظر ڈالنے سے ایمان میں جو حلاوت اور مشاہدے کی کیفیت پیدا ہوجاتی تھی وہ دوسروں کو برسوں کے مجاہدے سے بھی نصیب نہیں ہوسکتی۔

تیسری حدیث: فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلامی لشکر جہاد میں جائے گا، پس کہا جائے گا کہ تم میں سے کوئی ہے جس کو صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیب ہوئی ہو؟ وہ جواب دیں گے: ہاں ہے۔ پس ان کو صحابی کی برکت سے فتح نصیب ہوگی۔ پھر دوسرا زمانہ آئے گا کہ لشکر جہاد میں جائے گا، پس کہا جائے گا کہ تم میں کوئی ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کی صحبت حاصل ہوئی ہو؟ وہ جواب دیں گے: ہاں ہے۔ پس ان کو تابعی کی برکت سے فتح نصیب ہوگی۔ پھر تیسرا زمانہ آئے گا کہ اسلامی لشکر جہاد میں جائے گا، پس کہا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ہے جس کو صحابہ کے اصحاب (تابعی) کی صحبت نصیب ہوئی ہو؟ وہ جواب دیں گے: ہاں ہے۔ پس ان کو تبع تابعین کی برکت سے فتح نصیب ہوگی۔ اور ایک روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ پھر چوتھا لشکر روانہ ہوگا کہا جائے گا: دیکھو ان میں کوئی ہے جس نے دیکھا ہو کسی تبع تابعین کو پس اس کی برکت سے فتح نصیب ہوگی۔

یہ سوال ملائکۂ آسمان کی طرف سے ہوگا ان ملائکہ سے جو لشکر کے ساتھ ہوں گے۔ یا مراد سوال حالی ہے نہ کہ مقالی۔ اور برکتِ محمدیہ کا اظہار ہے کہ حضراتِ صحابہ کی برکات کا اثر

فتوحاتِ ملکی و راحتِ دنیوی پر بھی کئی نسل تک متواتر قائم رہے گا۔

چوتھی حدیث: حدیث میں آتا ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ قصّہ ہوا جس میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو سخت سست کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلع ہوکر (خالد رضی اللہ عنہ سے) فرمایا کہ میرے صحابہ کو سبّ وشتم نہ کرو[1] کہ تم میں کوئی اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا (راہِ خدا میں) صَرف کرے گا تو ان کے ایک مد بلکہ آدھے مد کو بھی نہ پہنچ سکے گا۔

اُمید ہے کہ یہ چار حدیثیں فضائلِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں کافی ہوں گی۔

سوال: صحابہ میں جو سب سے افضل صحابی گزرے ہیں ان کے نام بتاؤ؟

جواب: چار صحابی سب سے افضل ہیں:

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

۳۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔

۴۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

[1] جب صحابی کو بھی دوسرے صحابی پر سبّ وشتم سے منع کیا تو غیر صحابی کی کیا مجال ہے کہ ایسا کرے۔

چہل حدیث

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ

رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری اُمت کے فائدے کے واسطے دین کے کام کی چالیس حدیثیں سنا دے گا اور حفظ کرے گا، یا لکھ کر شائع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عالموں اور شہیدوں کی جماعت میں اُٹھاوے گا، اور فرماوے گا کہ جس دروازے سے چاہے جنّت میں داخل ہو جاؤ۔ اس عظیم الشان ثواب کے لیے سینکڑوں علمائے اُمت نے اپنے اپنے طرز میں چہل حدیث لکھیں جو مقبول و مفیدِ عام ہوئیں۔

چوں کہ آج کل عام طور پر مسلمانوں کی اخلاقی حالت زیادہ تباہ ہوتی جارہی ہے اور بچپن میں تعلیمِ اخلاق مؤثر بھی زیادہ ہوتی ہے اس لیے اکثر احادیث وہی درج کی جاتی ہیں جو اعلیٰ اخلاق اور تہذیب و تمدن کے زریں اصول ہیں۔

اعمال کا مدار نیت پر ہے

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ.[۱]

سارے عمل نیت سے ہیں۔[۲]

مسلمان کے پانچ حقوق

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ.[۳]

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی بیمار پُرسی کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، چھینک کا جواب یرحمک اللہ کہہ کر دینا۔

---

۱ بخاری و مسلم ۲ یعنی اچھی نیت سے اچھے اور بُری نیت سے بُرے ہو جاتے ہیں۔

۳ بخاری و مسلم و ترغیب

رحم نہ کرنے والے پر وعید

لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ.[۱]
اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہ کرے۔

چغل خوری پر وعید

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ.[۲]
چغل خور جنّت میں نہ جائے گا۔

رشتہ قطع کرنے والے پر وعید

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ.
رشتہ قطع کرنے والا جنّت میں نہ جائے گا۔

ظلم کی مذمت

اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.[۳]
ظلم قیامت کے روز اندھیروں کی صورت میں ہوگا۔

ٹخنوں کو ڈھانکنے پر وعید

مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فِي النَّارِ.[۴]
ٹخنوں کا جو حصّہ پائجامہ کے نیچے رہے گا وہ جہنّم میں جائے گا۔

مسلمان کی علامت

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ.[۵]
مسلمان تو وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذا سے مسلمان محفوظ رہیں۔

حسنِ خُلق کی فضیلت

مَنْ يُّحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ كُلَّهٗ.
جو شخص نرم عادت سے محروم رہا تمام بھلائی سے محروم رہا۔

۱، ۲، ۳، ۴، ۵ بخاری و مسلم

پہلوان کون ہے

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ.[1]

پہلوان وہ شخص نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہی ہے جو غصّہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

بے حیائی کی مذمت

إِذَا لَمْ تَسْتَحِيْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ.[2]

جب تم حیا نہ کرو تو جو چاہے کرو۔[3]

اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل محبوب ہے

أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ.[4]

اللہ کے نزدیک سب عملوں میں وہ زیادہ محبوب ہے جو دائمی ہو اگرچہ تھوڑا ہو۔

تصویر اور کتا رکھنے کی ممانعت

لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ أَوْ تَصَاوِيْرُ.

اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں۔

اللہ کے نزدیک کون محبوب ہے

إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا.[5]

تم میں سے وہ شخص میرے نزدیک محبوب ہے جو زیادہ خلیق ہو۔

دنیا کی حقیقت

اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ.[6]

دنیا مسلمانوں کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنّت ہے۔

---

[1] ، [2] بخاری ومسلم [3] یعنی جب حیا ہی نہیں تو ساری برائیاں برابر ہیں۔
[4] ، [5] ، [6] بخاری ومسلم

مسلمان سے قطعِ تعلقی کی مذمت

لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ.[۱]

مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے قطعِ تعلق رکھے۔

ایک ہی دفعہ تجربہ کافی ہے

لَا يُلْدَغُ الْمَرْءُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَّرَّتَيْنِ.[۲]

انسان کو ایک ہی سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا۔[۳]

حقیقی غنا

اَلْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ.[۴]

حقیقی غنا دل کا غنا ہوتا ہے۔

دنیا میں کیسے رہنا چاہیے

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ.[۵]

دنیا میں ایسے رہنا چاہیے جیسے کوئی مسافر یا راہ گزر رہتا ہے۔[۶]

بلاتحقیق بات کرنے کی مذمت

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ.[۷]

انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جو بات سنے (بغیر تحقیق کے) لوگوں سے بیان کرنا شروع کردے۔

چچا کی عظمت

عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيْهِ.[۸]

آدمی کا چچا اس کے باپ کی مانند ہے۔

---

۱ ، ۲ بخاری و مسلم ۳ یعنی جس سے ایک مرتبہ نقصان پہنچتا ہے پھر دوبارہ اس کے پاس نہیں جاتا۔
۴ ، ۵ بخاری و مسلم ۶ یعنی زیادہ ٹھاٹھ باٹھ نہ بناؤ۔ ۷ مسلم عن المشکاۃ
۸ بخاری و مسلم

مسلمان بھائی کی عیب پوشی کی فضیلت

مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.[۱]

جو کسی مسلمان کے عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیب چھپائے گا۔

کون شخص کامیاب ہے

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ.[۲]

وہ شخص کامیاب ہے جو اسلام لایا اور جس کو بقدر کفایت رزق مل گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی روزی پر قناعت دے دی۔

سب سے زیادہ عذاب کس کو ہوگا

أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ.[۳]

سب سے سخت عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے۔

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے

اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ.[۴]

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔

کامل مسلمان ہونے کی علامت

لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.[۵]

کوئی بندہ اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

پڑوسی کو تکلیف دینے پر وعید

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ.[۶]

وہ شخص جنّت میں نہ جائے گا جس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے محفوظ نہ رہے۔

---

[۱] بخاری و مسلم [۲] مسلم [۳] بخاری و مسلم [۴] مسلم [۵] بخاری و مسلم [۶] مسلم

ختمِ نبوت

أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ.[1]

میں آخری پیغمبر ہوں میرے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔

ایک دوسرے سے قطعِ تعلّق کی مذمت

لَا تَقَاطَعُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا.[2]

آپس میں قطعِ تعلّق نہ کرو، اور ایک دوسرے کے درپے نہ ہو، اور آپس میں بغض نہ رکھو، اور حسد نہ رکھو، اور اے اللہ کے بندو! سب بھائی ہوکر رہو۔

اسلام، ہجرت اور حج کے فضائل

إِنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ، وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا، وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ.[3]

اسلام ان تمام گناہوں کو ڈھا دیتا ہے جو پہلے کیے تھے، اور ہجرت اور حج ان تمام گناہوں کو ڈھا دیتے ہیں جو اس سے پہلے کیے تھے۔

گناہِ کبیرہ کی مختصر فہرست

اَلْكَبَائِرُ: الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ.[4]

کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اور والدین کی نافرمانی کرنا، اور کسی کو بے گناہ قتل کرنا، اور جھوٹی شہادت دینا ہیں۔

مصیبت زدہ کی مدد کے فضائل

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ،

جو شخص کسی مسلمان کو دنیاوی مصیبت سے چھڑائے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کی مصیبتوں سے چھڑاوے گا۔ اور جو شخص کسی مفلس غریب پر (معاملہ میں) آسانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی

[1] بخاری ومسلم [2] بخاري [3] مسلم، مشکاۃ [4] البخاري ومسلم عن المشكاة

وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ۔[1]

کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ اور جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

عند اللہ سب سے مبغوض کون ہے

أَبْغَضُ الرِّجَالِ عِنْدَ اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ۔[2]

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض جھگڑالو آدمی ہے۔

بدعت گمراہی کا ذریعہ ہے

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

ہر ایک بدعت گمراہی ہے۔

فضیلتِ طہارت

اَلطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ۔[3]

پاک رہنا آدھا ایمان ہے۔

اللہ تعالیٰ کو کون سی جگہ زیادہ محبوب ہے

أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا۔[4]

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب جگہ مسجدیں ہیں۔

قبور کو مساجد بنانے کی مذمت

لَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ۔[5]

قبروں کو سجدہ گاہ نہ بناؤ۔

نماز میں صفوں کو سیدھا کرنے کی فضیلت

لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ۔[6]

نماز میں اپنی صفوں کو سیدھا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب میں اختلاف ڈال دے گا۔

[1] مسلم عن المشکاۃ [2] بخاری و مسلم ، [3]، [4]، [5]، [6] مسلم

درود شریف کی فضیلت

مَنْ صَلّٰی عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا.

جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔

اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ.

سب اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے۔

گلزارِ سنت

اعمالِ مسنونہ

روزمرہ اور صبح وشام کام آنے والی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی مختصر اور ضروری سنتیں آسان اردو زبان میں

حضرت مولانا سیّد میاں اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ
محدث دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد وثنا ہے اس مالک کی جس نے فرمایا: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ یعنی اگر تم کو اللہ کی محبّت ہے تو پیروی کرو حضور اکرم ﷺ کی، جنھوں نے فرمایا کہ جس نے میری تابع داری کی وہ داخل ہوا جنّت میں، اور جس نے میری پیروی اور تابع داری سے انکار کیا وہ داخل ہوا دوزخ میں۔ (یہ حدیث مشکاۃ شریف میں درج ہے)

پس اے مسلمانو! ضروری ہوا کہ ہر ایک بات میں آپ کی تابع داری کی جائے۔ جس طرح آپ نے فرمایا اسی طرح کرنا چاہیے۔ کبھی کسی سنت کو چھوٹا اور کم تر نہ سمجھنا چاہیے، اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی سنت پر عمل کرنا بہتر ہے بڑے بڑے کاموں سے۔ دیکھو! اللہ نے غریبوں کے لیے کیسی آسانی فرما دی کہ جن کو بڑے بڑے کاموں کی طاقت اور مقدور نہیں ہے ان کو چاہیے کہ وہ طریقۂ سنتِ نبی کے اوپر عمل فرمائیں تو ان کو مدرسہ بنانے، پل بنانے، کنواں بنانے سے زیادہ ثواب ملے گا۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو ضروری ہوا کہ سب مسلمان بھائی طریقۂ سنتِ نبی سے واقف ہوں، اسی ضرورت کے پیشِ نظر بندۂ عاجز کم ترین نے ارادہ کیا کہ حدیث کی معتبر کتابوں سے سنت کے طریقے لکھے جائیں۔ چناں چہ یہ سب طریقے صحیح بخاری، مسلم شریف، ترمذی شریف سے جمع کیے گئے ہیں اور اس کا نام طریقۂ رسول رکھا ہے تاکہ سب مسلمان بھائی سنت کی راہ پائیں اور ان پر عمل کرکے جنّت میں بڑے بڑے درجے حاصل فرمائیں۔ اب ہر ایک کام کی مختصر مختصر سنتیں بیان کی جاتی ہیں اُمید ہے کہ عام مسلمان بھائی اس سے فائدہ حاصل فرمائیں گے۔

صبح کو جاگنے اور کام میں لگنے کی سنتیں

سنت نمبر ۱: جب صبح کو جاگو تو تین دفعہ الحمد للہ کہو اور کلمہ شریف اور یہ دُعا پڑھو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ رَدَّ عَلَيَّ رُوْحِيْ وَلَمْ يُمْسِكْهَا فِيْ مَنَامِيْ.

سنت نمبر۲: برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو تین دفعہ خوب دھولو۔

سنت نمبر۳: اگر فرصت ہو تو صبح کی نماز کے بعد سورج ایک بانس ہونے تک بیٹھا رہے اور خدا تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے، پھر دو یا چار رکعت نماز نفل پڑھ کر اُٹھے، ان شاء اللہ تعالیٰ ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب پائے گا۔

سنت نمبر۴: اور پھر کسی حلال روزی کے شغل میں لگ جائے اور تمام دن وقت پر نمازیں ادا کرتا رہے تو یہ پورا دن عبادت میں لکھا جائے گا۔

سنت نمبر۵: جس شخص کو اللہ تعالیٰ فرصت دے اس کو چاہیے کہ دوپہر کو تھوڑی دیر لیٹ جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ سووے، بلکہ لیٹ جانا کافی ہے اگرچہ نیند نہ آوے۔

رات کی سنتیں

سنتِ اطفال: جب شام ہو جائے تو اس وقت سے بچوں کو روک لو یعنی گھر سے باہر نہ نکلنے دو، اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ رات کے وقت شیطان کا لشکر پھیلتا ہے۔

سنتِ مکان: جب رات کو عشا کے بعد گھر میں آؤ تو گھر کا دروازہ اندر سے بند کرلو۔

سنتِ گفتگو: عشا کے بعد طرح طرح کے قصّے کہانی مت کہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ صبح کی نماز قضا ہو جائے۔ بلکہ سو جانا چاہیے۔ البتہ اگر کوئی شخص بعدِ عشا نصیحت کی باتیں سنائے یا نیک لوگوں یعنی انبیاء اولیا کا ذکر سنائے، یا کوئی پیشہ والا شخص اپنا کام کرے تو کوئی حرج نہیں۔

سنتِ چراغ: جب رات کو سونے لگو تو چراغ لالٹین یا بجلی بند کردو، کیوں کہ اس میں بڑا اندیشہ ہے۔ دیکھو! اس طرح سنت کا ثواب بھی ہوگا اور حفاظت بھی رہے گی۔ اسی طرح چولہے میں جو آگ ہو اس کو یا تو بجھا دو یا راکھ وغیرہ سے دبا دو، کھلی نہ چھوڑو۔

فائدہ: حقہ اور سگریٹ وغیرہ پینا تمام علما کے نزدیک مکروہ ہے، کیوں کہ منہ میں بد بو پیدا کرتا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ اس کا پینا چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے چھوڑ نہیں سکتے

تو چاہیے کہ حقہ کو تازہ کرتے رہیں اور پانی تبدیل کر کے دھوتے رہیں کئی بار تا کہ پانی نجس نہ ہو۔ نجس اور گندے حقے کا پینا حرام ہے۔ دوسری بات یہ ضروری ہے کہ سونے کے وقت حقہ اپنے سے دور رکھیں۔ اور مسواک کریں اور منہ دھو کر سوئیں۔ حقہ پیتے ہوئے نہ سوئیں، کیوں کہ اس میں جان کا بھی نقصان ہے اور دین کا بھی۔ کیا تم نے ان لوگوں کا حال نہیں سنا جو جل گئے اسی حقہ کے شوق میں۔ یادرکھو کہ یہ بات بہت کام کی ہے اور غفلت کو چھوڑ دو۔

سنتِ برتن: سونے سے پہلے تمام برتنوں کو ڈھانپ دو اور کوئی برتن کھلا نہ رہنے دو، کیوں کہ اس سے وبا کا اثر ہوتا ہے اور شیطان راہ پاتا ہے۔ اور یادرکھو کہ اگر چھپانے اور ڈھانپنے کے لیے کچھ نہ ملے تو لکڑی ہی لے لو اور بسم اللہ کہہ کر برتن پر رکھ دو، کیوں کہ فرمانِ واجب اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ بھی کافی ہے۔

سنتِ بستر: اگر سونے سے پہلے بستر کو کپڑے یا تہ بند کے کنارے سے جھاڑ دو تو بہت ثواب پاؤ، کیوں کہ یہ حدیث کا مضمون اور سنت کا طریقہ ہے۔ (فدا ہو ہماری جان اور مال سنت کے طریقہ پر) اے اللہ! ہمیں سنت کے طریقے پر زندہ رکھ اور سنت کے طریقوں پر موت دے اور ہم کو نیک کاموں کے ساتھ اُٹھا۔

سنتِ خواب: اور جب تم سونے کا ارادہ کرلو تو کچھ قرآنِ پاک کی سورتیں پڑھو۔ مثلاً: آیۃ الکرسی، چاروں قل، الحمد شریف، درود۔ اور تم سے زیادہ نہ ہو سکے تو ایک دو سورت ضرور پڑھو کہ یہ دنیا و آخرت کی نیک بختی کا سبب ہے۔ اور اگر خواب میں کوئی بری بات نظر آوے تو اعوذ باللہ پڑھو اور کروٹ بدل لو۔ اور اگر کسی کو خواب میں ڈر جانے کا مفصّل حال دیکھنا ہو تو ہمارا رسالہ ''تعبیرِ صادق'' یعنی خواب نامہ حدیث شریف ملاحظہ کرے کہ اس میں بہت سے فوائد حاصل ہوں گے۔ اور بہتر ہے کہ آمنت باللہ اور کلمہ شریف پڑھے اور باوضو ہو کر سووے۔

کھانے اور پینے کی سنتیں

سنتِ ید: یعنی کھانے سے پہلے ہاتھ کا دھونا بہت ثواب کا سبب ہے اور سنت ہے، اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا مستحب و مسنون ہے۔

سنتِ دسترخوان: سنت ہے کہ کوئی دسترخوان کپڑے یا چمڑے کا بچھا کر کھائے، اور اگر چمڑے کا دسترخوان ہو تو بہت عمدہ ہے اور مسنون ہے۔

سنتِ بسم اللہ: یہ بہت بڑی اور ضروری سنت ہے۔ اگر بسم اللہ کہہ کر نہ کھایا جائے تو شیطان شریک ہو جاتا ہے اور کھانا بے برکت ہو جاتا ہے۔ اگر شروع میں بسم اللہ کہنا یاد نہ رہے تو جس وقت یاد آجائے تو اسی وقت کہہ لے تاکہ کھانے میں برکت ہو۔

سنتِ شریک: اگر کئی آدمی ساتھ کھانے والے ہوں تو لازم ہے کہ ہر ایک اپنے آگے سے کھائے۔ اور اگر کھانے کی کئی قسم کی چیزیں (ایک ہی برتن میں) ملی ہوئی ہیں تو جائز ہے کہ جس طرف سے چاہے کھائے۔ اور جو شخص تنہا کھاتا ہے تو اس کے لیے بھی یہی سنت ہے کہ بیچ سے نہ کھائے اس لیے کہ بیچ میں برکت نازل ہوتی ہے۔

سنتِ جلوس: بیٹھنے کی سنت یہ ہے کہ دونوں گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھے یعنی اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاوے، یا ایک پاؤں بچھائے رکھے اور ایک کھڑا رکھے۔ اور کھانے کے لیے چوکڑی مار کر بلا ضرورت نہ بیٹھے۔

سنتِ ہاتھ: کھانے پینے کے لیے داہنا ہاتھ استعمال کرنا چاہیے، اور اگر دوسرے ہاتھ سے کھانے کی عادت پڑ گئی ہو تو اس کو چھوڑ دے اور داہنے ہاتھ سے کھانا شروع کر دے۔ اور کھانے کے بعد چاہیے کہ جو کچھ دانہ گرا ہو اس کو اُٹھا کر کھا لے اور اپنی انگلیاں چاٹ لے کہ اس میں بڑا ثواب ہے۔

سنتِ لقمہ: اگر کسی کے ہاتھ سے اس کا لقمہ گر گیا ہو تو اس کو اُٹھا کر (اور اگر ضرورت ہو تو دھو کر) کھا لے اور اس کو شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔

سنتِ سرکہ: جس گھر میں ہو وہ سالن کا محتاج نہیں، سرکہ کھانا سنت ہے۔

سنتِ غلّہ: سنت ہے کہ گندم میں کسی قدر جَو ملا کر کھائے، مثلاً: پانچ سیر گندم میں آدھ سیر یا پاؤ سیر جَو ملا لے تاکہ سنت کا ثواب حاصل ہو۔

سنتِ گوشت: گوشت کھانا سنت ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ گوشت دنیا و آخرت کے کھانوں کا سردار ہے۔

سنتِ برتن: چاہیے کہ برتن کو صاف کر لے اور چاٹ لے۔ اگر اس سنت کو ادا کرے گا تو تہجّد کا ثواب پائے، اور پیالہ اور برتن اس شخص کے لیے مغفرت کی دُعا کرے گا۔

سنتِ شکر: اور چاہیے کہ کھانے کے بعد اوّل اپنے مولا کا شکر ادا کرے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِيْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ[1] کہہ لے۔

سنتِ شربت: پینے کی سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ میں لے کر پیے اور ایک سانس میں پیتا ہوا نہ چلا جاوے، بلکہ چاہیے کہ تین سانس میں دم لے کر پیے اور شکر بجالائے۔

طریقہ: اور چاہیے کہ کھانے میں عیب نہ نکالے اور برا نہ کہے۔ اگر پسند نہ آوے تو اس کو چھوڑ دے، کیوں کہ حضورِ اکرم ﷺ کی یہی عادت تھی۔

لباس اور کپڑے کی سنتیں

سنتِ رنگ: ہمارے حضرت رسول اللہ ﷺ کو سفید کپڑا پسند تھا۔ لیکن آپ سے سیاہ رنگ کا کپڑا پہننا بھی ثابت ہے۔

سنتِ عمامہ: سیاہ رنگ کا عمامہ یعنی صافہ باندھنا مستحب ہے، اور ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ مقدار شملہ چھوڑنا مسنون ہے۔

سنت پہننے کی: سنت ہے کہ جوتا پہلے دائیں پاؤں میں پہنے۔

سنتِ نیا کپڑا: یعنی نئے کپڑے کی سنت یہ ہے کہ اس کو پہن کر یہ دعا پڑھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِيْ کَسَانَا ھٰذَا۔[2]

---

[1] تمام تعریفیں ثابت ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ہمیں کھانا کھلایا اور پلایا اور مسلمانوں میں سے بنایا۔

[2] تمام تعریفیں ثابت ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے پہنایا ہم کو۔

سنتِ تہبند: یہ ہے کہ لنگی، تہبند یا پائجامہ ٹخنے کے اوپر رہے نیچے ہرگز نہ لٹکائے۔ اللہ تعالیٰ اس فعل سے نہایت سخت غصّہ ہوتے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تہبند یا پائجامہ کو ٹخنے سے نیچے لٹکانے والے پر اللہ تعالیٰ رحمت کی نظر نہ کرے گا۔

سنتِ ٹوپی: سنت ہے کہ عمامہ اور صافہ کے نیچے ٹوپی رکھے۔ جس نے بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھا اس نے سنت کے خلافِ عمل کیا۔ اور جس نے بغیر ٹوپی کے اس طرح عمامہ باندھا کہ سر کھلا رہے تو اس کی نماز مکروہ ہوگی۔ اس لیے ان معتبر مسائل کو یاد رکھو کہ دنیا و آخرت میں کام دینے والے ہیں۔

سنتِ لنگی: یہ ہے کہ لنگی اوپر باندھو تہبند کے طریقے سے تاکہ حضور ﷺ کی سنت ادا ہو اور بے حد ثواب حاصل ہو، اور پھر تمہارے اور کافروں کے لباس میں فرق بھی رہے۔

سنتِ تکیہ: یہ ہے کہ اس میں کسی درخت کی چھال بھری ہو، یا کھجور کی چھال بھری جائے تو بہت زیادہ بہتر ہے۔

سنتِ ضروری: عورتوں کے لیے یہ ہے کہ ایسا کپڑا پہنیں کہ جس کی آستین ہاتھ تک آجائے۔ اور جو عورتیں ایسا کرتا پہنتی ہیں کہ اس کی آستین آدھے ہاتھ یعنی کہنی تک ہوتی ہے تو وہ سخت گناہ گار ہوتی ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ایسا اور باریک کپڑا نہ پہنیں جس میں سے بدن نظر آئے، کیوں کہ ایسی عورتیں قیامت کو ایسی حالت میں اُٹھائی جائیں گی کہ ان کے لباس نہ ہوگا۔ ہمارے حضورِ اکرم ﷺ نے حدیث میں یہی مضمون فرمایا ہے۔ اے مسلمانو! یہ ضروری مسائل اپنے گھر میں سب عورتوں کو سنادو۔

سنتِ انگشتری: مرد کے لیے یہ سنت ہے کہ وہ ساڑھے چار ماشہ چاندی سے زیادہ انگوٹھی نہ پہنے۔ اور سونے کی انگوٹھی مرد کے لیے بالکل حرام ہے ہرگز نہ پہنے۔ ہم نے بہت سے مردوں کو دیکھا ہے جو بہت زیادہ انگوٹھیاں پہنتے ہیں دو دو، تین تین، چار چار انگوٹھیاں پہنتے ہیں ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ یہ شعار صرف عورتوں کے لیے زیب و زینت ہے مرد کو جائز نہیں ہے کہ ساڑھے چار ماشہ چاندی سے زائد انگوٹھی پہنے۔

سنتِ بال: جس شخص کے سر پر بال ہوں اس کو چاہیے کہ بالوں کو دھویا کرے اور کنگھا کرتا رہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ روزانہ سر میں اور ڈاڑھی میں کنگھا نہ کرے بلکہ ایک دن درمیان میں چھوڑ کر تیسرے دن کیا کرے۔

سنتِ خضاب: چاہیے کہ جس کے ڈاڑھی کے بال سفید ہوں وہ مہندی اور تیل کے ساتھ خضاب کرے اور بالکل سیاہ خضاب نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے۔

سنتِ مونچھ وڈاڑھی: مسنون یہ ہے کہ مونچھ نہ بڑھائی جائے اور ڈاڑھی بقدر ایک مٹھی ہو اور اس سے ہرگز کم نہ کرے، اور ڈاڑھی کا کٹوانا اور منڈوانا سخت حرام ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو بچائے۔ آمین

سنتِ مہندی: عورتوں کو مہندی لگانا سنت ہے۔ یہ مضمون بہت پختہ اور صحیح حدیث کا ہے جو ابوداود شریف میں مذکور ہے۔

سنتِ سرمہ: عورت اور مرد دونوں کو سرمہ لگانا مسنون ہے۔ رات کو ہر آنکھ میں تین تین سلائی لگائے۔ یہ روایت ترمذی میں ہے۔

سنتِ حجامت: مسنون یہ ہے کہ یا تو تمام سر پر بال رکھے یا پھر تمام سر کے بال منڈوائے اور تھوڑے بال ایک طرف کے کٹوانا اور ایک طرف کے باقی رکھنا یہ ناجائز ہے۔ اے مسلمانو! اس سے ضرور بچنا چاہیے۔

شادی اور نکاح کی سنتیں

سنتِ نکاح: نکاح کی سنتیں یہ ہے کہ سادگی کے طریقے سے ہو اور اس میں زیادہ تکلّف اور بہت زیادہ سامان نہیں ہونا چاہیے۔

سنتِ یوم: نکاح کے لیے مسنون دن جمعہ کا ہے جو برکت اور بھلائی کا سبب ہے۔

سنتِ مکان: اور مسجد میں نکاح کرنا مسنون ہے۔

سنتِ اعلان: یعنی سنت ہے کہ نکاح کو مشہور کیا جائے اور دف بجایا جائے یعنی ایسا باجا جو ایک طرف سے کھلا ہوا ہو جس کو دف اور ڈھبڑا کہتے ہیں۔

سنتِ خُرما: نکاح کے بعد چھوارا یا کھجور کا لُٹانا اور تقسیم کرنا سنت ہے۔

سنتِ شب: یہ ہے کہ جب پہلی رات کو اپنی بیوی کے پاس جائے تو اس کے پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دُعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْأَلُكَ خَيْرَ مَا فِيْهَا، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا۔[1]

سنتِ شوال: مسنون ومحبوب طریقہ ہے کہ نکاح ماہِ شوال میں کیا جائے کہ برکت کا باعث ہے۔

سنتِ ولیمہ: مسنون ہے کہ جب پہلی رات زوجہ کے پاس گزارے تو ولیمہ کرے اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں اور دوستوں ومساکین کو کھلاوے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ ولیمہ بہت بڑے سامان سے کیا جائے بلکہ اگر تھوڑا ہی کھانا پکا کر اپنے عزیز رشتہ داروں کو تھوڑا تھوڑا کھلائے تب بھی سنت ادا ہو جائے گی۔ اور سب سے خراب ولیمہ وہ ہے جس میں مال دار اور دنیا دار لوگ بلائے جائیں اور مسکین، غریب اور دین دار نہ بلائے جائیں بلکہ نکالے جائیں غریب، محتاج۔

اے بھائیو! جب ولیمہ کرو تو اس میں سنت کی نیت رکھو اور مسکین، غریب اور دین داروں کو بلاؤ اور امیروں میں سے جس کو چاہو بلاؤ، لیکن غریبوں کو نہ نکالو۔ اور جو شخص دکھلانے اور ناموری کے لیے ولیمہ کرتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں ایسے شخص کو ولیمہ کا کچھ ثواب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے غصّے کا ڈر ہے۔

سنتِ دعوت: دعوت کا قبول کرنا سنت ہے لیکن جو شخص حرام مال کھاتا ہو اور رشوت، سود یا بدکاری میں مبتلا ہو اس کی دعوت قبول نہ کرنی چاہیے۔ اور اگر ایک ہی وقت میں دو آدمی دعوت کریں تو اس شخص کی دعوت قبول کرو جس کا مکان اور دروازہ تم سے قریب ہو۔

---

[1] اے اللہ! میں درخواست کرتا ہوں اس خیر کی جو اس کے اندر ہے اور پناہ مانگتا ہوں آپ کے ذریعے سے اس کے شر سے اور اس شر سے جو اس کے اندر ہے۔

سفر وغیرہ کی سنتیں

سنتِ ہمراہی: بہتر اور مسنون یہ ہے کہ دو آدمی سفر میں جاویں، تنہا ایک شخص کو سفر میں جانا بہتر نہیں۔ لیکن جب کہ ضرورت ہو تو تنہا شخص بھی سفر کرے تو کچھ اندیشہ نہیں ہے۔ یہ ہمارے فقہا اور محدثین کا ارشاد ہے۔ رحمة الله عليهم أجمعين

سنتِ دن: مسنون ہے کہ جمعرات کو سفر میں جاوے، اور یہ بھی مستحب ہے کہ سفر شنبہ یعنی سنیچر کے دن شروع کرے۔

سنتِ قیام: سفر میں ٹھہرنے کی سنت یہ ہے کہ درمیانِ راہ میں جس جگہ کہ مسافر چلتے ہیں، نہ ٹھہرے، بلکہ ایک طرف ہٹ کر ٹھہرے۔

سنتِ واپسی: ہمارے حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب سفر میں ضرورت پوری ہو جائے تو پھر نہ ٹھہرے بلکہ واپس چلا آئے، باہر سفر میں بلا ضرورت ٹھہرنا اچھا نہیں ہے۔

سنتِ مکان: اگر کسی دور سفر میں گیا ہوا تھا اور کافی روز گزرنے کے بعد آیا ہے تو سنت یہ ہے کہ اچانک گھر میں داخل نہ ہو، بلکہ اپنے آنے کی خبر دے کر پھر کچھ دیر بعد گھر میں جاوے۔ اسی طرح اگر زیادہ رات گزرنے پر آیا ہے تو اسی وقت گھر نہ جاوے بلکہ ٹھہر جائے اور صبح کو خبر ہونے کے بعد گھر میں داخل ہو۔ لیکن اگر وہ لوگ خبر دار ہوں اور تمہارے انتظار میں ہوں تو کچھ مضایقہ نہیں رات کو ہی گھر میں داخل ہو جاؤ۔ یہ سنت وہ زریں طریقے ہیں جن پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کرو۔

سنتِ نماز: سنت ہے کہ جب سفر سے واپس لوٹ کر آئے تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے دو رکعت نمازِ نفل مسجد میں جا کر پڑھے۔ اور یہ بھی سنت ہے کہ سفر میں کتے اور زنگور یعنی گھنگرو کو ساتھ نہ رکھے ورنہ شیطان پیچھے لگ جاتا ہے اور سفر بے برکت ہو جاتا ہے۔

سنت کے کاموں کی تفصیل

سنتِ سلام: سلام کرنا نہایت ہی بڑی سنت ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ ہر مسلمان شخص کو سلام کرنا چاہیے اگرچہ اس کو پہچانتا نہ ہو، کیوں کہ سلام کرنا اسلام کا حق ہے اور یہ کسی کے جاننے اور شناسائی پر موقوف نہیں ہے۔

سنتِ چھینک: جب چھینک آئے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا چاہیے۔

سنتِ جواب: جب تم سنو کہ کسی نے چھینک کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا ہے تو تم جواب میں یَرْحَمُکَ اللّٰہُ ضرور کہو اور اس کا بطورِ خاص خیال رکھو، کیوں کہ یہ بھی اسلام کا حق ہے اور واجب ہے۔

سنتِ اطفال: سنت ہے کہ لڑکوں پر بھی سلام کرے، کیوں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لڑکوں پر گزرے تو آپ نے لڑکوں کو سلام کیا۔ یہ حدیث بخاری و مسلم شریف میں موجود ہے۔

سنتِ رخصت: یہ ہے کہ جب لوگوں سے رخصت ہو تو بھی سلام کرو۔

سنتِ مصافحہ: اور سنت ہے کہ مسلمان بھائی سے ملتے وقت مصافحہ کرے اور مرد سے مرد مصافحہ کرے اور عورت سے عورت، لیکن یہ جائز نہیں کہ عورت مرد سے مصافحہ کرے۔

سنتِ تعظیم: جو کوئی بڑا شخص جس کو دین کی عزت حاصل ہو تمہارے پاس آوے تو بہتر ہے کہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاؤ، لیکن خود اس شخص کو یہ پسند نہ کرنا چاہیے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں۔

سنتِ مجلس: جب کسی مجلس میں پہنچو تو جس جگہ موقع مل جائے وہیں بیٹھ جاؤ۔ اور یہ مکروہ ہے کہ دوسروں کو اُٹھا کر تم وہاں بیٹھ جاؤ۔

سنتِ وسعت: جب کوئی شخص آئے اور جگہ نہ ہو تو لوگوں کو چاہیے کہ ذرا مل کر بیٹھ جائیں اور آنے والے مؤمن کے لیے وسعت کر دیں۔

سنتِ اجازت: اور سنت ہے کہ جب کسی کے مکان میں داخل ہو تو اوّل اجازت لے کر داخل ہو۔

سنتِ جمائی: جب جمائی یا انگڑائی آئے تو چاہیے کہ منہ کو بند کرے اور منہ کھولے نہیں، اور اگر منہ بند نہ کر سکے تو منہ پر ہاتھ رکھ لے۔

سنتِ نام: سنت ہے کہ اپنی اولاد کا نام عبداللہ وعبدالرحمٰن رکھے، اس لیے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب تر نام عبداللہ وعبدالرحمٰن ہیں۔

بیماری وغیرہ کی سنتیں

سنتِ عیادت: یعنی بیمار پُرسی کی سنت یہ ہے کہ بیمار کی مزاج پُرسی کی جائے اور بیمار کی عیادت کے بعد جلد واپس آجائے بیمار کے پاس سے، تاکہ تمہارے زیادہ دیر بیٹھنے سے وہ رنجیدہ نہ ہو اور اس کے گھر والوں کے کام میں خلل نہ پڑے۔

سنتِ تسلّی: بیمار کی ہر طرح تشفّی کرنا مسنون ہے۔ اس سے کہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ تم اچھے ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کی بڑی قدرت ہے۔ غرض اس سے ڈرانے والی بات نہ کہے۔

ہدایت: رات کو بیمار پُرسی جائز ہے، جو لوگ منحوس سمجھتے ہیں غلط ہے۔ اسی طرح جب بیمار کی خبر سنو اس وقت سے جب چاہے بیمار کی عیادت کر آئے۔ یہ ضروری نہیں کہ تین روز بیمار رہنے کے بعد عیادت کرے بلکہ جب چاہے کر آئے۔

سنتِ دوا: بیماری میں علاج اور دوا کرنا مسنون ہے لیکن نظر رکھے اللہ تعالیٰ پر۔

سنتِ کلونجی: کلونجی اور شہد سے علاج و دوا کرنا سنت ہے، کیوں کہ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان دونوں چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی ہے اور ان کی تعریف میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

سنتِ فال: یہ ہے کہ جس کسی کا عمدہ نام سنو تو اسے اپنے مدعا کے مناسب اور بہتر سمجھ کر خوش ہو جاؤ، یہی فال ہے۔ بد فال لینا سخت منع ہے، مثلاً: سفر میں جاتے وقت گیدڑ راستہ سے ہو کر

گزر جائے تو لوگ اس دن کو چھوڑ دیتے ہیں پھر کسی دن سفر کرتے ہیں۔ مثلاً: بندر کا نام نہیں لیتے، ان کو برائی کا باعث سمجھتے ہیں، یہ سب منع ہے۔ اور بہت برا ہے کسی آدمی کو منحوس سمجھنا۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ فلاں مکان کی وجہ سے ہم کو مرض آیا یا نقصان ہوا۔

سنتِ موت: سنت یہ ہے کہ میّت کے دفن میں جلدی کی جائے۔

سنتِ قبر: یہ ہے کہ قبر پر پانی ڈالیں اور قبر بہت اونچی نہ بنائیں اور پختہ قبر نہ بنائیں۔

سنتِ طعام: سنت ہے کہ میّت کے رشتہ داروں کو کھانا دیا جاوے، لیکن یہ خیال رہے کہ تمام برادری اور رشتہ داروں کو کھلانا جائز نہیں، بلکہ وہی لوگ کھاویں جو کھانے میں میّت والوں کے شریک ہیں اور کھانے میں ناموری اور دکھلاوا جائز نہیں ہے۔

پس اے مسلمانو! عمل کرو شوق سے اور دُعا کرو کہ سنت کا طریقہ نصیب ہو ہم سب کو اور آخرت میں ہم سب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں۔ آمین

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الْمَخْصُوْصِ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَخَوَاصِ الْحِكَمِ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

تعلیماتِ اسلام

(حصّہ پنجم)

تالیف

مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ

مکتبۃ البشریٰ
شعبہ نشر و اشاعت
چوہدری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گناہوں کا بیان

گناہ کی حقیقت:

سوال: گناہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: گناہ کے معنی نافرمانی کرنا اور حکم نہ ماننا کے ہیں۔ جس کام میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی ہوتی ہو اسے گناہ کہا جاتا ہے۔ گناہ کرنا بہت سخت بات ہے۔ اللہ کا غضب اور عذاب گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہر قسم کے گناہ سے بچنا چاہیے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

گناہوں کی قسمیں

سوال: کیا گناہوں کی بھی قسمیں ہیں؟

جواب: جب آپ کو گناہ کی حقیقت معلوم ہوگئی کہ ہر گناہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشاد کی مخالفت ہے اور یہ مخالفت کتنی ہی کم ہو وہ بھی بڑا اور سخت گناہ ہے، اس لیے اس کو صغیرہ نہیں کہہ سکتے۔ جیسے: آگ کی چنگاری خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی چھپر کے جلانے کے لیے دونوں کافی ہیں۔ ایسے ہی گناہ انسان کو اُخروی نقصان پہنچانے کے لیے دونوں برابر ہیں۔

پھر جو یہ مشہور ہے کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں کہ بعض صغیرہ اور بعض کبیرہ، یہ محض اضافی ہے کہ بعض گناہ بمقابلہ دوسرے گناہ کے صغیرہ یعنی چھوٹا ہوتا ہے۔ بعض علما کا یہی قول ہے۔ اور جمہور علما کا مذہب یہ ہے کہ گناہ بعض صغیرہ ہیں اور بعض کبیرہ، کیوں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بعض گناہ تو ایسے ہیں کہ ان کے کرنے والے کو فاسق اور مردود الشہادت سمجھا جاتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے کرنے والے کو فاسق نہیں سمجھا جاتا اور نہ اس کی شہادت رد کی جاتی ہے۔ پہلی قسم کو کبیرہ اور دوسری قسم کو صغیرہ کہا جاتا ہے۔

مگر ان سب میں بہتر تعریف جو زیادہ جامع اور سلفِ صالحین سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ جس گناہ پر قرآن یا حدیث میں جہنّم کی وعید بصراحت آئی ہو، یا اس کے کرنے پر کافر کے فعل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو جیسے تارکِ نماز کو جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی ہے کافر کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے:

مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ. (الحدیث)

جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی پس وہ کافر ہوگیا۔ یعنی اس نے کافروں جیسا کام کیا۔

اس قسم کے گناہوں کو کبیرہ کہتے ہیں، اور جن گناہوں پر اس قسم کی تصریح وارد نہ ہوئی ہو وہ صغیرہ ہے۔

گناہوں کی چند مثالیں

سوال: مہربانی فرما کر گناہوں کی چند مثالیں بھی شمار کرا دیں۔

جواب: سنیے اور حفظ کیجیے اور بچنے کی کوشش کیجیے:

ڈاڑھی منڈوانا، نماز کا ترک کرنا، قبروں پر سجدہ کرنا، بزرگوں کے مزارات پر نذر ومنت ماننا، روزہ نہ رکھنا، زکاۃ کے قابل ہو کر زکاۃ نہ دینا۔ حج کے قابل ہو کر حج نہ کرنا، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہنا، والدین اور اپنے اساتذہ کی جائز کام میں نافرمانی کرنا۔ اہل وعیال کے حقوق ادا نہ کرنا، شراب پینا، جوا کھیلنا، چوری کرنا، جیب کاٹنا، قرض لے کر پھر ادا نہ کرنا، کسی کی زمین یا مکان کا غصب کر لینا، سود لینا، رشوت لینا یا کسی ناجائز کام کو رشوت دے کر کرانا، غلّہ کی گرانی سے خوش ہونا، جھوٹی قسم کھانا، جھوٹی گواہی دینا، ناچ دیکھنا، گانا سننا، لڑکیوں کو میراث کا حصّہ نہ دینا، خودکشی کرنا، تقریبات میں ناموری کے لیے فضول خرچی کرنا یا قرض لے کر خرچ کرنا، ہولی دیوالی پر گھر کا لیپنا پوتنا، مرد کا پائجامہ یا لنگی کا ٹخنوں سے نیچے پہننا، ناجائز اُمور میں چندہ دینا، میدانِ جہاد سے بھاگنا، امانت میں خیانت کرنا، جاندار کی تصویر بنانا، یا کسی جاندار کی تصویر گھر یا دُکان میں رکھنا، جادو کرنا یا سیکھنا، پڑوسی، مہمان یا رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرنا، بری نیت سے کسی لڑکے یا لڑکی کو دیکھنا یا اس سے باتیں کرنا، یا عورت کا کسی

نامحرم مرد کو تاکنا، گالی دینا، ختنہ نہ کرانا، عورتوں کا ٹخنے کھولنا، بلا ضرورتِ خاص نامحرم مرد سے بات چیت کرنا، علما کی توہین کرنا، تکبّر کرنا، حسد کرنا، بخل کرنا، اسراف کرنا، حرص کرنا، ناشکری کرنا، بے صبری کرنا، لمبی لمبی آرزوئیں باندھنا، چغلی کھانا، غیبت کرنا، غصّہ کرنا، خود پسندی[1] میں مبتلا ہونا، مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا، پتنگ اڑانا، دونوں طرف سے شرط باندھنا، بدعت کے کام کرنا، پختہ قبریں بنانا، قبروں پر گنبد بنانا، قبروں پر چراغ جلانا، قبروں پر چادریں چڑھانا، غلاف ڈالنا، عرس کرنا، تیجہ و چالیسواں کے لیے میّت کے مکان پر کھانا کھانے کے لیے جمع ہونا، جائز اور مستحب کام میں ایسی شرطیں لگانا کہ وہ شریعت سے ثابت نہ ہوں۔ مثلاً: ایصالِ ثواب کے لیے کوئی دن مقرر کرنا، یا حضور ﷺ کی ولادت باسعادت اور سیرت کے بیان کے لیے ربیع الاوّل کے مہینہ کو خاص کرنا۔ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا، ڈاڑھی مونڈنا، کسی کی زمین پر بحیثیت موروثی کے قبضہ کرنا۔

اس قسم کے اور بہت سے گناہ ہیں جن کی تفصیل کے لیے مستقل رسالے کی ضرورت ہے۔[2]

گناہوں سے دنیا کے نقصانات

سوال: کیا گناہ کرنے سے دنیا میں بھی نقصان پہنچتا ہے؟

جواب: جی ہاں! دنیا میں بھی نقصان پہنچتا ہے، مثلاً: علم سے محروم رہنا، رزق کم ہو جانا، خدا تعالیٰ سے وحشت ہونا، اکثر کاموں میں دشواری کا پیش آنا، قلب میں ظلمت کا معلوم ہونا، دل میں اور بعض اوقات جسم میں کمزوری ہونا، طاعت سے محروم رہنا، عمر میں برکت نہ ہونا، گناہوں کا سلسلہ چلنا، توبہ کا ارادہ کمزور ہو جانا، گناہ کرتے رہنے سے اس کی برائی کا دل سے نکل جانا، دشمنانِ خدا اور نا اہلوں کا حاکم ہونا، خدا تعالیٰ کی نظر میں ذلیل ہونا، دوسری مخلوق کو اس کی معصیت کا ضرر پہنچنا، عقل میں کمی آنا، خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور فرشتوں کی اس پر لعنت ہونا، بارش کا رُکنا، پیداوار کم ہونا، عزت

---

[1] اپنے کو سب سے اچھا سمجھنا۔　[2] اس سلسلے میں کتاب ''گناہ بے لذت'' مطالعہ کریں۔

ومنزلت کا کم ہوجانا، خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا دل سے نکل جانا، نعمتوں کا سلب ہونا، بلاؤں کا ہجوم ہونا، مرتے وقت منہ سے کلمہ کا نہ نکلنا، خدا تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید ہوجانا، وغیرہ وغیرہ۔

بدعات کا بیان

بدعت کی حقیقت:

سوال: بدعت کسے کہتے ہیں؟

جواب: بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو۔ یعنی اس کام کو نہ تو حضور ﷺ نے کیا ہو، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے، نہ تابعین نے، نہ تبع تابعین نے، نہ ائمہ وفقہائے کرام نے، اور نہ اس کا ثبوت قرآن و حدیث سے ملے، اور اس کو دین سمجھ کر کیا جائے اور نہ کرنے والے کو ملامت کی جائے، ایسے کام کرنے والے کو بدعتی کہتے ہیں۔ بدعت بہت بُری چیز ہے حضور ﷺ نے بدعت کو مردود فرمایا ہے، اور فرمایا کہ بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔

کفر وشرک کے بعد بدعت بہت بڑا گناہ ہے کہ گناہ کرتا ہے اور اس کو گناہ نہیں سمجھتا۔

مثلاً: قبروں پر گنبد بنانا، دھوم دھام سے عرس کرنا، قبروں پر چراغ جلانا، شادی میں سہرا باندھنا، وغیرہ وغیرہ۔

عرس کی شرعی حیثیت

سوال: عرس کیا چیز ہے ذرا اس کی حقیقت بیان کیجیے۔

جواب: عزیزمن! آپ نے خوب وقت پر موقع کا سوال کیا مگر دیکھیے! سوال سے مقصود جہاں علمی غلطی سے نکلنا ہوتا ہے وہیں خالی الذھن ہوکر دلیل پر نظر کر کے عملی قدم اُٹھانا اس سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ مقصود معلومات سے عقائد واعمال کی تصحیح ہے نہ کہ مطلق علم۔ آپ اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے عرس کی حقیقت سنیے!

عرس کے معنی ہیں خوشی۔ عروس اسی سے ہے۔ کہتے ہیں شبِ عروس، تو چوں کہ بزرگوں

کی موت کا دن بزرگ کے لیے خوشی کا دن ہوتا ہے کہ وصال الی اللہ کا دن ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ وغیرہ حضرات قدس سرہم ہیں، کہ اگر موت نہ ہوتی تو دنیا میں آنا بے کار تھا کہ

اَلْمَوْتُ جَسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ إِلَی الْحَبِیْبِ. موت ایک پل ہے جو کہ دوست کو دوست تک پہنچاتا ہے۔

اس لیے وصال الی اللہ کے لیے موت کی تمنّا علامت ولایت کی ہے، تو وہ دن موت کا بزرگوں کے لیے چوں کہ خوشی کا دن ہوتا ہے اس لیے اس یوم کو ''یومِ عرس'' کہا جاتا ہے۔ سابق اولیائے کرام بعض مصلحتوں سے بزرگوں کے مزارات پر جمع ہوجایا کرتے تھے اور وہ مصلحتیں یہ تھیں کہ جہاں ان صاحبِ مزار کو قرآن شریف پڑھ کر بخشنا ہوگا وہیں یہ نفع بھی ہے کہ ایک بزرگ دوسرے بزرگ سے اپنے باطنی مقامات میں اشکال حل کریں گے اور ایک دوسرے سے فیض یاب ہوں گے۔ توجہ سے باطنی ترقی ہوگی۔ تیسرے یہ کہ عوام مسلمانوں کو اپنے لیے شیخ منتخب کرنا آسان ہوگا کہ مختلف مشایخ سے ملیں گے، صحبت میں بیٹھ کر ان کے ملکہ وطریق اور حالات کو دیکھ کر اپنی مناسبت کا اندازہ کرکے شیخ کا انتخاب کرلیں گے۔ یہ تھا مقصود اس اجتماع سے۔ اور وہ بھی ہمیشہ خاص اسی ماہ میں نہیں سال بھر میں کسی ماہ میں ہوجائے۔ نہ قوالی تھی، نہ میلے کی شکل تھی اور نہ کوئی تقرری وتہواری صورت تھی۔ اور ہو بھی کیسے سکتی تھی ان کو معلوم تھا کہ ایسے طریقے سے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، کیوں کہ آپ کا ارشاد ہے:
لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِیْدًا. کہ میری قبر کو عید نہ بنانا، یعنی جس طرح عید کے لیے دن مقرر ہوتا ہے اور عمدہ عمدہ کپڑے پہن کر خوشی کے ساتھ لوگ جمع ہوکر ایک مقام پر اکٹھے ہوجاتے ہیں اسی طرح میری قبر پر اکٹھے نہ ہونا۔

تو بھلا جب کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضے پر اس طرح جمع ہونے کو منع فرمارہے ہیں تو پھر دوسرے کے مزار پر تعینِ ماہ وتاریخ اور فاخرہ لباسِ زینت کو پہن کر خوشی کے ساتھ مثل بیاہ، شادی وعید وبقر عید جمع ہو ہو کر جانا اور جمع ہونا کیوں کر درست ہوسکتا ہے، حالاں کہ اپنے روضۂ مبارک کی زیارت کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب عجیب عنوان سے فرمائی۔ فرمایا کہ

مَــنْ زَارَ قَبْــرِيْ مِـنْ بَـعْـدِيْ فَـقَـدْ زَارَنِيْ.
جس نے میری قبر کی زیارت کی میرے بعد اس نے گویا میری زیارت کی۔

اور فرمایا:

مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ.
جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

تو باوجود اتنی ترغیبات اور اجرِ عظیم کے آپ اپنے روضۂ مبارک پر اجتماع کو منع فرما رہے ہیں، اس سے سمجھنا چاہیے کہ دوسرے کے مزار پر اجتماع تعینِ ماہ و یوم کے ساتھ اور عمدہ کپڑے پہن کر عطر وغیرہ لگا کر سنگار کے ساتھ سامانِ نشاط جمع کرنے کے ساتھ کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ عرس اصل سے ہی درست نہیں۔ اور بزرگوں کا جو حوالہ دیا جاتا ہے وہ بھی درست نہیں کہ آج کل کے اجتماع اور ان کے جمع ہونے کے مقاصد میں اور طرز و ہیئت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

عزیز من! کسی چیز پر حکم اس کی حقیقت پر لگا کرتا ہے نام پر نہیں لگتا۔ تو جب اس زمانے میں عرس کی حقیقت وہ نہیں ہے جو کہ اولیائے کرام کے نزدیک تھی جیسا کہ معلوم ہو گیا تو صرف عرس کے نام سے عرسِ موجودہ کے جائز ہونے کا حکم کیوں کر لگایا جا سکتا ہے؟ آج کل عرسوں میں وہ تمام باتیں جو کہ ایک میلے کی ہو سکتی ہیں وہ سب موجود ہوتی ہیں بلکہ اس سے زائد۔ سنیے! عورتیں سنگار کر کر کے بے پردہ وہاں جاتی ہیں۔ طبلے، سارنگی، ڈھول باجے وہاں ہوتے ہیں۔ بازاری عورتوں کے گانے وہاں ہوتے ہیں۔ دیگر تماشے اور کھیل کود اور کھلونے وہاں ہوتے ہیں۔

اب تم خود سوچو کہ کیا یہ سب باتیں اسلام میں حرام نہیں ہیں؟ اور کیا اولیاء اللہ نے کبھی یہ چیزیں جمع کی تھیں، یا جمع ہونے دی تھیں؟ پھر یہ عرس کیا وہی عرس ہے؟ اور سنیے! کیا سجدے نہیں ہوتے، جو کہ شرک کے صاف مشابہ ہیں۔ اسی بنا پر ہمارے حضور ﷺ نے مرض الوفات میں فرمایا:

لَـعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ.
لعنت کرے اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔

اس ارشاد میں آپ کا صاف اعلان تھا اپنی اُمت کو کہ تم اے مسلمانو! ایسی لعنت کا کام نہ کرنا کہ اپنے بزرگوں کی قبروں کو سجدہ کرنے لگو۔ اب تم خود ٹھنڈے دل سے سوچ لو کہ جو جگہ اس قدر گناہوں کے جمع ہونے کی ہو وہاں جانا بھی درست نہیں، چہ جائے کہ ایسے کام کی بِنا اور اس میں کوشش۔ یہ کس قدر مذموم، قبیح اور سخت ترین نافرمانی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی ہوگی، لہٰذا معلوم ہوا کہ موجودہ صورت عرس کی قطعاً جائز نہیں۔ البتہ مزارات پر جانا اور فاتحہ پڑھنا درست ہے اس کو کوئی منع نہیں کرتا، اور منع کیوں کر کیا جاسکتا ہے حالاں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا؛ فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ.

میں تم کو پہلے قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا اب زیارت کیا کرو، اس لیے کہ قبروں کی زیارت دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے اور آخرت کو یاد دلاتی ہے۔

حضور ﷺ قبرستان تشریف لے جایا کرتے تھے چناں چہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقُبُوْرِ الْمَدِيْنَةِ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ، يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ وَأَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ.

کہ آپ مدینہ منورہ کے قبرستان تشریف لے گئے اور آپ نے قبروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: سلام پہنچے تم کو، اے قبر والو، خدا تعالیٰ ہماری تمہاری بخشش فرمائے، تم ہم سے پہلے چلے آئے ہم بعد میں آنے والے ہیں۔

اس ارشادِ عالی اور فعلِ حبیب ﷺ سے قبرستان جانا اور فاتحہ پڑھنا اور دُعائے مغفرت کرنا معلوم ہوا۔ نیز معلوم ہوا کہ مقصود قبرستان جانے سے اور زیارت کرنے سے عبرت حاصل کرنا اور ان کے لیے دُعا کرنا اور آخرت کو یاد کرنا اور دنیا سے بے رغبت ہونا ہے۔ ان فائدوں کے لیے زیارت کا حکم فرمایا۔ سو اس قسم کی زیارت سب کی درست ہے ولی ہوں یا غیر ولی، بادشاہ ہو یا فقیر۔ بلکہ بہ نسبت دوسروں کے بادشاہ و رئیسوں کی قبر پر جانے سے زیادہ عبرت ہے اور بہ نسبت ولی کے گناہ گاروں کی قبر پر زیادہ مناسب ہے، کیوں کہ ان کو دُعا کی حاجت زیادہ ہے۔

اب آں عزیز خیال فرمالیں کہ کون ایسا مولوی ہے جو کہ زیارتِ قبور کو منع کرسکتا ہے۔ زیارت کو اور قبرستان جانے سے کوئی منع نہیں کرتا بلکہ عرس کو منع کیا جاتا ہے۔ جس میں ستار اور

سارنگیاں ساز وغیرہ بجائے جاتے ہیں، خوشیاں کی جاتی ہیں، بناؤ سنگار کے ساتھ جایا جاتا ہے۔ غرضے کہ گانے بجانے، ناچ، طبلے، ڈھول تمام نشاط کی چیزیں وہاں جمع ہوتی ہیں کہ نہ عبرت ہے نہ دنیا سے نفرت و بے رغبتی ہے نہ آخرت کا یاد کرنا ہے، جو کہ مقصود تھا زیارت سے۔ پھر یہ زیارت کیسی ہے کہ تمام باتیں زیارتِ مزار کے مقصود کے خلاف جمع ہیں، یعنی ہنسنا، قہقہہ لگانا، گانا، دنیا کی فضول ولغو باتیں کرنا، کھانا پینا وغیرہ۔

پس ثابت ہوا کہ موجودہ صورت عرس کی کسی طرح جائز نہیں۔ لہٰذا عرس کرنا تو کیسا، شریک ہونا اور دیکھنا بھی جائز نہیں۔

سوال: آپ نے بیانِ عرس میں ماشاء اللہ تعالیٰ خوب روشنی ڈالی (جَزَاكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى خَيْرَ الْجَزَاءِ). اب ایک اور شبہ باقی ہے، وہ یہ کہ حضورِ اکرم ﷺ ہر سال کے شروع میں شہدا کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمان قبرستان میں سالانہ جمع ہو جائیں تو جائز ہے۔ الفاظ حدیث شریف کے یہ ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَأْتِي قُبُوْرَ الشُّهَدَاءِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ، فَيَقُوْلُ: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ.

نبی کریم ﷺ سال کے شروع میں شہدا کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور فرماتے تھے سلام ہو تم پر جس طرح صبر کیا تم نے، سو اچھا ہے نتیجہ آخرت کا۔

جواب: عزیز من! اس حدیث شریف کو عرس سے کوئی علاقہ نہیں۔

اوّل تو بات یہ ہے کہ یہ حدیث شریف کتبِ صحاح میں نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی محمد بن ابراہیم ہیں یہ حدیث مرفوع متّصل نہیں ہے۔ لہٰذا کسی بات کے ثابت کرنے کے لیے جو اُصول ہیں کہ حدیث کا صحیح ہونا ضروری ہے، یہ بات اس روایت میں نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی مان لیں تو بھی یہ حدیث مجمل ہے، کیوں کہ سال کے شروع میں آپ کے تشریف لے جانے کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ سال ہجری کے شروع ماہِ محرم میں تشریف لے جاتے تھے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ شہدا کے سال شروع یومِ شہادت میں تشریف لے جاتے تھے۔ لہٰذا میّت کے وفات کے خاص

دن سالانہ جانے پر کوئی دلیل نہیں، بلکہ بہت سے بہت اس قدر ثابت ہوا کہ جہاں ہفتہ وار اور ماہانہ قبرستان جانا ہوتا ہے وہیں سال بھر بعد قبرستان جانا ہو جائے تو درست ہے اور اس طرح جانے کو کوئی عرس نہیں کہتا۔ اور پھر یہ حدیث شریف معارض ہے "لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا" کے، لہٰذا اجتماعی طور پر بطورِ عید وخوشی اور سامانِ شادمانی کے ساتھ تشریف لے جانا تو بالکل ہی محال ہے۔ پس اس حدیث شریف سے عرس کے جائز ہونے کو ذرہ برابر بھی مس نہیں ہے اور سالانہ قبروں اور مزارات پر بلا کسی خاص اہتمام واجتماع کے جانا جائز ہے۔

پس لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا کی صحیح حدیث شریف سے عرس کا ناجائز ہونا ثابت ہوا اور اس حدیث شریف سے بشرطے کہ یہ حدیث صحیح ہو تو سالانہ بغیر کسی خاص اہتمام اور اجتماع کے جانا جائز معلوم ہوا۔ اُمید ہے کہ اب تمام شبہات کافور ہو گئے ہوں گے۔

سوال: بے شک اب کوئی شبہ نہیں مگر ایک سوال باقی ہے وہ یہ کہ گانا بجانا، قوالی سننا درست نہیں ہے، حالاں کہ ہم نے سنا ہے کہ اولیائے کرام قوالی سنتے تھے؟

جواب: آپ پر تعجب ہے کہ یہ سوال آپ کے دل میں کھٹکا۔ کون نہیں جانتا کہ

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید[۱]

یا تو آپ ان حضرات کو اولیا میں سے جانتے ہیں یا نہیں، اگر نہیں جانتے تو سوال ہی لغو ہے۔ اور اگر ان کو اولیا میں سے سمجھتے ہیں تو کیا ولی خلافِ سنت طریقہ اختیار کر کے اور ترکِ سنت پر اصرار کر کے ولی ہو سکتا ہے؟ جو ولی ہوگا وہ تارکِ سنت نہ ہوگا، جو سنت کا تارک ہوگا وہ ولی نہ ہوگا۔ کیا حق تعالیٰ کا ارشاد نہیں پڑھا: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ کہ اے محمد! (ﷺ) فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم کو دوست بنا لیں گے۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ خدا ورسول کے بتائے ہوئے رستہ پر چلنے کے علاوہ دوسرے رستہ سے منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ.
کہ جب تک مجھ سے اپنے ماں باپ، مال واولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہوگی اس وقت تک کوئی مؤمن کامل نہیں ہوسکتا۔

اور کمالِ ایمان اور مؤمنِ کامل ہی کا نام ولی ہے۔ تو اب غور کیجیے کہ یہ گانا اور بجانا ان اولیائے کرام نے بھلا کیوں کر گوارا کیا ہوگا؟

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ﴾[1]
یعنی بعض ایسے ہیں کہ جو لغو باتوں (گانوں) کو خریدتے ہیں۔

اور بموجب ارشادِ نبی کریم ﷺ:

اِسْتِمَاعُ الْمَلَاهِي مَعْصِيَةٌ، وَالْجُلُوْسُ فِيْهَا فِسْقٌ، وَالتَّلَذُّذُ بِهَا كُفْرٌ.
کہ مزامیر سننا گناہ ہے اور اس کو سننے کو بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لذت حاصل کرنا کفر ہے۔

اور دوسری حدیث میں ہے:

نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْمَزَامِيْرِ وَالْمَعَازِفِ.
منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے منہ سے بجانے والے اور ہاتھ سے بجانے والے باجوں کے سننے سے۔

''قاضی خان''، جس پر بڑا مدار ہے فتویٰ کا، اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ

اِسْتِمَاعُ الْقُرْآنِ بِالْأَلْحَانِ مَعْصِيَةٌ وَالتَّالِيْ وَالسَّامِعُ آثِمَانِ.
یعنی مشایخ نے فرمایا کہ گانے کے طریقے پر قرآن شریف پڑھنا اور سننا گناہ ہے۔

اب سوچیے کہ بھلا شعر گانے کے طرز پر پڑھنا اور سننا کب جائز ہوسکتا ہے؟

پھر جب کہ ارشادِ خداوندی اور فرمانِ نبوی ﷺ اور اقوالِ مشایخ وفقہا سے گانا بجانا حرام ثابت ہے تو اولیائے کرام نے کیوں کر روا رکھا ہوگا؟ معلوم ہوا کہ جو سماع ان حضرات سے سننا ثابت ہے وہ ہے جو کہ مباح اور محلِ جواز میں تھا۔ اور وہ یہ کہ اشعار خوش آوازی کے ساتھ بلا مزامیر ومعازف حدِ شرعی میں محبّتِ حق اور توحید کے ذکر میں ہو، خواہ استعارہ اور کنایہ

[1] لقمان: ٦

میں ہوں یا صاف وصریح معنی میں ہوں۔ چناں چہ ان حضرات کے شرائطِ سماع سے بھی یہی ثابت ہے اور وہ شرائط یہ ہیں:

اوّل: یہ کہ سننے والے صاحبِ حال ہوں۔

دوم: سنانے والے صاحبِ دل ہوں۔

سوم: جو چیز سنائی جائے وہ حدودِ شرعیہ میں ہو۔

چہارم: مزامیر نہ ہوں۔

پنجم: اَمرد (بے ریش) نہ ہوں۔

ششم: عورتیں نہ ہوں۔

اب آپ نظرِ انصاف سے کہیے کہ ان حضرات کی جب یہ شرائط ہیں تو ان حضرات کو بزرگ وولی جانتے ہوئے ان کی طرف گانے بجانے کے سننے کو منسوب کرنا ان پر تہمت نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر کہیں کھنجری یا دف پر کسی بزرگ کا سننا ثابت بھی ہو تو وہ ان کا غلبۂ حال ہے، معذوری ہے، اور ممکن ہے علاجاً ہی سننا گوارا کرلیا ہو، تو یہ ان کا فعل دلیل و حجّت نہیں ہوسکتا۔ بالخصوص جب کہ ان ہی حضرات کے اقوال اس کے خلاف ہیں۔

پس ہر طرح سے یہ معلوم ہوگیا کہ مثل عرسِ موجودہ کے آج کل کا موجودہ سماع جائز نہیں۔

کاش کہ مسلمان بالعموم اور مدعیانِ محبّتِ رسول بالخصوص اس کو سمجھیں اور طریقِ سنت اختیار کریں۔

سوال: جَـزَاكَ اللّٰـهُ تَـعَالٰى خَيْرَ الْجَزَاءِ. یہ سب سمجھ میں آ گیا۔ اب آپ یہ بتا دیجیے کہ قبرستان اور مزارات پر سنت طریقہ جانے کا کس طرح ہے؟

جواب: سنیے! جب عرس کا زمانہ نہ ہو اس وقت مزار پر حاضر ہوں اور کہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ، أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ.

اور ذرا فاصلے سے بزرگ کے چہرے کی طرف اپنا چہرہ کر کے کھڑے ہوں اور بغیر ہاتھ اُٹھائے ہوئے تین بار یا گیارہ بار سورۂ اخلاص اور تین تین بار سورۂ کافرون، سورۂ علق، سورۂ ناس، سورۂ تکاثر، سورۂ فاتحہ اور تین بار درود شریف اور سورۂ یٰسین شریف

یاد ہو تو وہ ایک بار پڑھ کر اوّل حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشیں، پھر تمام انبیا علیہم السلام کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو، پھر جس کے مزار پر یا قبر پر کھڑے ہوں ان کو بخش دیں۔
اور پھر اگر اپنے لیے دُعا کریں تو اس طرح کہیں کہ اے اللہ! ان بزرگ کے وسیلے سے میرا فلاں کام پورا فرما دیجیے۔ پھر السلام علیکم کہہ کر واپس چلا آئے۔
اور اگر وہ قبر بزرگ کی نہیں ہے تو جانا اور فاتحہ پڑھنا اور واپسی پر السلام علیکم کہنا یہ سب اسی طرح ہے، البتہ کھڑا ہونا قریب ہو تو کوئی حرج نہیں، اور دُعا اپنے لیے کرے نہ کرے اختیار ہے۔ اور جب تک قبرستان میں رہے کھائے پیے نہیں، نہ دنیا کی باتیں کرے، نہ ہنسے نہ قہقہے لگائے، بلکہ اپنی موت کو یاد کرے، اور عبرت حاصل کرے، دنیا سے بے رغبتی ہو اور آخرت کی طرف رغبت ہو۔

سوال: آپ نے فرمایا ہے کہ قبرستان میں ہاتھ اُٹھائے بغیر فاتحہ پڑھیں، دُعائے مغفرت مُردوں کے لیے کریں۔ حالاں کہ ہم دیکھتے چلے آئے ہیں کہ لوگ ہاتھ اُٹھا کر قبرستان میں فاتحہ پڑھتے ہیں اس میں کیا حرج ہے؟

جواب: جی ہاں! بظاہر تو کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا۔ مگر مہربانِ من! اسلام کے اندر اس کا بڑا اہتمام ہے کہ کسی طرز و ہیئت سے شرک کا شائبہ بھی نہ ہونے پائے بلکہ جس طرح عقیدے میں توحید خالص ہے اسی طرح ہر عمل و ہیئت سے بھی توحید ہی ٹپکے۔
تو جب قبرستان میں ہاتھ اُٹھا کر فاتحہ پڑھیں تو مشرکین و کفار کو یہ وہم و شبہ ہو سکتا ہے کہ ہماری طرح مسلمان بھی اپنے مُردوں سے کچھ مانگ رہے ہیں۔ اس لیے ہاتھ اُٹھا کر فاتحہ پڑھنا قبرستان میں ٹھیک نہیں۔ چناں چہ آپ حضرات علمائے حق کو قبرستان میں ہاتھ اُٹھا کر فاتحہ پڑھتے ہوئے کبھی نہ دیکھیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔
عزیز من! توحید خالص عقیدہ اور عمل و حال تینوں میں رچی ہوئی ہونی چاہیے اور کبھی کوئی ایسا طریقِ کار اختیار نہ کرنا چاہیے کہ جس سے مشرکین کی نظروں میں ذرہ برابر بھی ہمارے طرزِ عمل سے شرک کا شائبہ ہو۔ ہر حال و عمل سے توحیدِ خالص ثابت وظاہر ہونا چاہیے۔

اُمید ہے کہ اس کو بھی خوب سمجھ گئے ہوں گے۔

اسلامی مہینوں کے احکام

سوال: ہر ماہ میں کچھ رسومات کا رواج ہے اس کے متعلق مختصر بیان کردیں تو بہتر ہے۔

جواب: بہت اچھا، مختصر طور سے کچھ کچھ ان کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ ذرا ذہن کو خالی رکھ کر غور فرمائیے اور عملِ صحیح کی کوشش کیجیے۔

محرم کا بیان

سوال: محرم کے مہینہ میں تعزیہ بناتے ہیں۔ شربت پلاتے ہیں۔ کھچڑا پکاتے ہیں۔ شریعت میں اس کی کیا اصل ہے؟

جواب: شریعت میں ان تینوں میں سے کسی ایک کی بھی کچھ اصل نہیں ہر ایک کو ذرا تفصیل سے سنیے:

تعزیہ اصل میں تعزیت سے ہے اور تعزیت کے معنی ہیں ماتم پُرسی کرنا۔ تو جو لوگ تعزیہ بناتے ہیں وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ماتم پُرسی کرتے ہیں۔ سالانہ ماتم مناتے ہیں کہ محرم کے مہینہ میں دسویں تاریخ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ ان کی شہادت کا حال صورت سے اور عمل سے ظاہر کرتے ہیں اور کلام سے بھی بطورِ مرثیہ اظہارِ تعزیت کرتے ہیں۔ سو اب ذرا سوچنے کی بات ہے کہ ایسی باتیں کس طرح درست ہوسکتی ہیں؟ کیوں کہ کسی کی تعزیت و ماتم پُرسی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے عزیز رشتہ دار کو سکون و تسلّی و صبر دلایا جائے نہ کہ اس کا غم بڑھایا جائے، اور پھر اس طریقے سے کہ مرنے والے کی پوری تکلیف کا منظر کسی صورت میں لاکر رکھا جائے کہ بجائے صبر کے انتہائی درجہ کا صدمہ ہو۔

مزید برآں مرنے والے کی تصویر بھی قائم کی جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرابت والے حضرات کے علاوہ ہم سب بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے گویا قرابت دار ہی ہیں اور

ہم اہلِ سنت والجماعت کو بھی حضرت امام حسین کی شہادتِ پُرحسرت پر سخت الم و جاں کاہ صدمہ ہے۔ سو اس کو ہلکا کرنے کی صورت اختیار کرنی چاہیے نہ کہ بڑھانے کی شکل اختیار کی جائے۔ کیوں کہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝﴾ [1]

اور خوش خبری سنا دیجیے ان لوگوں کو کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ واویلا کرنے کے بجائے ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝﴾ پڑھتے ہیں۔

اور تصویری نقل اختیار کرنا کسی طرح بھی روا نہیں۔ کیوں کہ اوّل تو شریعت نے اس کو بھی حرام فرمایا۔ دوسرے اسراف کا وبال، کاغذ و بانسوں کا خرچ اور آٹے کا خرچہ الگ ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝﴾ [2]

اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ﴾ [3]

تحقیق فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

تیسرے رزق آٹے کی بے حرمتی۔ چوتھے پھر اس اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیز کو توڑ پھوڑ کر ضائع کرنا۔ نیز اس کاغذی چیز کے ساتھ وہ برتاؤ دفن وغیرہ کا کرنا جو انسان کی میّت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

مزید برآں اس کو باعثِ برکت خیال کر کے چڑھاوے چڑھانا، منت ماننا جو کہ شرک ہے۔

غور کا مقام ہے کہ ہندو کافر لوگ یہ دیکھ کر کیا کہتے ہوں گے کہ ہم میں اور ان مسلمانوں میں فرق ہی کیا ہے، ہم پتھر کو پوجتے ہیں اور تم مٹی کے ڈھیر کو۔

ہائے افسوس کہ جس مذہب میں توحید کی نہایت پاکیزہ و صاف تعلیم تھی اس کو مسلمانوں نے اپنے طرز سے دوسروں کی نظر میں مخلوط کر دیا۔

بہر حال صورت یکساں ہونے کی وجہ سے ہندو کو موقع اعتراض کا ہوا۔ تب ہی تو آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] البقرة: ١٥٥، ١٥٦ [2] الأنعام: ١٤١ [3] الإسراء: ٢٧

اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّھَمِ. مسلمانوں کو ایسے اُمور سے جن میں دور کا بھی اشتباہ اور ذرا بھی شائبہ توحید میں فرق ونقص آنے کا ہو تو گریز اور احتیاط لازم ہے۔ تعزیہ داری ہر اعتبار سے قابلِ ترک ہے اور توبہ ضروری وفرض ہے۔

رہا شربت کو لازم قرار دینا یہ بھی درست نہیں اور جس عقیدے سے شربت بناتے اور پلاتے ہیں وہ عقیدہ تو بالکل ہی غلط ہے۔ وہ یہ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پیاسے شہید ہوئے تھے لٰہذا شربت پلایا جائے تا کہ وہ عالمِ برزخ میں پی کر پیاس کو بجھالیں، سو یہ کس قدر بے ادبی اور جہالت ہے کہ اب تک کیا وہ پیاسے ہی ہیں؟ ارے انھوں نے تو شہید ہوتے ہی وہ پانی حوضِ کوثر کا پیا کہ کبھی پیاس ہی نہ لگے۔ اور دوسرے یہ کہ اس وقت سے اب تک اس قدر شربت پیتے پلاتے ہیں کہ کوئی حد نہیں۔ کیا اب تک پیاس ہی نہ بجھی؟ استغفر اللہ! ایسی باتیں مسلمان منہ سے نکالتے ہیں کہ جن کا نہ سر نہ پیر۔

اسی طرح کھچڑا کہ اس کی کوئی اصل ہی نہیں۔

ممکن ہے اس خیال سے نکالا ہو کہ سب چیزیں ملالو اور پکالو۔ وسعت ہوگی تقسیم بھی کردیں گے۔ مگر اب چوں کہ یہ رسم ہوگیا ہے اور بعض لوگ ضروری سمجھتے ہیں، اس لیے قابلِ ترک ہو، اور نہ کوئی حرج نہیں۔

شریعت سے اتنا ثابت ہے کہ دسویں محرم کا روزہ رکھا جائے اور نویں کو بھی رکھ لیں تو بہتر ہے، یا گیارھویں کو۔ غرض یہ کہ دسویں محرم کے ساتھ ایک روزہ اور ملالیں تو بہتر ہے۔ کیوں کہ صرف دسویں کا ایک روزہ مکروہ ہے۔ اور دسویں کو اپنے اہل وعیال پر کھلانے کی وسعت کریں۔ اچھا بھی پکائیں اور زائد بھی۔ اور جب زائد پکائیں تو اس میں سے فُقرا اور مساکین کو صدقہ خیرات بھی کردیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ثواب پہنچانے کی نیت سے اور دوسرا اعزہ کو ایصالِ ثواب کے مقصد سے ہو تو یہ بہت بہتر ہے۔

عزیزم! بعض چیزوں کا کرنا اپنی ذات سے ممنوع نہیں بلکہ مباح ہے، لیکن مسلمانوں نے اپنی خراب نیت اور فاسد عقیدے سے اس کو ممنوع کرالیا۔ جب مولوی صاحب منع کرتے ہیں تو بجائے خود اپنے کو ملزم سمجھنے کے عُلما حضرات پر الزام دھرتے ہیں کہ یہ مولوی صاحبان

ثواب بخشنے سے بھی منع کرتے ہیں۔ ارے ثواب ملا ہی کب تھا جو مولوی صاحب بخشنے سے منع کرتے۔ ایصالِ ثواب سے منع کرنا کیسا بلکہ اس کی ترغیب دیتے ہیں۔ البتہ جو طریق غلط ایصالِ ثواب کا تجویز کر رکھا ہے جس سے ثواب حاصل ہی نہیں ہوتا، اس طرح کو منع کرتے ہیں۔

ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا

صفر کا بیان

سوال: صفر کے مہینے میں گھونگھنیاں تقسیم کی جاتی ہیں، یہ کیا ہے؟

جواب: صفر کے مہینے کو تیرہ تیزی کہا جاتا ہے، اور یہ زیادہ تر عورتیں کہتی ہیں۔ اور اس مہینے کو اکثر عورتیں مبارک نہیں سمجھتیں اور گھونگھنیاں وغیرہ پکا کر تقسیم کرتی ہیں تاکہ اس مہینے کی نحوست سے حفاظت رہے۔ یہ سب فسادِ عقیدہ کی بات ہے، توبہ کرنی چاہیے۔

ربیع الاوّل کا بیان

سوال: ربیع الاوّل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا ذکر کیا جاتا ہے جس کو میلاد شریف کہتے ہیں اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ ہماری طرف تو بڑا اہتمام ہوتا ہے مجلس سجائی جاتی ہے اور دور دور سے میلاد شریف پڑھنے والے خوب روپیہ دے دے کر بلائے جاتے ہیں، کبھی تنہا کبھی مل مل کر پڑھتے ہیں، مٹھائی کی تقسیم کا بڑا اہتمام ہوتا ہے۔ ولادت شریفہ کے ذکر کے وقت قیام کیا جاتا ہے، جو قیام نہ کرے اس کو گستاخ و بے ادب کہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ ایک معمولی امیر کی سواری آجائے تو کھڑے ہو جائیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں اور نہ کھڑے ہوں کس قدر گستاخ ہیں اور جو میلاد شریف نہ کرے اس کو طعنہ دیتے ہیں ملامت کرتے ہیں اس کی کیا اصل ہے؟

جواب: میلاد شریف سبحان اللہ ذکرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے جو کہ مستحسن اور باعثِ برکت ہے، مگر اس کا خیال ضرور رکھا جائے کہ ذکرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی ایسی چیز جمع نہ کی جائے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی وخوشی کے خلاف ہو۔ مثلاً: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ جھوٹ بولنے کے لیے اور مجھ پر بہتان باندھنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ میری طرف ایسی روایت کو منسوب کرے کہ جس کو میں نے بیان نہیں کیا۔ یا یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کے مجمع میں گا گا کر نہ پڑھا جائے کہ عورتوں کا دل مثل شیشے کے ہے، کہیں ٹوٹ نہ جائے۔

یا مثلاً حضور ﷺ نے فرمایا: جو بات دین کا جز نہیں اسے دین میں داخل نہ کرو۔ حرام کو حرام جانو، حلال کو حلال۔ نیز فرمایا کہ فضول خرچی نہ کرو، اور آپ نے فرمایا کہ جب میں تم میں اے صحابہ آیا کروں تو تم میرے لیے کھڑے نہ ہوا کرو۔

سو آپ سوچیں اور سچے دل سے سوچیں، بلا کسی کا پاس لحاظ کیے ہوئے سوچیں، خالی الذہن ہو کر سوچیں کہ کیا آج کل جو میلا د شرف کا طرز ہے وہ مکروہ باتوں سے پاک ہوتا ہے؟ اور عقیدوں کی درستی کے ساتھ ہوتا ہے؟ ہر چیز پر غور کریں تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ کوئی چیز آج کل میلا د شریف میں پیارے رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے موافق نہیں۔ مثلاً: اوّل پڑھنے والے دیکھیے کہ اکثر میلا د خواں صاحبان کی وضع قطع ڈاڑھی وغیرہ محبوب ﷺ کی جیسی اور مرضی کے موافق نہیں، کوئی منڈوائے ہوئے ہے کوئی کتروائے ہوئے ہے، اور میلا د ختم کر کے جو سو جاتے ہیں تو صبح کی نماز قضا اور اکثر جماعت تو ترک ہوتی ہی ہے۔ اور پھر مل کر اشعار پڑھنا اور خوش الحانی کے ساتھ جس میں عورتیں سننے والی ہوتی ہیں۔ جو کہ حضور ﷺ کی مرضی کے خلاف ہے۔ اور اس قدر زور سے پڑھنا کہ سونے والوں کی نیند خراب ہوتی ہے۔ حالاں کہ خود حضور ﷺ جب شب کو تہجّد کے لیے بیدار ہوتے تھے تو ایسے طریقے سے کہ کسی بیوی صاحبہ کی آنکھ نہ کھل جائے کہ تکلیف ہوگی۔ آپ کو خبر نہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ شب کو باہر تشریف لے گئے اور اس طرف گزر ہوا جدھر حضرات شیخین ابو بکر صدیق و عمر رضی اللہ عنہما کے مکانات تھے، یہ دونوں حضرات تہجّد میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے، حضرت ابو بکر تو کسی قدر آہستہ آہستہ پڑھ رہے تھے اور حضرت عمر زور زور سے پڑھ رہے تھے۔ جب صبح کو ہر دو حضرات حاضر خدمت مجلس شریف آں حضرت ﷺ ہوئے تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابو بکر (رضی اللہ عنہ)! تم رات قرآن شریف آہستہ آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے؟

عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! اس وجہ سے کہ کسی کی آنکھ نہ کھل جائے۔ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر (رضی اللہ عنہ)! تم اتنے زور سے کیوں پڑھ رہے تھے؟ عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! تاکہ دوسرے لوگ جاگ جائیں اور وہ بھی تہجّد پڑھ لیں! تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے ابوبکر! تم تو آواز کسی قدر بڑھادواور اے عمر! تم آواز کوکسی قدر ہلکا کردو۔

اب آپ غور فرمائیں کہ جب سونے والوں کی اس قدر رعایت کی گئی کہ تہجّد فرض واجب تو ہے نہیں جو دوسروں کے بیدار کرنے کی تدبیر کی جائے، اور معمولی جہری آواز سے کوئی بیدار نہیں ہوسکتا تو آپ نے دونوں صاحبوں کو اعتدال ومیانہ روی کی تعلیم فرمائی کہ ان کے شوق کو بھی باقی رکھا اور سونے والوں کی نیند خراب ہونے اور تکلیف ہونے کا بھی خیال فرمایا۔

تو پھر میلاد خواں صاحبان کو کیا حق ہے کہ ایسی آواز سے پڑھیں کہ اڑوسی پڑوسی سے گزر کر سارے محلّہ والے بلکہ سارے قصبہ والے چوکنے ہوجائیں۔ جو لوگ مجلس میں حاضر ہوگئے سنانا تو ان کو ہے بس، ان کے موافق آواز کافی ہے تو اتنے زور سے پڑھنا یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے موافق نہ ہوا۔

اب رہا قیام کا سوال جو غلبۂ وجد وغلبۂ بےخودی وحال کے غلبہ سے ہو تب تو معذوری ہے، اور اگر غلبۂ حال و بےخودی کچھ بھی نہیں تو یہ محض ایک رسم ہے جو کہ لائقِ اقتدا نہیں۔ اور اگر یہ قیام کسی عقیدے سے ہے مثلاً یہ کہ آپ نے فرمایا کہ بوقت ذکر ولادت شریفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اس لیے تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں تو عزیز من! اس عقیدے سے کھڑا ہونا درست نہیں۔ کس نے دیکھا کہ تشریف لاتے ہیں اور کس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ تشریف لاتے ہیں؟ اور جب نہ مجلس والوں کا دیکھنا ثابت ہوا اور نہ آیت وحدیث سے ثابت ہوا تو یہ کذب بیانی کیسی؟ اور حاضر وناظر ذات بجز ذات باری تعالیٰ کے کسی کی ذات نہیں۔ یہ عقیدہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں یہ تو فاسد عقیدہ ہے اور لائقِ توبہ ہے۔ اگر کسی زمانے کے لوگ کسی بزرگ کی تقلید میں کھڑے ہوگئے کہ وہ کھڑے ہوئے تھے، یہ تقلید صحیح نہیں۔ ان بزرگ کو تو مشاہدہ ہوا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار وغیرہ کا کشف کے طور پر، یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پُرنور کا بطور خرقِ عادت، اور وہ اپنے اس کشف پر کھڑے ہوگئے، سو اس وقت اس مجلس

میں بلحاظِ آدابِ مجلس کہ ایک کھڑا ہو تو سب کھڑے ہو جائیں ورنہ صاحبِ وجد پر قبض کی حالت طاری ہو جائے گی اور اندیشہ ہلاکت کا ہو جائے گا، سو ان کا دیکھا دیکھی اس لیے دوسرے بھی کھڑے ہو گئے۔ سو ان بزرگ کے ایسے حال کی تقلید درست نہیں اور التزام جائز نہیں۔ کسی بات کا تقاضا یا کسی سے ظہور ہونا یہ دوام کو مستلزم نہیں اور اس کو معمول بنا لینا جائز نہیں۔ اور پھر ہم کو تو حضور ﷺ کی خوشی مطلوب ہے اس لیے میلاد شریف کیا جاتا ہے۔

سو میں بتاتا ہوں اس سے آپ سمجھ جائیں گے کہ قیام کرنے میں حضور ﷺ کی خوشی زیادہ ہے یا قیام نہ کرنے میں۔

سنیے کہ جب آں حضرت ﷺ مجلس شریف میں تشریف لاتے تو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے، آپ نے نرمی سے دو تین بار منع فرمایا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر کچھ زیادہ توجہ نہ کی، تو رسول اللہ ﷺ نے غصّہ سے سختی کے ساتھ منع فرمایا تب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول ہو گیا کہ جب مجلس شریف میں حضور ﷺ تشریف لاتے تھے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے نہ ہوتے۔

اب ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ آپ کی مرضی تو یہ اور ہم اس کے خلاف اپنے شوق کی باتیں کریں اور وہ بھی اے عزیزم! رسم کے طور پر، تو اب قیام کب روا؟ اور قیام نہ کرنے والوں کو برا کہنا کب جائز؟

عزیزِ من! اصل چیز شوق پورا کرنا نہیں بلکہ اصل چیز تو اتباعِ رسول اللہ ﷺ ہے۔

اب رہا میلاد نہ کرنے والوں پر طعن کرنا سو یہ عجیب بات ہے، کیوں کہ طعن و ملامت تو گناہ کے کام پر کی جاتی ہے اور میلاد شریف نہ کرنا یا اس میں شریک نہ ہونا یہ معصیت نہیں، حد سے حد یہ ایک مستحسن عمل ہے کہ اگر بالکل شرع کے موافق ہو اور حضور پُرنور ﷺ کی مرضی کے موافق ہو تو ثواب ہوگا اور باعثِ برکت ہوگا، مگر چوں کہ فرض و واجب نہیں کہ جس کے ترک سے گناہ لازم آئے، اس لیے میلاد شریف شرع کے موافق بھی اگر کوئی نہ کرے نہ کرائے نہ شریک ہو تو بالکل گناہ نہیں۔ پھر ملامت کرنا کیسا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ میلاد کرتے کراتے ہیں وہ میلاد شریف کو واجب سمجھتے ہیں تب ہی تو اس کے تارک کو ملامت کرتے ہیں۔

استغفر اللہ! ان کو توبہ کرنا چاہیے کہ غیرِ واجب کو واجب سمجھیں۔ اور بھائی! شریک نہ ہونے میں گناہ ہونا تو اس وقت ہے کہ جب میلا د شریف شرع کے موافق ہو۔ مگر جب کہ اس مجلس میں کم و بیش اکثر باتیں خلافِ شرع جمع ہوتی ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا تب تو شریک نہ ہونا ہی ضروری ہے۔ اور مٹھائی تقسیم کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ تقسیم کی کی، نہ کی نہ کی۔ مگر مٹھائی تقسیم نہ ہو تو اس کو میلا د شریف اور ذکرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں سمجھتے۔ استغفر اللہ! اور جناب جس کو نہ ملے وہی خفا۔ بس معلوم ہوا کہ شیرینی ہی کے لیے آئے تھے تب ہی تو بے چارے میلا د شریف کرانے والے پر مٹھائی نہ ملنے پر اعتراض بھی ہے اور غصّہ بھی ہے۔

اب آپ ذرا انصاف کی نظر سے دیکھیے کہ جو مجلس اس قدر مکروہات اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناپسند باتوں کا مجموعہ ہو وہاں شریک ہونا کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ اور کیا خیر و برکت ہوگی؟ اُمید ہے کہ آپ کی سب باتوں کا جواب ہوگیا ہوگا۔ اور سچّے دل سے سوچ کر آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ آج کل کی ایسی مجلسوں کا کیا حکم ہے۔ اللہ کرے کہ مسلمان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کے سچّے دعویدار بنیں اور وہ سچّی محبّت حقیقی اتباع میں ہے۔ مرضیاتِ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے میں ہے اور نا مرضیات سے بچنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾[1]

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، کہ اللہ تعالیٰ تم کو محبوب رکھیں گے۔

سوال: اچھا یہ تو سمجھ میں آ گیا مگر یہ تو فرمائیں کہ کوئی شخص صحیح عقائد کے ساتھ موافق شرع کی روایات کے ساتھ بدون قیام و شیرینی کے میلا د شریف کرے تب تو اجازت ہے؟

جواب: آپ تو ماشاء اللہ سمجھ دار ہیں خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ جو کام فرض واجب نہ ہو اور عام لوگ اس کام کو خاص خاص قیدوں و لوازمات کے ساتھ کرنا ثواب جانتے ہیں تو دوسرا شخص اس کام کو صحیح طریقہ ہی سے گو کرے مگر سننے والے یہ نہ جانیں گے کہ کس طرح کیا ہے بس وہ تو یہ سن کر کہ فلاں عالم صاحب کے یہاں بھی یہ عمل میلا د شریف ہوا،

[1] آل عمران: ۳۱

بس ان کے لیے یہ حجّت ہو جائے گا کہ دیکھیے صاحب! فلاں صاحب بھی میلاد شریف کرتے ہیں، ہمارے کرنے میں کیا حرج ہے؟ اب کس کس سے کہتے پھریں گے کہ میں نے اس طرح کیا ہے اس طرح نہیں کیا کہ جس طرح عموماً لوگ ناجائز باتوں کو شامل کر کے اور فاسد عقیدے کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ اس لیے میرے بھائی! میلاد شریف کرنا درست ہے اور آپ کا کرنا ٹھیک نہیں۔ لہٰذا جب تک تمام مسلمان صحیح طریقے اور صحیح عقیدے کے ساتھ نہ کرنے لگیں اس وقت تک اس کا ترک ہی مصلحت ہے۔

اور ہاں! کلمہ شریف کا ورد اور درود شریف کی کثرت یہ بھی میلاد شریف ہی ہے اور میلاد شریف سے کہیں زیادہ ثواب اور پسندیدہ اور فرمایا ہوا ذات باری تعالیٰ اور بے حد خوش نودیٔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جس سے میلاد خواں عموماً محروم ہیں کہ بے چارے نماز کی بھی باجماعت پوری پابندی نہیں کرتے۔ بھلا چلتے پھرتے ہمہ وقت کلمہ شریف اور درود شریف کا ورد کیا رکھیں گے۔

ربیع الثانی کا بیان

سوال: اس مہینہ میں گیارھویں شریف بڑے پیر صاحب کی کی جاتی ہے، یہ کیا ہے؟

جواب: گیارھویں شریف کی حقیقت اور اس سے مقصود ایصالِ ثواب ہے حضرت بڑے پیر صاحب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی روح کو، اور ایصال ثواب میں دن تاریخ کی تعیین کو کوئی دخل نہیں۔ جب کبھی بھی حلال مال سے جو چاہیں اور جس قدر چاہیں ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ لوگو! مُردوں کو ایصالِ ثواب کرو، جو اپنے زندوں کے صدقات خیرات کرنے کے ایسے منتظر رہتے ہیں جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ لہٰذا تیسرے دن، ساتویں دن، تیسویں دن، چالیسویں دن کی کوئی تخصیص نہیں، ان ایام میں ثواب کو زیادہ سمجھنا یہ بدعت اور دین میں نئی بات کا نکالنا ہے۔ پس نقد یا جنس یا کپڑا یا کھانا چاول وغیرہ پکا کر غریب محتاج مسکین مسلمان کو دے دینا اور اس کا ثواب جو اس دینے والے کو ملا ہے وہ مُردے کو بخش دینا بس ایصالِ ثوب ہے۔ اسی طرح نفل

پڑھ کر، قرآن شریف پڑھ کر، کلمہ شریف وغیرہ پڑھ کر میّت کو بخشنا ایصالِ ثواب ہے۔ لہٰذا نہ دن کی قید، نہ مہینہ کی قید، نہ کسی خاص قسم کی چیز پکانے کی قید کہ اتنا گھی ہو، اتنا مصالحہ ہو، اتنا گوشت ہو، اتنی چینی ہو۔ اور نہ خاص خاص لوگوں کو کھلانے کی قید کہ حقہ پینے والے نہ ہوں، تمبا کو کھانے والے نہ ہوں، بیاہے نہ ہوں، یہ سب باتیں نام نہاد ملّا اور ملّانیوں کی نکالی ہوئی ہیں کہ دوسروں کو خاص خاص سورتیں نہ یاد ہوں گی نہ بلائے جائیں گے۔ ظاہر ایک ایسا آدمی ملے گا کہ بلایا جائے گا۔ لہٰذا یہ قیدیں لگادیں کہ ان ہی کو بلایا جائے اور مزے کا کھانا مل جائے۔

بے چارہ غریب چاہتا ہے کہ میں اپنے مُردے کو کچھ بخشوں، مگر مجبور ہے کہ اس قدر ایسا پکانے کو اس کے پاس ہے نہ پکا کر بخش سکتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا آدمی نہیں ملتا، بس بے چارہ محروم ہے ایصالِ ثواب سے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جس کی اس قدر ضرورت ہو کہ مردہ مثل ڈوبتے کو تنکے کے سہارے کی طرح منتظر ایصالِ ثواب کا رہتا ہے وہ اس میں یہ قیدیں لگائے کہ فلاں فلاں دن ہو اور ایسا ہو اور ایسے لوگوں کو دیا جائے بھلا کہیں عقل میں آنے والی بات ہے۔

عزیز من! بس جس قدر جلدی ہو سکے اور جیسا کچھ بھی حلال مال سے ہو سکے بس کسی غریب مسلمان کو دے کر ثواب بخش دیا کرے۔ یہ ہے سیدھا طریقہ اور شرعی طریقہ ایصالِ ثواب کا۔ باقی سب من گھڑت ہے۔ اسی طرح گیارھویں شریف ہے، کہ مقصد ایصالِ ثواب حضرت بڑے پیر صاحب رحمہ اللہ کو کرنا ہے تو جب بھی ہو سکے ایصالِ ثواب کیا جائے، تاریخ مہینہ کی کوئی قید نہیں۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ ہم فلاں مہینہ میں گیارھویں نہ کریں گے تو نقصان پہنچ جائے گا تو یہ تو شرک کی اور عقیدے کی خرابی کا اثر ہے، اور توبہ توبہ، یہ تو بڑے پیر صاحب کو رشوت دینا ہے۔ ایسے عقیدے سے توبہ کرنا چاہیے۔

رجب کا بیان

سوال: رجب کے مہینے میں ستائیسویں تاریخ کا روزہ رکھا جاتا ہے جس کو ہزاری روزہ کہتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

جواب: اس مہینے کو عورتیں مریم روزہ کا مہینہ کہتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ ستائیسویں تاریخ کو روزہ

رکھنے سے ایک ہزار روزوں کا ثواب ملتا ہے مگر اس کی کوئی صحیح سند نہیں۔ ہاں! روزے کا ثواب بے حد ہوتا ہے۔ اگر روزہ رکھنے کو دل چاہے رکھیں مگر ثواب کا تعین کرنا کہ ہزار لاکھ روزوں کے برابر ملے گا، یہ مناسب نہیں۔ اور اس مہینے میں خاص قسم کی روٹیاں ستائیس رجب کو پکتی ہیں ان کو تبارک کی روٹیاں کہتے ہیں۔ تَبَارَكَ الَّذِیْ کی سورت پڑھی جاتی ہے، یہ بھی اپنی طرف سے نکالی ہوئی بات ہے۔

سوال: اس مہینے میں کونڈوں کا بھی دستور ہے، یہ کیا چیز ہے؟

جواب: اصل اس کی یہ ہے کہ شیعہ حضرات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی ولادت کی خوشی میں ایسا کرتے ہیں۔ حالاں کہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی ولادت رجب میں نہیں ہوئی بلکہ ربیع الاوّل کی ستائیس تاریخ کو ہوئی۔ اس کے اصل بانی شیعہ ہیں۔ اس لیے یہ کونڈے بھی ناجائز ہیں۔

سوال: رجب کے مہینے میں لوگ سیرت النّبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بیان معراج شریف کرتے ہیں اس کا نام رجبی رکھا ہے، یہ کیسا ہے؟

جواب: اوپر میلاد شریف کے ذکر سے آپ کو تمام ایجادات کی حقیقت معلوم ہوگئی ہوگی۔ ارے میاں! کسی کام کے لیے دن تاریخ اور مہینہ مقرر کرلینا سہولت کے لیے تو مباح ہے مگر اس کا لازم قرار دے لینا اور بدون ان ایام کے ثواب یا اتنا ثواب نہ سمجھنا یہ شریعت میں زیادتی کرنا ہے جو کہ غیرِ دین کو دین سمجھنے کے مصداق ہے۔ لہٰذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ذکر اور بیانِ معراج بہتر ہے مگر اس کو ماہِ رجب کے ساتھ مخصوص کرنا یہ سب خلافِ شریعت ہے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ اس میں ہنود کو بھی دعوت دی جاتی ہے وہ بھی شریک ہوتے ہیں اور نعت و اوصاف و محامد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں، بھلا ان حضرات محرکینِ رجبی سے کوئی پوچھے کہ ان کو دعوت دینے سے کیا فائدہ ہے؟ اگر کہیں کہ تبلیغ، سو یہ صحیح نہیں۔ بھلا اب تک اس طرح کتنے مسلمان ہوئے ہیں؟ بلکہ اس سے تو اور مسلمانوں

کو دھوکا ہونے کا سخت اندیشہ ہے کہ مسلمان بھائی سمجھیں گے کہ ان کو ہمارے حضور ﷺ سے بہت محبّت وعقیدت ہے کہ ایسی ایسی نعت جو محبّت سے اس شخص نے کہی ہے یہ بھی محبِّ رسول ہے، تو اس طرح اس سے مسلمان کا دل ملنے لگے گا اور اس کے کفر سے نفرت نہ رہے گی۔ اور وہ بھی سمجھے گا کہ اپنے مذہب میں رہ کر بھی جب کہ میرا رنگ ایسا ہے اور مسلمان اس کو اچھی نظر سے دیکھتے ہیں تو پوری سچّائی کے ساتھ داخل ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

تو بجائے مذہبِ اسلام سے قریب ہونے کے اور بعید ہوگا۔ نیز کافر سے ایسے میل جول، اختلاط ومحبّت سے دین میں ضعف آتا ہے، قدر دین کی گھٹتی ہے، ان کی عزت قائم ہوتی ہے اور یہ مسلمانوں کے لیے زہرِ قاتل ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ . اس لیے بچند وجوہ موجودہ صورت رجبی کی بھی درست نہیں۔

شعبان کا بیان

سوال: شبِ براءت کیا چیز ہے؟

جواب: براءت کے معنی بَری ہونے کے ہیں، چوں کہ اس رات میں گناہ گاروں کی مغفرت ہوتی ہے اس لیے اس رات کو شبِ براءت کہتے ہیں۔

سوال: شبِ براءت کون سی رات ہے؟

جواب: شعبان کی پندرھویں رات ہے جو کہ چودھویں دن کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔

سوال: اس شب کو کیا ہوتا ہے؟

جواب: اس رات بندوں کے نامۂ اعمال داخلِ دفتر ہوتے ہیں اور ملک الموت کو ایک کاغذ مل جاتا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ جس جس کا نام اس کے اندر درج ہے اس سال اس کی جان نکال لینا اور جس جس کے لیے رزق ملنے ولا ہے وہ لکھ دیا جاتا ہے، نکاح کا ہونا بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

غرضے کہ جس کے لیے جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے وہ سب لکھ دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ

اس شب میں ایک خاص توجہ فرماتے ہیں اور اس قدر لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں کہ جس قدر بنی کلب کی بکریوں کے بال۔ روزی مانگنے والے کو روزی دیتے ہیں۔ مصیبت والا مصیبت دور ہونے کی دُعا کرے تو مصیبت دور ہو جاتی ہے۔

سوال: کیا اس رات سب کی دُعا قبول ہوتی ہے؟

جواب: کافر، مشرک، کینہ رکھنے والا، شطرنج، چوسر کھیلنے والا، ظالم، سود لینے والا، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا، جادوگر، پائجامہ وتہبند ٹخنوں سے نیچے رکھنے والا، ان لوگوں کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔

سوال: شبِ براءت میں کیا کرنا چاہیے؟

جواب: حدیث شریف میں صرف تین باتیں کرنا سنت لکھی ہیں:

۱۔ قبرستان جا کر مُردوں کے لیے فاتحہ پڑھ کر مغفرت کی دُعا کرنا۔

۲۔ عبادت کرنا، توبہ واستغفار کرنا، خوب دُعائیں مانگنا۔

۳۔ پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھنا۔

ان کاموں کے علاوہ اور کچھ سنت نہیں ہے۔

سوال: آپ نے کہا کہ اور کچھ سنت نہیں ہے، ہم تو دیکھتے آرہے ہیں کہ ہمارے گھروں میں حلوا پکاتے ہیں اور خوب کھاتے ہیں، اپنے عزیزوں، رشتہ داروں کو بھی بھیجتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اس روز شہید ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلوا پکا کر فاتحہ دلائی تھی تو اس لیے حلوا پکا کر ان کی فاتحہ لگا دی جاتی ہے۔ اور نیز اس لیے بھی کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہوا تھا تو آپ نے حلوا کھایا تھا۔

جواب: توبہ توبہ! یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ نہ تو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت شعبان میں ہوئی اور نہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلوا پکا کر فاتحہ لگوائی نہ خود حلوا کھایا، بلکہ یہ دونوں واقعے تو ماہِ شوال میں جنگِ اُحد کی لڑائی میں ہوئے تھے۔

آپ ذرا خود سوچیں اور ذرا سمجھ سے کام لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ بات کہاں تک صحیح

ہو سکتی ہے۔ غور فرمائیے کہ مُردوں کو کچھ بخشنا فرض و واجب نہیں مستحب ہے اور مستحب کا ترک کرنا کون سا گناہ ہے، تو کیا ارواح مرنے کے بعد بھی گناہ کرتی ہیں؟ ایسا ہرگز نہیں، توبہ توبہ! کیسی من گھڑت باتیں ہیں۔

اور یہ کیسی عجیب طرح کی فاتحہ ہے کہ خود کھالیں اور آپس میں ادلے بدلے میں رشتہ داروں میں بھیج دیں بے چارے غریبوں اور مسکینوں کو کوئی نہ پوچھے۔ حالاں کہ ایسے کھانے کے مستحق تو غریب ہیں، نہ کہ خود ہی بانٹ کھائیں۔ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔ حدیث شریف، قرآن شریف سے ان کا کوئی ثبوت نہیں۔ ہاں! جو کچھ جس سے ہو سکے پکا کر غریبوں کو کھلا کر مُردوں کو ثواب بخشے تو کچھ حرج نہیں۔ حلوے کی کوئی خصوصیّت نہیں۔ خواہ دال ہو خواہ چاول ہوں، حلوے کا خاص کرنا کیسے معلوم ہوا؟ یہ سب عقیدے خراب ہیں۔

سوال: ہماری بوڑھیاں کہتی ہیں کہ مُردوں کی ارواح اس رات کو آتی ہیں اگر ان کو حلوا پکا کر نہ دیں تو کوستی ہیں اور بے چاری بھٹک کر چلی جاتی ہیں۔

جواب: توبہ الٰہی! کیسے معلوم ہوا کہ ارواح آتی ہیں، یا تو ان کو کسی نے دیکھا ہو، یا قرآن وحدیث سے معلوم ہوا ہو، تو دیکھا تو کسی نے نہیں، رہا قرآن شریف سے ثبوت تو قرآن شریف سے ارواح کا نہ آنا ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ سو دنیا اور آخرت کے درمیان ایک پردہ ہے۔

کہ وہ پردہ روحوں کو اس طرف نہیں آنے دیتا۔ تو اس عقیدے سے حلوا پکانا تو بدعت ہے۔ اور یہ تو دین میں ایک نئی بات کا نکالنا ہوا، اور نئی بات کا نکالنا گمراہی ہے، اور گمراہ دوزخ میں جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ.

سوال: آتش بازی چلانا کیا یہ بھی سنت نہیں؟

جواب: بھائی صاحب! آپ تو ایسی باتیں پوچھتے ہیں کہ جن کا نہ سر ہے نہ پیر۔ بھلا آتش بازی

بھی کہیں سنت ہوسکتی ہے؟ کہ جس سے مال کا نقصان علیحدہ، جانیں جائیں وہ علیحدہ، ہر سال اخباروں میں خبریں آتی ہیں کہ اس آتش بازی میں بہت سے گھر جل گئے اور بہت سی جانیں ہلاک ہوگئیں اور تقریباً لاکھوں روپیہ مسلمانوں کا آتش بازی میں برباد ہوجاتا ہے۔ افسوس! بھلا جس کے کرنے سے اتنے نقصانات ہوں وہ کہیں سنت ہوسکتی ہے؟

قرآنِ مجید میں ہے:

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ﴾[1] بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

سوال: ہمارے مسلمان بھائی صاحبان اور بڑی بوڑھیاں خواہ مخواہ شکایت کرتے ہیں کہ ہم تنگ دست ہیں پیسہ پاس نہیں۔ کیوں انھوں نے تنگی اپنے ہاتھوں مول لی کہ ایسے فضول کام نکال کھڑے کیے کہ جن میں اس قدر پیسہ برباد ہوتا ہو اور ہم کو بھی بچپن سے ایسی باتیں کرنے دیتے ہیں کہ ہم کو بھی ویسی ہی عادت پڑ جاتی ہے پھر چھوٹنا مشکل ہوجاتی ہے۔

جواب: بھائی صاحب! یہ ایک بات آپ نے عقل کی کہی۔ شاباش۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی سمجھ عطا فرمادیں تاکہ بد رسموں اور فضول خرچیوں کو چھوڑیں اور ان فضول خرچیوں سے جو تنگی آتی ہے اس سے نجات ہو۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ نے تو یوں ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے بیوی بچوں کو دین کی تعلیم دو اور بچوں کے ماں باپ خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف کراتے ہیں۔ دیکھو تو سہی کہ ماں باپ خود آتش بازی اور پُھل جھڑیاں لا کر دیتے ہیں اور بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف چال چلواتے ہیں۔ بچہ تو بچہ ہے وہ تو گناہ گار نہ ہوگا مگر ان کے ماں باپ نے گناہ کرایا ہے وہ گناہ گار ہوں گے۔

سوال: اچھا یہ تو بتلایئے کہ یہ آتش بازی کا سلسلہ کب اور کیسے نکلا؟

جواب: سنیے! ایک قوم تھی برامکہ جو آگ پوجتی تھی، جب وہ مسلمان ہوئی تو آگ پوجنا تو چھوڑ دیا مگر ماہِ شعبان میں اس رات کو مسجدوں میں چراغ زیادہ روشن کردیا کرتے تاکہ اس کے سامنے سجدہ ہوسکے، پھر آٹھویں صدی ہجری میں ان بدعات اور منکرات کو علما نے

[1] الإسراء: ۲۷

مٹایا اور مصر و شام کے شہروں سے بالکل قلع قمع کر دیا گیا۔ جب چراغوں کا جلانا مسجدوں سے بند ہو گیا تو یہ آتش بازی جس کے اندر آگ کا کام ہوتا ہے، روشنی نکلتی ہے، پُھل جھڑیاں وغیرہ چھوڑی جاتی ہیں، جن سے خوب روشنی ہوتی ہے، یہ کرنے لگے، اس طرح آتش بازی کا آغاز ہوا۔

سوال: اچھا اس ماہ میں وہ کیا کام کرنے چاہییں کہ جس سے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ راضی ہوں اور ہم بھی نقصان سے بچیں؟

جواب: رات کو عبادت اور توبہ استغفار، خوب گڑ گڑا کر دُعائیں مانگنا اور پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھنا، قبرستان جا کر مُردوں پر فاتحہ پڑھ کر بخشنا، بس یہ کام صرف سنت ہیں باقی سب فضول ہیں۔ جو کام سنت ہیں ان کو تو کوئی نہیں کرتا کہ اس کے اندر تو نفس پر مشقّت ہے، بھلا کون نیند خراب کرے، کون قبرستان جائے اور کون روزہ رکھ کر بھوک پیاس کی تکلیف سہارے۔ ہاں! حلوا پکا کر خوب مزے سے کھا لیا، اس واسطے کہ اس کے اندر تمام مزے ہی مزے۔ نہ ہیں کچھ محنت نہ مشقّت۔ غرضے کہ مسلمان ہو کر نفس کا بندہ ہوا کہ نفس کو جس میں مزہ آیا وہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ تو جب ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو وہ کرے، چاہے جیسی مشقّت ہو۔

سوال: کچھ ماہِ شعبان اور روزے کی فضیلت بیان کیجیے۔

جواب: رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس طرح ماہِ رمضان کو تمام مہینوں پر ایسی فضیلت ہے جیسی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر، اسی طرح ماہِ شعبان کو تمام مہینوں پر ایسی فضیلت ہے کہ جیسی میری فضیلت تمام اُمت پر۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص شعبان کی پندرھویں کا ایک روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے جسم پر دوزخ کی آگ حرام فرما دیں گے۔ اور حضرت ایوب اور حضرت داود علیہما السلام جیسا ثواب عنایت فرمائیں گے۔ یہ وہ بابرکت مہینہ ہے کہ جس کی پندرھویں تاریخ کو جن، چرند، پرند، درند اور مچھلیاں بھی روزہ رکھتی ہیں۔ اے عزیز! ایسی فضیلت والی چیز کہ حیوانات بھی اس سے محروم رہنا گوارا نہ کریں، تو تو انسان ہے، کیوں نہ ان سے

فضیلت حاصل کرنے میں سبقت لے جائے۔ اس دن روزہ خلوص سے رکھا جائے اور اس قدر ثواب کو حاصل کیا جائے گو مستحب ہے فرض نہ سہی۔

رمضان شریف کا بیان

سوال: اس مہینے میں تو بظاہر ایسی کوئی بات رسم و بدعت کی نہیں معلوم ہوتی، حافظ صاحبان قرآن شریف سناتے ہیں، کہیں کہیں شبینہ ہوتا ہے، ختم کے دن مٹھائی تقسیم ہو جاتی ہے، البتہ یہ بات کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ بعض حافظ صاحبان روپیہ لے کر سناتے ہیں اور بعض جگہ روشنی بے حد کرتے ہیں، آپ فرمائیے کہ یہ باتیں کیسی ہیں؟

جواب: عزیز من! کسی کام میں ثواب کا ہونا نہ ہونا یہ عقلی چیز نہیں کہ اپنی عقل سے جو چاہے سمجھ لیا جائے اور اپنی ہی عقل سے فیصلہ کرلیا جائے۔ یہ کسی طرح ٹھیک نہیں۔

سنیے! یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی مباح اور مستحب کام میں کوئی خرابی شامل ہو جائے گی تو اس کا ترک لازم ہوگا کہ آپ کا یہ فرمانا کہ اس ماہ میں کوئی رسم و بدعات کی بات نہیں معلوم ہوتی یہ صحیح نہیں، کیوں کہ کسی چیز کو رسم و بدعت جاننے کے لیے لوگوں کے خیالات اور حالات سے واقف ہونا ضروری ہے اور یہ بھی پہچاننا ہے کہ اس کام سے کوئی مفسدہ تو نہیں ہوگا۔ اس کے سمجھ لینے کے بعد غور کیجیے کہ قرآن شریف تراویح میں پڑھنا سنت ہے، مگر عورتوں کو ان کے گھر جا کر حافظ صاحب کا تراویح میں ان کو سنانا درست نہیں۔ اوّل اس لیے کہ مستورات کی حالت بے احتیاطی کی زیادہ ہوتی ہے۔ نہ پردے کا کافی اہتمام کرتی ہیں اور نہ یہ خاموش رہتی ہیں۔ بعض تو زور زور سے باتیں کرنا شروع کر دیتی ہیں جس سے ان کی آواز نامحرم کے کان میں پڑتی رہتی ہے۔

دوسرے یہ کہ حافظ ایسی جگہ آواز بنا بنا کر پڑھتا ہے اور اس میں مضرت ہے، کیوں کہ طبیعت کا اندرونی طور سے مائل ہونے کا اندیشہ ہے۔ تیسرے یہ کہ دوسرے محلوں کی عورتوں کا آنا شروع ہو جاتا ہے جو کہ بلا مجبوری کے باہر نکلنا عورت کے لیے ٹھیک نہیں ہے، اور پھر یہ نکلنا روز روز کا ہے۔ تو عورتوں کو بلا خاص اہتمام کے اور اپنے محرم مرد

کے بغیر تراویح میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔

علاوہ اس کے حافظ صاحبان اکثر کچھ پیسے ٹھہرا کر سناتے ہیں، یا جہاں کہیں رواج دینے کا ہوتا ہے سو کچھ ملنے کی توقع پر سنانا یا ٹھہرا کر سنانا جائز نہیں۔اس سے تو یہ بہتر ہے کہ آخری سورتوں سے تراویح پڑھ لی جائیں۔

سوال: جب کچھ لے کر سنانا سننا جائز نہیں تو امام تنخواہ لے کر امامت کرتے ہیں، کیا وہ بھی ناجائز ہوگا؟

جواب: عزیز من! اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔امامت میں تو اپنے آپ کو دن رات کے مختلف حصوں میں لگا دینا ہے کہ خاص پابندی اور ذمہ داری کے ساتھ وقتوں کے صَرف کرنے میں محبوس کردیا۔ یہ تنخواہ نماز پڑھانے کی نہیں بلکہ اپنے کو محبوس کردینے کی ہے۔جیسا کہ مدرس اور قاضی کی تنخواہ اور بیوی کا نفقہ، کہ بیوی اور مدرس و قاضی نے اپنے آپ کو خدمتِ خاص، خانہ داری اور تعلیم دینی کے لیے اور فیصلوں کے لیے محبوس کردیا ہے اور اس کے ساتھ دوسرے کام معاشی نہیں ہوسکتے۔

بخلاف تراویح میں قرآن شریف سنانے کے کہ کوئی معاش کا وقت نہیں ہے۔اوقات مختلفہ اور زیادہ مدت کے لیے مشغول کردینا نہیں ہے۔لہٰذا مالی توقع میں قرآن شریف سنانا درست نہیں۔

سوال: شبینہ کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: شبینہ جس طرح آج کل ہوتا ہے کون نہیں جانتا کہ کس قدر مفاسد کا اجتماع ہوتا ہے۔ حفاظ صاحبان جلد جلد پڑھتے ہیں۔سامع بتانے میں سستی کرتے ہیں کہ اس طرح دیر ہوگی۔ حافظ لقمہ لیتے نہیں کوتاہی کرتے ہیں کہ میری توہین ہوگی۔ سننے والے بیٹھے رہتے ہیں۔بعض دفعہ بلا شرکت نماز میں لقمہ دے دیا جاتا ہے۔امام لے لے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ سننے والا کوئی لیٹا ہے، کوئی باتیں کرتا ہے۔کس قدر اعراض اور بے ادبی ہے۔ منتظمین چائے بنانے کے اہتمام میں لگے رہتے ہیں۔کوئی روشنی کے اہتمام میں مشغول رہتا ہے۔اتنی خرابیوں کے ساتھ شبینہ کیسا؟ البتہ یہ کچھ نہ ہو اور سننے والے

بھی شوقین ہوں تو جائز ہے۔

سوال: ختم کے دن شیرینی تقسیم کرنا کیسا ہے؟

جواب: شیرینی کا تقسیم کرنا فی نفسہٖ بطورِ سرور وخوشی کے مباح ہے، مگر افسوس اس کا ہے کہ لوگوں نے اپنے طرز سے عُلما کو مجبور کردیا ہے کہ اس سے بھی منع کردیں، کیوں کہ اس میں بڑے مفاسد ہیں:

اوّل یہ کہ اس کے لیے چندہ ہوتا ہے، کوئی خوشی سے دیتا ہے کوئی زبردستی۔ دوسرے یہ کہ مٹھائی کی وجہ سے نمازی بے نمازی اور بچے تک آتے ہیں۔ کس قدر ناانصافی کہ جو ہمیشہ کے سننے والے ہیں اُن کا حصّہ کٹ کٹ کر بچوں اور تراویح میں نہ آنے والوں کو دیا جاتا ہے۔ پہلے چار چار لڈو وغیرہ کچھ آدمیوں میں بٹ گئے اور اب دو دو حصّے میں آئیں گے۔ تیسرے یہ کہ بچوں سے مسجد خراب ہوتی ہے۔ چوتھے بُری طرح مسجد میں شور ہوتا ہے۔ پانچویں یہ کہ لوگ جھگڑتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ مسجد میں جھوٹ بول کر دو بارہ سہ بارہ حصّہ لے لیتے ہیں۔ ساتویں یہ کہ تقسیم میں کمی ہوجائے کہ بعض کو ملے بعض کو نہ ملے تو طعنہ دیتے ہیں اور مقصود منتظمین کا دکھاوا اور تفاخر ہوتا ہے۔ بھلا جب اس قدر خرابیاں ہوں تو کیا جائز ہوگا؟ آٹھویں یہ کہ جہاں دوسری جگہ ختمِ قرآنِ پاک پر شیرینی تقسیم نہیں کرتے ان پر لوگ طعنہ کرتے ہیں۔

سوال: اگر کوئی شخص ذاتی روپے سے بلا چندہ ختمِ قرآنِ پاک پر شیرینی تقسیم کردیوے تو جائز ہوگا؟

جواب: اوّل یہ بات ہے کہ دوسرے مفاسد کا انسداد نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ جس کے فعل سے دوسرے لوگ حجّت پکڑیں کہ یہ کام فلاں صاحب نے بھی تو کیا ہے اور جو لوگ پوری رعایت شرع کی کرتے ہیں تو ایسے شخص کو بھی اس فعلِ مباح اور مستحب کی اجازت نہ دی جائے گی کہ اس میں دوسرے مسلمان بھائیوں کا دینی اور دنیوی نقصان ہے۔

سوال: چودھویں روزے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے، اس کو منجملہ روزہ کہتے ہیں، اس کا کوئی ثبوت ہے؟

جواب: یہ بات بے سند ہے۔ رمضان شریف کے سب روزے برابر ہیں، کسی کو کسی روزے پر فضیلت نہیں ہے۔

سوال: بچوں کو روزہ رکھوانا کیسا ہے؟

جواب: بالغ ہونے سے قبل جب تک یہ یقین نہ ہو کہ روزے سے اس کو بے چینی نہ ہوگی اس وقت تک روزہ رکھوانا درست نہیں ہے۔ ہاں! سات برس کی عمر کے بچے کو نماز پڑھنا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سات برس کا بچہ ہو تو کہہ کہہ کر نماز پڑھواؤ اور جب دس برس کا بچہ ہو جائے تو مار کر پڑھواؤ۔

عجیب بات ہے کہ جس کا حکم اور اہتمام کرنے کو شرع نے بتایا تو اس کا خیال نہیں اور اپنی من مانی بات اور شوق کے پورا کرنے کا یہ التزام کہ چاہے اس میں گناہ ہو مگر ذرا سے بچے کو روزہ ضرور رکھوائیں گے۔ ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

شوال کا بیان

سوال: کیا ماہِ شوال میں بھی کوئی رسم یا بدعت کی باتیں ہیں؟

جواب: ہاں! ایک بات تو یہ ہے کہ عید کی صبح کو عورتیں خاص کر کہا کرتی ہیں کہ چھوارہ کھا کر روزہ کھول لو۔ یہ کہنا ٹھیک بات نہیں، کیوں کہ روزہ تو غروب کے وقت کھل چکا۔ عید کا چاند دیکھ کر روزہ حرام ہو گیا۔ تو رات کو روزہ رکھا بھی نہیں پھر عید کی صبح کو یہ کہنا کہ روزہ کھول لو یہ بُری بات ہے اور گناہ ہے۔ توبہ کرنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے بعض جگہ یہ رواج ہو گیا ہے کہ عید کے دوسرے دن سے شوال کے چھ روزے رکھ کر آٹھویں شوال کو پھر عید مناتے ہیں اور اس کو عید العید کا نام دیا گیا ہے۔

اوّل تو چھ روزے فوراً رکھنا ضروری نہیں۔ پورے ماہِ شوال میں رکھ سکتے ہیں۔

دوسرے اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں: ایک عید الفطر اور دوسرے عید الاضحیٰ۔ یہ تیسری عید کہاں سے آ گئی۔ خواہ مخواہ کی بدعت ایجاد کرنے سے اجتناب لازم ہے۔

ذیقعدہ کا بیان

سوال: ذیقعدہ کے مہینے میں کیا بات ہے؟

جواب: عورتیں اس مہینے کو خالی کا چاند کہتی ہیں، اور اس میں شادی کرنے کو اچھا نہیں جانتیں۔

استغفر اللہ! کس قدر عقیدے کی خرابی ہے۔ توبہ کرنی چاہیے اور ضرور شادی کرنی چاہیے۔

ذوالحجہ کا بیان

سوال: اس ماہ میں کیا کوئی نئی بات کی جاتی ہے؟

جواب: اس میں کوئی نئی بات نہیں کی جاتی البتہ بعض لوگ ایک مسئلے میں غلطی کرتے ہیں۔ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر قربانی کے دنوں میں جانور خرید کر قربانی نہ کی تو کیا حرج ہے، پیسے خیرات کر دیے جائیں۔ سو یہ جائز نہیں، بلکہ قربانی کے دِنوں میں قربانی کرنا فرض ہے۔ البتہ اگر قربانی کے دن نکل گئے اور کوئی حصّہ نہ ملا تو اب پیسے خیرات کر دیے جائیں۔ اور اگر جانور خرید لیا جاچکا ہے مگر قربانی کرنا بھول گیا تو بعینہٖ اس جانور کو خیرات کر دیا جائے، قربانی نہ کریں، کیوں کہ قربانی کرنا صرف دسویں، گیارھویں، بارھویں تاریخ کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔

چند مفید اور مسنون دُعائیں

قرآنِ کریم اور حدیث شریف میں مختلف عنوانات سے دُعا کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾ مجھ سے مانگو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا۔

آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ. دُعا عبادت کا مغز ہے۔

ایک موقع پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

دُعا سے موجودہ اور آیندہ دونوں قسم کی مصیبتیں دور ہوجاتی ہیں۔ آپ نے ہر کام کے کرنے اور مختلف اوقات میں پڑھنے کے لیے خاص خاص دُعائیں تلقین فرمائی ہیں۔

احادیث میں ایسی دُعاؤں کا بڑا ذخیرہ ہے۔ ہم ان میں سے چند مختصر دُعائیں نقل کرتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ''مناجاتِ مقبول'' ملاحظہ فرمائیں۔

دُعائیں

(از مناجاتِ مقبول)

صبح وشام کی دُعائیں

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ جس کے نام کے ساتھ نہیں نقصان پہنچا سکتی کوئی چیز زمین میں نہ آسمان میں اور وہ سنتا جانتا ہے۔

اس کو تین مرتبہ پڑھے۔

أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ○ اَللّٰهُمَّ بِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيٰ وَبِكَ نَمُوْتُ وَإِلَيْكَ النُّشُوْرُ○ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ○ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيًّا○ أَصْبَحْنَا عَلٰى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ وَعَلٰى دِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ وَعَلٰى مِلَّةِ أَبِيْنَا إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ○

پناہ چاہتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی تمام مخلوقات کی برائی سے۔ یا اللہ! آپ ہی کی قدرت سے صبح کی ہم نے اور آپ ہی کی قدرت سے شام کی ہم نے اور آپ ہی کی قدرت سے زندہ ہوتے ہیں اور آپ ہی کی قدرت سے مرتے ہیں ہم اور آپ ہی کی طرف اُٹھنا ہے ہمیں۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، اکیلا ہے وہ، نہیں ہے کوئی شریک اس کا، اسی کا ملک ہے اور اس کے لیے تعریف ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، راضی ہیں ہم اللہ سے باعتبار ربّ ہونے کے، اور اسلام سے باعتبار دین ہونے کے۔ اور محمد ﷺ سے باعتبار نبی ہونے کے۔ صبح کی ہم نے دین اسلام اور کلمہ اخلاص پر اور اپنے نبی محمد ﷺ کے دین پر اور اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر جو خاص مطیع تھے اور نہ تھے مشرکین میں سے۔

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَآ إِلٰهَ إِلَّا أَنْت، خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوْءُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ ○ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ ○ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ○

یا اللہ! تو ہی ہے ربّ میرا، نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے عہد اور تیرے وعدے پر ہوں۔ جہاں تک طاقت رکھتا ہوں، اقرار کرتا ہوں تیری نعمت کا اپنے اوپر اور اقرار کرتا ہوں اپنے گناہ کا۔ پس بخش دے مجھے، کیوں کہ نہیں بخشتا ہے گناہوں کو کوئی تیرے سوا۔ پناہ پکڑتا ہوں میں تیری اپنے اعمال کی برائی سے، کافی ہے مجھ کو اللہ، نہیں کوئی معبود سوائے اس کے، اسی پر بھروسا کیا میں نے اور وہ ربّ ہے عرشِ عظیم کا۔

نوٹ: حَسْبِيَ اللّٰهُ سے العظیم تک اس دُعا کو سات مرتبہ پڑھے۔

ادائے قرض کے لیے دُعا

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسْلِ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ.

یا اللہ! میں پناہ پکڑتا ہوں تیری، فکر سے اور غم سے، اور پناہ پکڑتا ہوں تیری کم ہمتی اور سستی سے، اور پناہ پکڑتا ہوں تیری بزدلی سے اور بخل سے، اور پناہ پکڑتا ہوں تیری قرض کے گھیر لینے سے اور لوگوں کے دبا لینے سے۔

گھر میں آنے کی دُعا

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا.

یا اللہ! میں مانگتا ہوں آپ سے بھلائی اندر جانے کی اور بھلائی باہر نکلنے کی، خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ اندر جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ باہر نکلتے ہیں ہم، اور اپنے رب پر بھروسا کیا ہم نے۔

سوتے وقت کی دُعا

بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَاغْفِرْ لَهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ. اَللّٰهُمَّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ.

آپ ہی کے نام کے ساتھ اے ربّ میرے! رکھا میں نے اپنے پہلو کو اور آپ ہی کے سہارے اُٹھاؤں گا اسے، اگر روک لیں آپ میری جان کو تو بخش دینا اسے، اور اگر پھر بھیجیں آپ اسے تو حفاظت کرنا اس کی جس طرح کہ حفاظت کرتے ہیں آپ اپنے نیک بندوں کی۔ یا اللہ! بچانا مجھے اپنے عذاب سے جس دن کہ اُٹھائیں آپ اپنے بندوں کو۔

دعا بوقتِ بدخوابی

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ وَشَرِّ هٰذِهِ الرُّؤْيَا.

پناہ پکڑتا ہوں میں اللہ کی شیطان سے اور اس خواب کی برائی سے۔

اس دُعا کو تین مرتبہ پڑھے، اور بائیں طرف تین بار تھتکار دے اور کروٹ بدل لے اور کسی سے وہ خواب بیان نہ کرے۔

خوف و وحشت اور بے خوابی کی دُعا

أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيٰطِيْنِ وَأَنْ يَّحْضُرُوْنِ.

پناہ پکڑتا ہوں میں خدا تعالیٰ کی پکی باتوں کی اس کے غصّہ اور اس کے عذاب سے اور اس کی مخلوق کی برائی سے اور شیطانوں کی چھیڑ سے اور اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔

سوکر اٹھنے کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَآ أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ.

شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں زندہ کیا بعد مار دینے کے اور اسی کی طرف اُٹھنا ہے۔

گھر سے نکلنے کی دُعا

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ.

خدا کے نام کے ساتھ خدا پر بھروسا کیا میں نے۔

دُعا بعد ہر نماز

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَآ إِلٰـهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ، اَللّٰهُمَّ أَذْهِبْ عَنِّي الْهَمَّ وَالْحُزْنَ.

اللہ کے نام کے ساتھ، وہ اللہ کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے، بخشش والا، مہربان ہے وہ۔ یا اللہ! دور کر دیجیے مجھ سے فکر اور غم۔

اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے سر کو چھوتے ہوئے یہ دُعا پڑھے۔

دُعا بعد نمازِ فجر و مغرب

لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. اَللّٰهُمَّ أَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ.

نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، اکیلا ہے وہ، نہیں کوئی شریک اس کا، اسی کا ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے، زندہ کرتا اور مارتا ہے، اسی کے ہاتھ میں ہے بھلائی، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! پناہ دیجیے مجھے دوزخ سے۔

اَللّٰهُمَّ أَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ کو سات دفعہ پڑھے۔

دُعا بعدِ افطار

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ.

جاتی رہی پیاس، اور تر ہوگئیں رگیں، اور ثابت ہوگیا ثواب ان شاء اللہ تعالیٰ۔

کھانا کھانے سے پہلے کی دُعا

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ.

خدا کے نام سے اور اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ۔

کھانا کھانے کے بعد کی دُعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ.

شکر ہے اللہ کا جس نے ہم کو کھلایا اور پلایا اور کیا ہمیں مسلمانوں میں سے۔

دُعائے استخارہ

جب کسی کام کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ دو رکعت نماز نفل ادا کرے پھر یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ، اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ فَاقْدِرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ ارْضِنِيْ بِهٖ.

یا اللہ! میں خیر چاہتا ہوں آپ سے آپ کے علم کی وجہ سے، اور قدرت طلب کرتا ہوں آپ سے بوجہ آپ کی قدرت کے، اور مانگتا ہوں میں آپ سے آپ کے بڑے فضل میں سے، کیوں کہ آپ قادر ہیں اور میں قادر نہیں ہوں، اور آپ عالم ہیں اور میں عالم نہیں، اور آپ علّام الغیوب ہیں۔ یا اللہ! اگر ہو آپ کے علم میں کہ یہ کام بہتر ہے میرے لیے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجامِ کار میں تو تجویز کر دیجیے اور آسان کر دیجیے اس کو میرے لیے، پھر برکت دیجیے میرے لیے اس میں، اور اگر ہو علم میں آپ کے کہ یہ کام بُرا ہے میرے لیے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں تو ہٹا دیجیے اس کو مجھ سے، اور ہٹا دیجیے مجھ کو اس سے، اور نصیب کر دیجیے بھلائی مجھے جہاں کہیں بھی ہو، پھر راضی رکھیے مجھ کو اس پر۔

دولہا و دلہن کو مبارک باد کی دُعا

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ.

برکت دے اللہ تجھ کو اور برکت نازل کرے تجھ پر اور ملاپ رکھے تم دونوں میں ساتھ خیر کے۔

خلوت شبِ اوّل کی دُعا

جس وقت عورت کے ساتھ اوّل بار خلوت کرے، یا کوئی جانور خریدے یا غلام خریدے تو اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِهَا وَخَيْرِ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ.

یا اللہ! میں مانگتا ہوں آپ سے بھلائی اس کی اور بھلائی اس کی جبلّی عادتوں کی، اور پناہ چاہتا ہوں میں آپ کی اس کی برائی سے اور اس کی جبلّی عادتوں کی برائی ہے۔

دُعا وقتِ جماع

بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا.

اللہ کے نام کے ساتھ، یا اللہ! دور رکھیے ہم کو شیطان سے اور دور رکھیے شیطان کو اس بچے سے جو نصیب کریں آپ ہم کو۔

دُعا وقتِ انزال

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ لِلشَّيْطَانِ فِيْمَا رَزَقْتَنِيْ نَصِيْبًا.

یا اللہ! نہ کرنا شیطان کے لیے اس بچے میں جو نصیب کریں آپ ہمیں کوئی حصّہ۔

کسی کو رخصت کرنے کی دُعا

أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ.

اللہ کے سپرد کرتا ہوں میں تیرے دین کو اور تیری قابلِ حفاظت چیزوں کو اور تیرے اعمال کے انجاموں کو۔

جب کسی سفر کا ارادہ کرے

اَللّٰهُمَّ بِكَ أَصُوْلُ وَبِكَ أَحُوْلُ وَبِكَ أَسِيْرُ.

اے اللہ! آپ ہی کی مدد سے حملہ کرتا ہوں میں، اور آپ ہی کی مدد سے پھرتا ہوں میں، اور آپ ہی کی مدد سے چلتا ہوں میں۔

سوار ہونے کی دُعا

بِسْمِ اللّٰهِ.

بسم اللہ کہے۔

سوار ہونے کے بعد کی دُعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ط سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ O وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ.

شکر ہے اللہ کا، پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے قبضے میں کردیا اس کو، اور نہ تھے ہم اس کو قابو میں کرنے والے، اور ہم اپنے پروردگار کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں۔

سفر شروع کرنے کے بعد بعد کی دُعا

اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا هٰذَا السَّفَرَ وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهٗ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَّعْثَآءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْٓءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْاَهْلِ وَالْوَلَدِ.

اے اللہ! آسان کردیجیے ہم پر اس سفر کو اور طے کردیجیے ہم پر درازی اس کی۔ اے اللہ! آپ ہی رفیق ہیں سفر میں اور خبر گیراں ہیں گھر بار میں ۔ یا اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں آپ کی سفر کی مشقت سے اور بُری حالت دیکھنے سے اور واپس آکر بُری حالت پانے سے مال میں اور گھر میں اور بچوں میں۔

دُعا جب سفر سے واپس آئے

سفر سے واپسی کے وقت بھی اوپر والی دُعا پڑھے اور اس میں یہ کلمات بڑھا دے:

اٰئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ.

ہم سفر سے آنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے ہیں۔

دریا کے سفر کی دُعا

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا ط اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ، وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ ط سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ.

اللہ تعالیٰ کے نام سے چلنا اس کا اور ٹھہرنا اس کا، بے شک میرا ربّ غفور و رحیم ہے۔ اور نہیں سمجھے لوگ اللہ کو حق سمجھنے کا، اور زمین ساری ایک مٹھی اس کی ہے قیامت کے دن، اور آسمان لپٹے ہوئے ہیں اس کے ہاتھ میں۔ پاک ہے وہ اور برتر ہے

اس سے کہ شریک بناتے ہیں۔

شہر میں داخل ہونے کی دُعا

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهَا.
اس کو تین دفعہ پڑھے۔
اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا وَحَبِّبْنَا إِلٰى أَهْلِهَا وَحَبِّبْ صَالِحِيْ أَهْلِهَا إِلَيْنَا.

یا اللہ! برکت دیجیے ہمیں اس شہر میں۔ یا اللہ! نصیب کیجیے ہمیں ثمرات اس کے اور عزیز کر دیجیے ہمیں اہلِ شہر کے نزدیک اور محبت دیجیے ہمیں اہلِ شہر کے نیک لوگوں کی۔

منزل پر اترنے کی دُعا

أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ.

پناہ میں آتا ہوں خدا تعالیٰ کی کامل باتوں کے ساتھ تمام مخلوق کی برائی سے۔

دُعا بوقتِ مصیبت

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ، عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا.

کافی ہے ہم کو اللہ اور اچھا کارساز ہے، اللہ پر توکل کیا ہم نے۔

اگر کوئی صدمہ پہنچے تو کہے

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ أَحْتَسِبُ مُصِيْبَتِيْ فَأْجُرْنِيْ فِيْهَا وَأَبْدِلْنِيْ مِنْهَا خَيْرًا.

بے شک ہم اللہ کے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ! آپ کے پاس سے ثواب مانگتا ہوں میں اپنی مصیبت کا، پس اجر دینا مجھے اس میں اور بدلہ میں دیجیے مجھے بہتر اس سے۔

جب کسی ظالم کا خوف ہو

اَللّٰهُمَّ اكْفِنَاهُ بِمَا شِئْتَ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ.

یا اللہ! کافی ہو جائیے ہم کو اس کے مقابلے میں جس طرح آپ چاہیں۔ اے اللہ! میں کرتا ہوں آپ کو ان کے مقابلے میں اور پناہ چاہتا ہوں آپ کی ان کی برائی سے۔

دُعا دافعِ بھوت

نَادٰی بِالْاَذَانِ.

جب بھوت پریت نظر آئیں تو اذان دے۔

مشکلات کو آسان کرنے کی دُعا

اَللّٰهُمَّ لَا سَهْلَ اِلَّا مَا جَعَلْتَهُ سَهْلًا وَاَنْتَ تَجْعَلُ الْحُزْنَ سَهْلًا اِذَا شِئْتَ.

اے اللہ! نہیں ہے سہل مگر وہ کہ آپ نے اس کو سہل کر دیا، اور آپ کر دیتے ہیں دشوار کو سہل جب آپ چاہیں۔

دعائے حاجت

جس کو کچھ حاجت ہو وہ وضو کر کے نماز پڑھے اور یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰى لِيْ فَشَفِّعْهُ فِيَّ.

اے اللہ! میں مانگتا ہوں آپ سے اور متوجہ ہوتا ہوں آپ کی طرف بذریعہ آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو رحمت کے نبی ہیں اپنی اس حاجت میں تاکہ پوری ہو جائے۔ پس قبول کیجیے شفاعت ان کی میرے حق میں۔

دُعائے توبہ

جب کوئی گناہ ہو جائے اور توبہ کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلِيْ.

اے اللہ! مغفرت آپ کی زیادہ وسیع ہے میرے گناہوں سے، اور رحمت آپ کی زیادہ اُمید کی چیز ہے میرے نزدیک اپنے عمل سے۔

اس دُعا کو تین بار پڑھے۔

دُعائے قحط

جب بارش نہ ہو تو یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا (تین مرتبہ کہے) اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا (تین مرتبہ کہے)

یا اللہ! پانی پلا دیجیے ہم کو۔ یا اللہ! مینہ برسا دیجیے ہم پر۔

دُعا جب بادل آتا دیکھے

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا أُرْسِلَ بِهٖ.

اے اللہ! ہم پناہ چاہتے ہیں آپ کی اس چیز کی برائی سے جس کو لے کر یہ بھیجا گیا ہے۔

دُعا وقتِ بارش

اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَّافِعًا.

اے اللہ! برسانا بارش مفید۔

دُعا جب بارش زیادہ ہو جائے

اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا. اَللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالْآجَامِ وَالظِّرَابِ وَالْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ.

اے اللہ! برسائیے آس پاس ہمارے اور ہمارے اوپر نہیں۔ اے اللہ! ٹیلوں پر، ریگستانوں پر اور پہاڑوں پر اور نالوں پر اور درختوں کے موقعوں پر۔

دُعا جب بادل گرجے

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ.

اے اللہ! نہ ماریے ہمیں اپنے غصّہ سے، اور نہ ہلاک کیجیے ہمیں اپنے عذاب سے، اور معافی دیجیے ہم کو پہلے اس سے۔

(یا یہ دُعا پڑھے:)

سُبْحَانَ الَّذِيْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلَآئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ.

پاک ہے وہ ذات کہ تسبیح کرتا ہے رعد اس کی حمد کے ساتھ اور تسبیح کرتے ہیں فرشتے اس کے خوف سے۔

دُعا جب آندھی چلے یا اندھیری ہو

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيْحِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَخَيْرِ مَا أُمِرَتْ بِهٖ، وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّيْحِ وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا أُمِرَتْ بِهٖ.

اے اللہ! ہم مانگتے ہیں آپ سے بھلائی اس ہوا کی، اور بھلائی اس چیز کی جو اس میں ہے، اور بھلائی اس کی جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ اور پناہ چاہتے ہیں ہم آپ کی اس ہوا کی برائی سے، اور اس چیز کی برائی سے جو اس میں ہے اور اس برائی سے جس کا اس کو حکم دیا گیا ہے۔

دُعا جب سورج یا چاند گرہن ہو

اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہے اور نماز پڑھے اور خیرات کرے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے۔

دُعا جب نیا چاند دیکھے

اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالْإِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ وَالتَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى، رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ.

اے اللہ! نکالنا اس چاند کو ہم پر ساتھ برکت کے اور ایمان کے اور خیریت اور اسلام کے اور اعمالِ مرغوبہ اور پسندیدہ کی توفیق کے، ربّ میرا اور ربّ تیرا (اے چاند!) اللہ ہے۔

دُعا جب شبِ قدر دیکھے

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ.

اے اللہ! آپ معاف کرنے والے ہیں اور پسند کرتے ہیں عفو کو، پس درگزر کر دیجیے مجھ سے۔

دُعا جب آئینہ میں چہرہ دیکھے

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ.

اے اللہ! آپ نے اچھا بنایا میری صورت کو پس اچھا کر دیجیے میری سیرت کو۔

دُعا جب غصّہ آئے

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ.

پناہ چاہتا ہوں میں اللہ کی شیطان مردود سے۔

دُعا جب نیا پھل سامنے آئے

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ ثَمَرِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِّنَا.

اے اللہ! برکت دیجیے ہمارے پھلوں میں، اور برکت دیجیے ہمارے شہر میں، اور برکت دیجیے ہمارے اس ماپ میں، اور برکت دیجیے ہمارے ناپ میں۔

دُعا جب کسی مصیبت زدہ کو دیکھے تو اپنے دل میں کہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ

شکر ہے اللہ کا جس نے بچایا مجھے اس مصیبت سے

بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا.

جس میں تجھے مبتلا کیا اور فضیلت دی مجھ کو اپنی مخلوق میں سے بہتوں پر ظاہر فضیلت۔

دُعا جب کچھ گم ہو جائے، یا کوئی بھاگ جائے

اَللّٰهُمَّ رَآدَّ الضَّآلَّةِ وَهَادِيَ الضَّلَالَةِ أَنْتَ تَهْدِيْ مِنَ الضَّلَالَةِ اُرْدُدْ عَلَيَّ ضَآلَّتِيْ بِقُدْرَتِكَ وَسُلْطَانِكَ، فَإِنَّهَا مِنْ عَطَآئِكَ وَفَضْلِكَ.

اے اللہ! لوٹانے والے گم شدہ چیز کے، اور ہدایت کرنے والے گمراہی سے، آپ ہی ہدایت کرتے ہیں گمراہی سے، پھیر دیجیے میرے کھوئے ہوئے کو اپنی قدرت اور غلبہ سے، کیوں کہ وہ آپ ہی کا عطیّہ اور فضل تھا۔

دُعائے نظر بد

جس کو نظر بد لگ جائے اس پر یہ دُعا پڑھ کر دم کریں:

بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ أَذْهِبْ حَرَّهَا وَبَرْدَهَا وَوَصَبَهَا.

اللہ کے نام سے، اے اللہ! دور کر اس کی گرمی اور اس کی سردی اور اس کی تکلیف۔

عمل برائے آسیب زدہ

جس کو جن کا اثر ہوا ہو اُسے یوں اُتارے:

بالفاتحة و ﴿الٓمٓ﴾ إلى ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾، ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ . الآية الكرسي، وَ﴿لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ﴾ إلى آخر البقرة، وَ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ﴾ الآية و ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ﴾ في الأعراف الآية، وَ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ﴾ إلى آخر المؤمنون، وأول الصافات إلى ﴿لَازِبٍ﴾ وثلاث

پہلے سورۂ فاتحہ پڑھے، اور اس کے بعد ﴿الٓمٓ﴾ سے لے کر ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۂ بقرة آیات ۱ تا ۵) تک اور ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (سورۂ بقرة آیت ۱۶۳) آخر تک آیت پڑھے، پھر اس کے بعد آیت الکرسی اور سورۂ بقرہ کا آخری حصّہ ﴿لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ﴾ سے لے کر آخر سورت (آیات ۲۸۴ تا ۲۸۶) تک پڑھے اور پھر اس کے بعد ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ

آیات من آخر الحشر، و ﴿اِنَّـهٗ تَعَالٰی﴾ الآیة من الجن، و ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ والمعوذتین.

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ سے آخر آیت (سورہ آل عمران آیت: ۱۸) تک پڑھے، اور پھر اس کے بعد ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ﴾ سے لے کر آخر آیت تک، (سورۂ اعراف آیت: ۵۴) اور اس کے بعد ﴿فَتَعَالَی اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ سے آخر سورت (سورۂ مؤمنون آیات ۱۱۶ تا ۱۱۸) تک پڑھے، اور اس کے بعد سورۃ الصافات کی شروع کی آیتیں (آیات ۱ تا ۱۱) ﴿لَّازِبٍ﴾ تک پڑھے، اور اس کے بعد سورۂ جن میں سے ﴿وَاَنَّهٗ تَعَالٰی﴾ سے آخر آیت تک (آیت ۳) پڑھے۔ اس کے بعد سورۂ اخلاص اور معوذتین سورۂ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر دم کرے۔

اگر بچھو کاٹے تو یہ پڑھ کر دم کرے

بِسْمِ اللّٰهِ شَجَّةٌ قَرْنِيَّةٌ مِّلْحَةُ بَحْرٍ قَفَطَا.

جل جانے اور کولہا اتر جانے کا عمل

أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ، اِشْفِ، أَنْتَ الشَّافِيُ لَا شَافِيَ إِلَّا أَنْتَ.

دور کر تکلیف کو اے پروردگار آدمیوں کے! شفا دے، تو ہی شافی ہے، نہیں ہے شفا دینے والا کوئی سوائے تیرے۔

جب کسی جگہ آگ لگی ہوئی دیکھے

اَللّٰهُ أَكْبَرُ. (مکرّرا)

اللہ اکبر بار بار کہے۔

پیشاب رُک جانے اور پتھری کی دُعا

رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اِسْمُكَ أَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْأَرْضِ وَاغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا

ربّ ہمارا اللہ ہے وہ کہ جس کا ظہور آسمانوں میں ہے، پاک ہے نام تیرا، حکم تیرا آسمانوں اور زمین میں ہے، جیسے کہ رحمت تیری آسمانوں میں ہے، اسی طرح کر دے رحمت اپنی زمین میں اور بخش دے

وَخَطَايَانَا أَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِيْنَ فَأَنْزِلْ شِفَاءً مِّنْ شِفَائِكَ وَرَحْمَةً مِّنْ رَّحْمَتِكَ عَلٰى هٰذَا الْوَجْعِ.

ہمارے گناہ اور خطائیں، تو ربّ ہے اچھے لوگوں کا۔ پس اتار دے ایک شفا اپنی شفا میں سے اور ایک رحمت اپنی رحمت میں سے اس تکلیف پر۔

پھوڑے پھنسی کی دُعا

اپنا تھوک اپنی شہادت کی اُنگلی پر لگائے اور پھر انگلی کو مٹی پر رکھے تاکہ کچھ مٹی اس پر لگ جائے اور پھر اس انگلی کو دُکھتی ہوئی جگہ پر پھیرتا جائے اور یہ دُعا پڑھتا جائے:

بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا.

حق تعالیٰ کے نام کے ساتھ یہ مٹی ہے ہماری زمین کی ہم میں سے ایک کی تھوک کے ساتھ، تاکہ ہمارے بیمار کو شفا ہو ہمارے پروردگار کے حکم سے۔

دُعا برائے جملہ امراض

ہاتھ تکلیف کی جگہ رکھے اور بسم اللہ تین بار پڑھے، پھر اس کے بعد یوں کہے:

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ.

پناہ چاہتا ہوں میں اللہ کی اور اس کی قدرت کی اس برائی سے جو پاتا ہوں میں اور جس کا اندیشہ کرتا ہوں۔

(سات بار پڑھے)۔

آنکھ دُکھنے کی دُعا

اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِبَصَرِيْ وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ وَأَرِنِيْ فِي الْعَدُوِّ ثَأْرِيْ وَانْصُرْنِيْ عَلٰى مَنْ ظَلَمَنِيْ.

یا اللہ! کارآمد رکھیے میری نگاہ کو، اور کر دیے اس کو باقی بعد میرے، اور دکھلایئے مجھے دشمن میں بدلہ میرا، اور فتح دیجیے مجھے اس پر جو مجھ پر ظلم کرے۔

دُعائے بخار

بِسْمِ اللّٰهِ الْكَبِيْرِ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَّمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ.

خدا کے نام کے ساتھ جو بڑا ہے پناہ چاہتا ہوں میں اللہ بزرگ کی ہر رگ اچھلنے والی کی بدی سے اور آگ کی گرمی کے نقصان سے۔

بچے کے ڈرنے اور نظرِ بد لگنے کی دُعا

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَآمَّةٍ وَّعَيْنٍ لَّامَّةٍ. بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

پناہ میں آتا ہوں اللہ تعالیٰ کی کامل باتوں کی ہر شیطان کی شر سے اور غم اور بُری نظر سے۔ اس خدا کے نام سے جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی زمین میں اور نہ آسمانوں میں، اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور نہیں ہے قوت اور نہ طاقت مگر ساتھ اللہ برتر و بزرگ کے۔

دُعا وقتِ عیادتِ مریض

لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ. اَللّٰهُمَّ اشْفِهٖ اَللّٰهُمَّ عَافِهٖ.

کچھ ڈر نہیں کفارۂ گناہ ہے ان شاء اللہ تعالیٰ، کچھ ڈر نہیں کفارۂ گناہ ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یا اللہ! اس کو شفا دیجیے۔ یا اللہ! اس کو اچھا کر دیجیے۔

دُعا وقتِ موت

جب کوئی مسلمان انتقال کر رہا ہو تو اس کے پاس بیٹھ کر لا إلہ إلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا تکرار کرے۔

دُعا جب کسی کی ماتم پُرسی کی جائے

إِنَّ لِلّٰهِ مَآ أَخَذَ وَلِلّٰهِ مَآ أَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهٗ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ.

اللہ ہی کا ہے جو کچھ لے لیا اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ دیا اور سب اس کے پاس ایک مدتِ مقررہ کے ساتھ ہے۔ لہٰذا صبر اختیار کرو اور اُمیدِ ثواب رکھو۔

دُعا جب مُردے کو قبر میں اتارا جائے

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ اور رسول اللہ (ﷺ) کے طریق پر۔

دُعا جب قبرستان میں جائے

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَـآ أَهْلَ الْقُبُوْرِ، يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ، وَأَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ.

سلام پہنچے تم کو اے اہلِ قبور! بخشیں اللہ ہم کو اور تم کو، اور تم آگے جانے والے ہو اور ہم تمہارے قدم پر ہیں۔

اغلاط العوام

سوال: بعض باتیں لوگوں میں غلط پھیل گئی ہیں ذرا ان کو شمار کر دیجیے۔

جواب: یوں تو بہت سی غلط باتیں مشہور ہیں مگر میں ان میں سے بعض خاص خاص باتیں بتائے دیتا ہوں، سنیے اور اپنے اعزّہ میں سے ان کو نکالنے کی تندہی کے ساتھ کوشش کیجیے وہ باتیں یہ ہیں:

☆ مریدنی سے لوگ نکاح درست نہیں سمجھتے۔ یہ غلط ہے۔

☆ مشہور ہے کہ ایک پیر سے میاں بیوی مرید نہ ہوں، نہیں تو بھائی بہن ہو جائیں گے۔ یہ بھی غلط ہے۔

☆ ایک برتن میں میاں بیوی کے دودھ پینے سے دودھ شریک بھائی بہن ہونے کا خیال کرتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔

☆ جھاؤ کی لکڑی کا استعمال لوگ درست نہیں سمجھتے۔ یہ بھی غلط ہے۔

☆ مسجد کا چراغ گل کرنے کو اچھا نہیں سمجھتے۔ یہ بھی غلط ہے۔ بلکہ اگر ضرورت نہ ہو تو گل ہی کر دینا چاہیے، کیوں کہ بلا وجہ تیل صَرف کرنا فضول خرچی ہے اور جلتا چراغ چھوڑ دینا حدیث شریف سے منع بھی ہے۔

☆ مشہور ہے کہ ٹینکی کا پانی درست نہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔

☆ مُردے کے نہلانے کو کورا گھڑا منگانا ضروری خیال کرتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ اور جو کورے گھڑے منگائے بھی جاتے ہیں ان کو گھر پر استعمال کرنا اچھا خیال نہیں کرتے بلکہ مسجد میں بھیج دیے جاتے ہیں یا توڑ دیتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ یہ باتیں کوئی

ضروری نہیں۔ جس برتن کو چاہیں استعمال کریں۔

☆ بعض لوگ رات کو جھاڑو دینا، منہ سے چراغ گل کرنا، دوسرے کا کنگھا کرنا اگرچہ اجازت سے ہو برا سمجھتے ہیں۔ یہ بھی بے اصل بات ہے۔

☆ یہ بھی مشہور ہے کہ میاں بیوی کے جنازے کا پایہ نہ پکڑے۔ یہ بھی غلط ہے۔

☆ مشہور ہے کہ پیر سے مریدنی کا پردہ نہیں ہے۔ یہ محض غلط اور دین کے بالکل خلاف ہے۔

☆ مشہور ہے کہ رنج کرنے والے کی بخشش نہ ہوگی۔ یہ بھی سراسر غلط ہے۔

☆ بعض یوں سمجھتے ہیں کہ جس گوشت میں ہڈی نہ ہو وہ مکروہ ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔

☆ یہ بہت مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی کو کھانا درست نہیں۔ سو یہ بے اصل ہے۔ جو حکم قربانی کا ہے وہی عقیقہ کا حکم ہے۔

☆ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کتے کے بدن سے کپڑا وغیرہ لگ جانے سے کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ البتہ اگر کتے کی رال لگ جائے یا پسینہ لگ جائے تو ناپاک ہو جائے گا۔

☆ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مرد کی بائیں آنکھ اور عورت کی دائیں آنکھ پھڑکے تو کوئی مصیبت ورنج پیش آتا ہے اور اس کے برعکس ہونے سے خوشی پیش آتی ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔

☆ بعض عورتیں سمجھتی ہیں کہ اگر نئی دلہن اپنے گھر یا صندوق وغیرہ کو تالا لگائے تو اس گھر کو تالا لگ جاتا ہے یعنی ویران ہو جاتا ہے۔ سو یہ خیال بالکل غلط ہے۔

☆ دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں قرض دار ہونے کا گمان کرتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔

☆ بعض لوگ کسی خاص دن خاص وقت میں سفر کرنے کو برا یا اچھا سمجھتے ہیں یہ کفار اور نجومیوں کا اعتقاد ہے۔

☆ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہتھیلی میں خارش ہونے سے مال ملتا ہے اور تلوے میں خارش ہونے سے اور جوتے پر جوتا چڑھ جانے سے سفر درپیش ہوتا ہے۔ یہ لغو اور مہمل بات ہے۔

☆ مشہور ہے کہ زمین پر نمک گرا دینے سے قیامت کے دن پلکوں سے اُٹھانا پڑے گا۔ یہ

بھی بے اصل ہے۔

☆ کتے کے رونے سے کوئی وبا یا بیماری پھیلنے کا خیال کرتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔

☆ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جمائی آنے پر منہ پر ہاتھ نہ رکھنے سے شیطان منہ میں تھوک دیتا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔

☆ بعض عورتیں یوں سمجھتی ہیں کہ اپنے شوہر کا نام لینے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔

☆ بعض عورتیں یہ خیال کرتی ہیں کہ رات کو ادوائن درست کرنے سے بیٹا پیدا نہیں ہوتا۔ یہ لغو اور واہیات اور غلط خیال ہے۔

اس سلسلے میں ''اغلاط العوام'' جدید مبوب مع اضافات از مولانا مہربان علی صاحب رحمہ اللہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔